مکاتب خلافت وامامت

کے

امتیازی نشانات

(معالم المدرستین)

ترجمہ

علامہ السید ذیشان حیدر جوادی

تنظیم المکاتب

گولہ گنج - لکھنؤ ۱۸ (انڈیا)

مکاتب خلافت وامامت

کے

امتیازی نشانات

(ترجمہ معالم المدرستین)

تحریر
محقق بصیر علامہ السید مرتضیٰ العسکری

ترجمہ
علامہ السید ذیشان حیدر جوادی

ناشر
تنظیم المکاتب۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ ۱۸ یو، پی (انڈیا)

فون 224563 فیکس 215115

نام کتاب	مکاتب خلافت وامامت کے امتیازی نشانات
تحریر	علامہ السید مرتضیٰ العسکری
ترجمہ	علامہ السید ذیشان حیدر جوادی
ناشر	تنظیم المکاتب گولہ گنج لکھنؤ (انڈیا)
تعداد	۲ دو ہزار
سنہ اشاعت	دسمبر ۹۷ء
ہدیہ	Rs 60

فہرست مضامین

نمبر شمار	عوانات	صفحہ نمبر
۵۶	عصمت اہلبیت علیہم السلام	۱۵۲
۵۷	اولی الامر کی تعیین میں رسول اکرمؐ کا اہتمام	۱۵۹
۵۸	غزوات کے موقع پر مدینہ میں سرکار دو عالمؐ کے جانشین	۱۶۴
۵۹	وزیر و ولی عہد و خلیفہ	۱۷۱
۶۰	واقعہ غدیر	۱۷۷
۶۱	حضرت علیؑ کی تاجپوشی	۱۸۰
۶۲	مناشدہ	۱۸۱
۶۳	قرآن مجید میں ولایت اور اولی الامر	۱۸۳
۶۴	ائمہ طاہرینؑ رسولؐ کے مبلغ ہیں	۱۸۸
۶۵	قصہ تبلیغ برائت	۱۸۹
۶۶	مفہوم منیّ	۱۹۲
۶۷	حامل علوم رسولؐ	۱۹۳
۶۸	حضرات سبطین رسولؐ کے بارے میں احادیث مبارکہ	۲۰۱
۶۹	مہدی آخر الزمانؑ کے بارے میں سرکارؐ کی بشارتیں	۲۰۴
۷۰	ائمہ اہلبیتؑ کی امامت پر نصوص	۲۰۶
۷۱	رسول اکرمؐ کی طرف سے عدد ائمہ کی صراحت	۲۰۹
۷۲	برادران اسلام کی حیرت و پریشانی	۲۱۳
	بحث دوم - فصل چہارم	
۷۳	دونوں مکاتب فکر میں خلاصۂ بحث امامت	۲۱۹
۷۴	صدر اسلام میں قیام خلافت کی تاریخی حیثیت	۲۲۰
۷۵	بیعت حضرت علیؑ	۲۲۷
۷۶	خلافت کے بارے میں مدرسہ خلفاء کے بیانات	۲۲۹
۷۷	اصطلاحات کی تعریف	۲۳۱
۷۸	خلافت و امامت کے بارے میں مکتب خلافت کے افکار کا تجزیہ	۲۳۴
۷۹	امامت مدرسۂ اہلبیتؑ میں	۲۳۷

بسمہ سبحانہ

عرض تنظیم

انسان کا پڑھا لکھا ہونا ایک کمال ہے اور پڑھے لکھے ہونے کے بعد مغرور نہ ہونا دوسرا کمال ہے اور ان سب سے بالاتر کمال یہ ہے کہ مخالفین سے گفتگو کرتے وقت بھی لہجہ میں تندی۔ بیان میں تلخی اور اسلوب میں ناہمواری نہ پیدا ہونے پائے۔

بیسویں صدی میں ایسے چند باکمال افراد دیکھے گئے ہیں جو ان تینوں کمالات کے حامل تھے۔ ہمیشہ اختلافی موضوعات پر قلم اٹھایا اور کبھی قلم کو راستہ سے ہٹنے نہیں دیا اور نہ اسے ٹھوکر کھانے کا موقع دیا۔

علامہ امینی طاب ثراہ کی الغدیر ملاحظہ کیجئے۔ علامہ شرف الدینؒ کی المراجعات دیکھئے اور پھر آخر میں علامہ السید مرتضیٰ عسکری دام ظلہ کی تحریریں پڑھئے۔ "عبداللہ بن سبا" "احادیث ام المومنین عائشہ" اور "ڈیڑھ سو جعلی اصحاب" جیسے موضوعات ملاحظہ فرمائیے اور پھر تفصیلات کا مطالعہ کیجئے تو اندازہ ہوگا کہ سنجیدگی قلم ایک عطیہ الٰہی ہے جو پروردگار انھیں افراد کو عنایت فرماتا ہے جن کے قلم سے واقعاً دین کا کام لینا ہوتا ہے۔

تاریخ میں کروڑوں اہل قلم پیدا ہوئے لیکن قلم کے صحیح مصرف کی طرف سرکارِ دو عالمؐ نے پہلا اشارہ اس وقت دیا جب مولائے کائناتؑ کو صدیبیہ کا صلحنامہ لکھنے کا حکم دیا اور دوسرا اشارہ اس وقت فرمایا جب خود نوشتہ نجات لکھنے کے لئے قلم کا مطالبہ کیا۔

گویا قلم کا صحیح مصرف یا صلح و آشتی کی تحریر رقم کرنا ہے یا قوم کے لئے نوشتۂ نجات تیار کرنا ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ فنکاری ہے قلمکاری نہیں ہے۔

علامہ عسکری کی زیر نظر کتاب اس انداز تحریر کا شاہکار ہے جہاں موصوف نے شیعہ سنّی مکاتب فکر کے امتیازی خطوط کی نشاندہی کی ہے اور نہایت سنجیدگی کے ساتھ قلم اٹھایا ہے جہاں دور دور تعصب کا احساس نہیں ہوتا ہے اور پڑھنے والا غور و فکر کے سمندر میں غرق ہو جاتا ہے اب اس کے بعد حقائق کے موتی لے کر برآمد ہوگا یا قعر مذلت میں رہ جائے گا۔ یہ اس کے مقدر کی بات ہے

کتاب کی پہلی جلد کا ترجمہ کئی سال قبل بعض مخلصین کے تقاضے پر علامہ جوادی دام ظلہ نے کیا تھا لیکن بعض حالات کی بنا پر اس کی اشاعت نہ ہو سکی تھی اور اب جناب محترم الحاج ملا اصغر صاحب صدر ورلڈ خوجہ فیڈریشن کے تعاون سے منظر عام پر آرہا ہے کہ موصوف ہر سال ادارہ کی ایک کتاب کی اشاعت میں مکمل تعاون فرماتے ہیں

رب کریم موصوف کے توفیقات میں اضافہ فرمائے، علامہ عسکری دام ظلہ اور علامہ جوادی دام ظلہ دونوں کو طول عمر اور توفیق مزید مرحمت فرمائے۔!

سید صفی حیدر

سکریٹری تنظیم المکاتب

۲۰ر دسمبر ۹۷ء

کائنات میں سرکارِ دو عالمؐ سے بالاتر نہ کوئی شخصیت پیدا ہوئی ہے اور نہ آپ کی وفات حسرت آیات سے بالاتر کوئی حادثہ ہوگا ـــــ کربلا کا الم انگیز سانحہ بھی اسی ایک حادثہ کا نتیجہ ہے ـــــ بلکہ محدث دہلوی کی زبان میں وہ سرکار ہی کی جہری شہادت ہے جس کی طرف آپ نے "انا من حسین" میں اشارہ کر دیا تھا۔

اس حادثہ کا رونما ہونا تھا کہ امت پر بد نصیبی کے بادل منڈلانے لگے اور اس میں ۷۳ مختلف راستوں پر چلنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔

سرکارؐ کی حیات طیبہ میں بھی اس افتراق کے جراثیم وقتاً فوقتاً سر ابھارتے تھے لیکن شخصیت کی سنگینی کے سامنے اُبھر نہ پاتے تھے۔ آپ کا وقتِ آخر آیا تو مفسد جراثیم نے یہ سمجھ لیا کہ مریض کمزور ہوتا ہے تو مرض میں حملہ کرنے کے امکانات قوی ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ پہلا حملہ "الزام ہذیان" کی شکل میں سامنے آیا اور اس کے بعد پے در پے حملے شروع ہو گئے ـــــ یہاں تک کہ جس شمع کے گرد لاکھوں پروانے جمع ہو گئے تھے وہ شمع محفل میں پڑی رہی اور پروانے اڑ گئے ـــــ یہ ایک لمحہ فکریہ ہے کہ سرکار دو عالمؐ کے گھر والے نہ ہوتے یا وہ بھی سیاسی کشمکش کا شکار ہو جاتے تو آپ کے جنازہ کا انجام کیا ہوتا اور اس شمع رسالت کا دفنانے والا کون ہوتا۔ جس نے اپنے گرد ایک لاکھ چودہ ہزار یا اس سے کچھ زائد پروانے جمع کر لئے تھے اور جس کی ہر بات پر

"آمنا اور صدقنا" کے نعرے بلند ہوتے تھے۔

تاریخ اسلام میں سرکار دو عالمؐ کی وفات کے بعد جو واقعات پیش آئے انہیں اگرچہ "ناگہانی حادثہ" کا نام دے دیا گیا تھا لیکن حقیقتِ امر یہ ہے کہ ان میں کوئی حادثہ ناگہانی نہیں تھا اور نہ سیاسی حادثات ناگہانی ہوتے ہیں۔ دنیا میں جہاں بھی کسی شخص یا جماعت کو اقتدار اعلیٰ کی فکر ہوتی ہے۔ وہ عام حالات میں بھی اقتدار کی راہیں ہموار کرتا رہتا ہے۔ چہ جائیکہ جہاں روز اول سے محرومی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو اور پہلے اعلان رسالت ہی میں ولایت و وزارت کا اعلان ہو گیا ہو ——— کیا اس کے بعد بھی یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ حزب اختلاف اپنی سیاسی کارکردگی سے غافل رہ جائے گا اور یہ فکر نہ ہوگی کہ جب ایک شخص کی وزارت کا اعلان ہو گیا ہے تو دوسروں کا کیا حشر ہوگا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ بعض افراد نے اسلام لانے اور بیعت کرنے سے پہلے ہی یہ شرط رکھنا چاہی تھی کہ ہمیں بھی اقتدار میں حصہ ملنا چاہئے جسے سرکار دو عالمؐ نے نہایت سختی سے مسترد کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ مجھے مشروط بیعت کی ضرورت نہیں ہے اور نہ میں ایسے اسلام کو قبول کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ اس صورت میں دیگر مفاسد کے علاوہ ایک فساد یہ بھی پیدا ہو جائے گا کہ اس طرح امت میں رسولؐ کی اطاعت کرنے کے بجائے رسولؐ سے بات منوانے کا شعور پیدا ہوگا اور یہ بات اسلام کے سراسر منافی ہے۔

بہرحال حزب اختلاف اپنے پروگرام مرتب کرتا رہا اور سرکار دو عالمؐ اپنی طرف سے مسلسل اپنے اعلان کو دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کا وقتِ آخر آ گیا اور آپ نے چاہا کہ زبانی تقریر کو تحریر کی شکل میں محفوظ کر دیا جائے (اے کاش کل کی دنیا میں آج کے آلات ایجاد ہو گئے ہوتے اور ہم اپنے کانوں سے اس المیہ کی داستان سنتے اور دیکھتے کہ کس کی زبان پر کون سے کلمات آ رہے ہیں اور سرکار مرض کی شدت میں کس لطف و مہربانی سے امت کی ابدی ہدایت کا انتظام کرنا چاہتے ہیں اور ایک فرد یا جماعت

کی طرف سے اس انتظام کا کن لفظوں میں استقبال کیا جارہا ہے۔

لیکن زمانہ کی ستم ظریفی تھی کہ اس وقت ایسے آلات نہ تھے۔ اور اب کاغذ کا سادہ رہ جانا ہی سیکڑوں داستانوں کا خلاصہ ہے اور اس میں وہ ساری عبارتیں پڑھی جاسکتی ہیں جو سرکارؐ لکھنا چاہتے تھے اور جسے مورخین نے حالات کے تحت نہیں لکھا ہے)۔

حضور کے انتقال کے بعد آپ کا انتظام ختم ہوگیا اور اعلان غدیر خم آپ کا آخری اعلان قرار پایا لیکن دوسری جماعت کو کھل کر کام کرنے کا موقع مل گیا اور نہایت ہوشیاری سے پہلے حضور کی موت کو مشکوک بلکہ ناقابل تصور بنایا گیا ——— جو کام آج دنیا کی اکثر سیاسی جماعتوں میں رائج ہے کہ جب تک اپنے عہدہ کا بندوبست نہیں ہوجاتا سربراہ کے مرنے کا اعلان نہیں کیا جاتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ آج یہ کام محض سیاسی اور غیر اسلامی دنیا میں ہوتا ہے اور سربراہ اتنے پردوں کے اندر رہتا ہے کہ سوائے خصوصی معالج کے کوئی صورت حال سے آگاہ بھی نہیں ہوپاتا ہے اور کل یہی کام مسلم دنیا میں ہورہا تھا جہاں سربراہ ہمیشہ عوام کے درمیان رہا اور انتہائی سادہ عوامی زندگی گذاری اور شائد اسی لئے اس وقت خبر کو دبانے کے لئے تلوار پر تکیہ کرنا پڑا جس کی آج کی دنیا میں ضرورت نہیں ہوتی ہے۔

بہرحال قوم نے اپنا کام شروع کردیا۔ مخلصین جنازہ رسولؐ میں لگے رہے اور کاروباری حضرات اپنے کاروبار میں لگے رہے۔ اسلام اتنا کامیاب ہوچکا تھا کہ سب کے منہ میں پانی آگیا اور مہاجرین کے ساتھ انصار بھی حصہ داری کا دعویٰ کرنے لگے۔

بعض ارباب قلم کا کہنا ہے کہ سرکار دوعالمؐ کے بعد کے تلخ واقعات کا بیان کرنا امت اسلامیہ اور تاریخ اسلام کی کھلی ہوئی توہین ہے کہ گویا سرکار دوعالمؐ نے ۲۳ سال کی مسلسل ریاضت میں چند افراد کو سچا مسلمان بنانے کے علاوہ کچھ نہیں کیا جبکہ آپ کی عظمت کے تحفظ کا تقاضا یہ ہے کہ لاکھوں سچے مسلمان تسلیم کئے جائیں اور یہ کہا جائے کہ ایک شخص نے اتنے مختصر وقفہ میں اس قدر صاحبان ایمان و کردار پیدا کردیئے ہیں۔

مجھے اس موضوع پر تفصیلی بحث نہیں کرنا ہے ــــــ صرف ایک جملہ یہ کہنا ہے کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ چار پانچ کے علاوہ کوئی واقعی مسلمان نہیں تھا تو بھی یہ سرکار کا ایک کارنامہ ہی ہوگا ــــــ اس لئے کہ اولاً تو جس درجہ کے مسلمان وہ چار پانچ تھے اس درجہ کا آج ایک بھی نہیں ہے جبکہ لاکھوں مسلمان چودہ صدیوں سے تبلیغ کر رہے ہیں۔ اور جن پر کام کر رہے ہیں وہ بھی صدیوں کے پشتینی مسلمان ہیں ــــــ ایسے حالات میں اگر کوئی شخص ایسے گندے ماحول سے لاکھوں کو نکال کر کلمہ پڑھوا لے اور ان میں سے چند ایک کو ایسا بے نظیر اور لاجواب بنا دے کہ چودہ صدیوں میں ان کا جواب نہ پیدا ہو سکے تو اسے معجزہ نہ کہا جائے گا تو اور کیا کہا جائے گا۔

آپ اس دور کے حالات کا جائزہ لیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ سرکارؐ نے کیا کارنمایاں انجام دیا ہے اور کس طرح بدوؤں کو انسان اور انسانوں کو مسلمان بنایا ہے جبکہ آج کے دور میں عوام و خواص میں کوئی اس درجہ کا مسلمان نہیں پایا جا رہا ہے ــــــ حکام گندی سازشیں کر رہے ہیں ــــــ سربراہ یہودیت کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہے ہیں قاضی حکومت کے اشاروں پر فیصلہ کر رہے ہیں ــــــ مفتی سرکاری فتوے صادر کر رہے ہیں ــــــ اور ــــــ ارباب قلم قلم کی تجارت کر رہے ہیں ــــــ اب اگر چودہ سو سال قبل کوئی سچے مسلمانوں کی ایک جماعت تیار کر دے تو یہ اس کا عظیم ترین کارنامہ ہی شمار کیا جائے گا اور میرے خیال میں تو اس طبقہ کو صرف اس بات پر اعتراض ہے کہ وہ چار پانچ مسلمان ابوذر و مقداد و عمار جیسے افراد کیوں شمار کئے جاتے ہیں، ورنہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ کسی دور میں بھی سچے مسلمانوں کی تعداد بکثرت نہیں سمجھی گئی ہے۔ جس کا زندہ ثبوت یہ ہے کہ پہلی خلافت کے موقع پر اس درجہ کے صرف تین مانے گئے۔ ابوبکر کی نگاہ میں عمر اور ابوعبیدہ اور ان دونوں کی نگاہ میں صرف ابوبکر ــــــ ادھر انصار میں بھی صرف تین افراد سامنے آئے سعد بن عبادہ، حباب بن منذر، بشیر بن سعد

اور بس ـــــــ تو کیا اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ سرکارؐ نے صرف چھ ہی قابل و فاضل افراد تیار کئے تھے اور باقی سب فی سبیل اللہ مسلمان تھے۔

مذہب شیعہ میں تو کسی کا نام اس لئے نہیں لیا گیا کہ خلافت غدیر خم میں طے ہو چکی تھی لیکن جہاں بروقت طے کرنا تھا وہاں بھی سرکارؐ کی تیار کی گئی عظیم جماعت سامنے نہیں آئی۔

اس کے بعد دوسری خلافت میں تو صورت حال اور بھی بدتر ہو گئی کہ ایک کے علاوہ دوسرا اس درجہ کا مسلمان نہ رہ گیا اور تیسری خلافت میں چھ کے علاوہ ساتواں نام نہ آیا اور اس کے بعد تو معاویہ و یزید جیسا بھی کوئی رہنما مسلمانوں کو نہ ملا اور پسماندہ صحابیت کی نااہلی کا یہ عالم ہو گیا کہ جمل کے میدان کو مرد سربراہ لشکر نہ مل سکا ـــــــ کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ امت اسلامیہ بلند پایہ مسلمانوں کی تعداد قلیل ترین ہی مانتی ہے اور یہ مذہب شیعہ کا خاصہ نہیں ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ دونوں کے منتخب اور برگزیدہ افراد الگ الگ ہیں۔ ایک طرف اہل بیتؑ اطہار کے علاوہ سلمان، ابوذر، مقداد، عمار، میثم، رشید، عمرو بن الحمق، قنبر جیسے مسلمان ہیں اور ایک طرف خلفاءؔ (ثلاثہ) معاویہ، یزید عمرو بن ابو عبیدہ جراح، عبدالرحمان بن عوف، طلحہ، زبیر جیسے افراد ہیں۔

شخصیتوں کا یہ فرق کیوں ہو گیا ـــــــ اور امت میں اتنے فاصلے کیوں وجود میں آگئے۔ اس کا جائزہ زیر نظر کتاب میں تفصیل کے ساتھ لیا گیا ہے۔

خلافت و امامت کے موضوع پر لاکھوں کتابیں لکھی گئی ہیں اور شائد کوئی بات کہنے یا لکھنے کے لئے باقی نہیں رہ گئی ہے "قد تبین الرشد من الغی" کا مصداق اس سے بہتر کچھ نہیں ہے ـــــــ لیکن خدا سلامت رکھے حضرت علامہ سید مرتضیٰ عسکری دام ظلہ کو ـــــــ کہ ان کے قلم میں عجیب انفرادیت اور پاکیزگی پائی جاتی ہے، گفتگو میں سنجیدگی، بحث میں علمیت، قلم میں طہارت، بات میں

احتیاط، استدلال میں دیانتداری، بیان حقائق میں مکمل تحفظ، استنتاج میں انتہائی غیر جانبداری آپ کے بیان وزبان کے خصوصیات ہیں۔ آپ کی کتابیں عبداللہ بن سبا، احادیث ام المومنین عائشہ وغیرہ سارے عالم اسلام سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ اب آپ نے اس خطرناک موضوع پر محتاط قلم اٹھایا ہے اور یہ بتانے کی کامیاب کوشش کی ہے کہ مسلمانوں میں امامت وخلافت کے دو مکاتب فکر ہیں اور دونوں کے اپنے نظریات ہیں۔ تاریخ کا طالب علم حقائق کا پتہ لگانا چاہے تو اس کا فرض ہے کہ دونوں مکاتب فکر کے بنیادی خطوط پہچانے اور انہیں کی روشنی میں نتائج کا فیصلہ کرے۔ جزئیات میں الجھ جانا سنجیدہ مفکر یا دانشور کا شعار نہیں ہے۔ بافہم افراد اصول وکلیات کو دیکھ کر حقائق کا فیصلہ کرتے ہیں اور ایسے افراد کے لئے یہ کتاب بہترین نمونۂ ہدایت ہے ——— رب کریم مصنف کے سایہ کو برقرار رکھے اور مترجم کے توفیقات میں اضافہ کرے اور ملت اسلامیہ کو کماحقہ استفادہ کی توفیق کرامت فرمائے۔

والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اھداء

السّلام علیک یا امام العصر و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

میرے سردار! ـــــ فرزند رسولؐ! ـــــ آپ کی بارگاہ میں یہ حقیر کوشش کا نذرانہ حاضر ہے ـــــ اے عزیز کنعانِ مصطفٰیؐ ـــــ ہم اور ہمارے متعلقین مصائب کا شکار ہیں ـــــ اور آپ کی بارگاہ میں یہ حقیر بضاعت لے کر آئے ہیں ـــــ آپ اس کا مکمل صلہ عطا فرمائیں اور اپنے کرم سے اضافہ فرمائیں کہ خدا کرم کرنے والوں کو جزائے خیر دیتا ہے۔

میرے مولائے جواد و کریم! ـــــ مالک کی بارگاہ میں ہماری سفارش کریں کہ وہ ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمیں اور ہماری قوم کو مصائب سے نجات دے کہ وہ ارحم الراحمین ہے۔

آپ کا حقیر خادم

مُرتضیٰ العسکری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فبشر عبادی الذین یستمعون
القول فیتبعون احسنہ اولئك
الذین ھداھم اللّٰہ واولئك
ھم اولوا الالباب

______ (الزمر ۱۷ - ۱۸)

میرے پیغمبرؐ!
میرے ان بندوں کو بشارت دیدیجئے جو ہر بات
کو غور سے سُنتے ہیں اور پھر جو بہترین ہوتی ہے اس کا اتباع
کرتے ہیں ______ کہ انہیں لوگوں کی اللہ نے ھدایت کی ہے ـ اور
یہی صاحبانِ عقل ہیں۔

مقدمہ

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی خاتم الانبیاء محمد وآلہ الطاہرین والسلام علی عباداللہ الصالحین ــــــ واضح رہے کہ اس کتاب کے اکثر مباحث علامہ مجلسی طاب ثراہ کی کتاب مرآۃ العقول کے مقدمہ کے طور پر شائع ہو چکے ہیں۔ "مرآۃ العقول" ثقۃ الاسلام کلینی طاب ثراہ کی کتاب الکافی کی شرح ہے اور میرے بیانات کا مجموعہ مقدمہ مرآۃ العقول کے نام سے شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد میں نے ان مباحث پر نظر ثانی کی اور انہیں قدرے تفصیل دیکر ان میں بعض دیگر مباحث کا اضافہ کر دیا اور اب مناسب یہ معلوم ہوا کہ اس کا نام "مدرسہ امامت وخلافت کے امتیازی خطوط"، رکھ دیا جائے اس لئے کہ اس کتاب میں دونوں مکاتب فکر کے افکار کو انتہائی امانت اور دیانتداری کے ساتھ نقل کیا گیا ہے اور مومنین کرام سے بھی التماس ہے کہ کتاب کے مطالب کا مطالعہ ہر تعصب اور جانبداری سے بلند ہو کر کریں اور ہمیں ہماری غلطیوں سے باخبر کریں اور بات صحیح ہو تو بحکم قرآن بہترین بات کا اتباع کریں۔

رب کریم ہم سب کو صلاح وفلاح کی منزل تک پہونچا دے اور آخرہ کار ساری حمد اسی خدائے رب العالمین کے لئے ہے۔

مرتضیٰ العسکری

مباحثِ کتاب کے خطوط

اس کتاب کے مباحث دو قسموں پر منقسم ہونگے

قسمِ اوّل

اسلامی عقائد اور احکام کا تذکرہ ——— جس میں پانچ بحثیں ہوں گی۔

۱ ——— صحبت اور صحابہ کے بارے میں دونوں مکاتب فکر کی بحثیں۔

۲ ——— امامت کے بارے میں دونوں کے خیالات۔

۳ ——— مصادر شریعت کے بارے میں دونوں کے نظریات۔

۴ ——— خطوط اسلام سے انحراف کے مقابلہ میں امام حسینؑ کا قیام

5 ——— امام حسینؑ کے بعد دیگر ائمہ کا اقامت اسلام کے بارے میں جہاد۔

قسم دوم

دونوں مکاتب فکر کے نظریاتی، سیاسی، اجتماعی خدمات۔ اس سلسلے میں یہ بحثیں۔

۱ ——— مدرسہ خلافت کا ایران سے اشتہار اور وہاں حکومتوں کا قیام۔

۲ ——— بلادِ اسلام پر مغل کا حملہ اور خلافت عباسی کا خاتمہ۔

۳ ——— مدرسہ اہلِ بیتؑ کا ایران میں اشتہار اور اُنکی حکومتوں کا قیام۔

۴ ——— مدرسہ اہلِ بیتؑ کے بارے میں اتہامات والزامات۔

قسمِ اوّل

احکام وعقیدۂ اسلام

اسلامی افکار کی تاریخ میں وفات پیغمبر اسلامؐ کے بعد ایک واضح تقسیم نظر آتی ہے جس میں دو مکتب فکر بالکل الگ الگ ہو گئے ہیں۔

ایک مدرسہ حکام وقت کا تھا جس کا سلسلہ وفات پیغمبرؐ سے شروع ہو کر خلافت عثمانی کے آخر پر تمام ہوتا ہے۔

اور دوسرا مدرسہ ائمہ اہل بیتؑ کا ہے جس کا سلسلہ بارہویں امامؑ پر تمام ہوتا ہے۔

ان دونوں مدرسوں کے فارغ التحصیل اور پیروکار دونوں کے درمیان روز اول سے نزاع جاری ہے اور آج تک اس کا سلسلہ باقی ہے اور خدا جانے کب تک باقی رہے گا۔

ہماری کتاب میں پہلے مدرسہ کو مدرسہ خلفاء یا مدرسہ خلافت کا نام دیا گیا ہے اور دوسرے مدرسہ کو مدرسہ اہل بیتؑ یا مدرسہ امامت کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

یہاں سب سے پہلے اختلاف کی بنیاد کا تذکرہ کیا جا رہا ہے اس کے بعد اختلاف کی مثالوں کا تذکرہ کیا جائے گا۔

ہم نے مدرسۂ حکام کو آخر سلطنت عثمانیہ تک اور مدرسۂ اہل بیتؑ کو بارہویں امام تک اس لئے قرار دیا ہے کہ دونوں مدرسے اپنے رہنماؤں کی حکومت کو شرعی اور اسلامی سمجھتے ہیں، اور اسی بنیاد پر ان مدرسوں کو مدرسۂ خلفاء اور مدرسۂ اہل بیتؑ کا نام دیا گیا ہے۔

منشائے اختلاف!

دونوں مدرسے قرآن کریم کے آیات واحکام کے بارے میں متفق ہیں اور اس کے حرام وحلال اور فرض ومندوب پر ایمان رکھتے ہیں۔ صرف تاویلِ متشابہات وغیرہ میں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔

اور اس کے بعد اختلاف کے تین بنیادی مرکز ہیں:

۱۔ صحابیت

۲۔ امامت وخلافت

۳۔ مصادر شریعت اسلامی

ہم ان تینوں مسائل کا مفصل تذکرہ کرنے سے پہلے ان مباحث میں استعمال ہونے والی اصطلاحات کا تذکرہ کریں گے اور اس وقت ان اصطلاحات ہی کا تذکرہ کررہے ہیں جو ہر باب میں کام آنے والی ہیں تاکہ قاری محترم پوری بصیرت کے ساتھ کتاب کے مطالب کا مطالعہ کرسکے۔ اس کے بعد کتب لغت کی تدوین وترتیب پر بھی نظر ڈالیں گے اور ان کی صورت حال کی بھی وضاحت کریں گے۔

عربی لغت اور اسلامی اصطلاحات

ا ــــ اصطلاحات کی تشریح

ا ــــ لغت عرب کا مفہوم

ب ــــ اصطلاح شریعت کا مفہوم

ج ــــ اصطلاح اہل شریعت (متشرعہ) کا مفہوم

ا ــ لغت عرب ــــ ! لغت عرب کے اکثر الفاظ جو آج ہمارے یہاں استعمال ہوتے ہیں اپنے اسی مفہوم میں کل بھی رائج تھے اور آج بھی رائج ہیں جیسے لفظ اکل ــــ نوم ــــ لیل ــــ نہار ــــ وغیرہ۔

ان میں سے بعض الفاظ متعدد معانی میں استعمال ہوئے ہیں جیسے لفظ غنم کہ ابتدا میں فائدہ حاصل کرنے کے معنی میں تھا اور بعد میں بلا مشقت فائدہ مل جانے کے معنی میں استعمال ہونے لگا اور آخر میں ہر فائدہ کے لئے عام ہوگیا۔ چاہے مشقت سے حاصل ہو یا بلا مشقت حاصل ہو۔

اسی طرح بعض الفاظ میں قبائلی فرق ہے کہ ایک قبیلہ میں ایک معنی ہیں اور دوسرے قبیلہ میں دوسرے معنی ہیں جیسے لفظ اثلب کہ لغت حجاز میں اس کے معنی پتھر کے ہیں اور لغت بنی تمیم میں خاک کے ہیں۔ (تہذیب اللغۃ ازہری ۱۵ ـ ۹۱)

آج کل کے زمانے میں بھی لفظ مبسوط عراقیوں کے یہاں مضروب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور شامیوں اور لبنانیوں کے یہاں مسرور کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

ایسی صورت میں یہ ضروری ہے کہ ہم اس بات کو واضح کریں کہ اثلب کے معنی اہل حجاز کے نزدیک یہ ہیں اور بنی تمیم کے نزدیک یہ ——— اسی طرح لفظ مبسوط کے معنی میں عراق و شام کی وضاحت ضروری ہے صرف یہ کہدینا کہ اس لفظ کے یہ معنی ہیں خلاف امانت و دیانت ہے۔

ب۔شرعی یا اسلامی اصطلاح

پروردگار عالم نے حضرت خاتم الانبیاء کو مبعوث برسالت فرمایا تو آپ نے بہت سے عربی الفاظ کو ان کے لغوی معانی سے ہٹا کر دیگر معانی میں استعمال فرمایا۔ مثلاً لفظ صلوٰۃ کو دعا کے بجائے اس عبادت کے لئے استعمال کیا جس میں مختلف اعمال قیام ——— قعود ——— رکوع و سجود وغیرہ ہیں اور پھر مختلف ذکر اور قرائت وغیرہ ہیں۔ جن کا عربوں کے نزدیک کوئی تصور نہیں تھا اور اس بنا پر اسے شرعی یا اسلامی اصطلاح کہا جاتا ہے کہ صاحب شریعت نے لفظ کو جدید معنی میں استعمال کیا ہے، چاہے قدیم معنی میں تغیر کیا گیا ہو جیسے صلوٰۃ یا جدید معنی میں استعمال کیا گیا ہو کہ لفظ رحمٰن اب صرف صفت پروردگار کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور یہ اسلامی اصطلاح ہے۔

اسلامی اصطلاح کی علامت یہ ہے کہ لفظ جدید ترین معنی میں قرآن حکیم یا حدیث رسول ص میں استعمال ہو ——— ورنہ اس کے بغیر اسلامی اصطلاح کا کوئی وجود نہیں ہے۔

ج ——— اصطلاح متشرعہ یا اصطلاح مسلمین

عربی زبان کے بعض الفاظ جدید ترین معانی میں مسلمانوں کے درمیان استعمال ہوتے ہیں اور زبان پیغمبر ص میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے جیسے لفظ اجتہاد یا مجتہد کہ مسلمان اسے فقہ اور فقیہ کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اور لغت میں اس کے

معنی صرف کوشش کرنے کے تھے اور اس معنی میں روایات میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے جیسا کہ سرکار دو عالم ص نے فرمایا ہے کہ:

"عالم کا درجہ مجتہد سے سو درجہ بالاتر ہے"

یعنی صاحب علم صرف عبادت میں سعی کرنے والے سے سوگنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ (مقدمہ سنن دارمی باب فضل العلم والعالم ۱۰۰)۔

یا دوسرے مقام پر حضور کی سیرت میں نقل ہوا ہے کہ:

"پیغمبر اکرم ص ماہ مبارک کے آخری عشرہ میں اسقدر اجتہاد[1] کرتے تھے کہ دوسرے کسی زمانہ میں نہ کرتے تھے"

یہ اجتہاد صرف کوشش اور زحمت برداشت کرنے کے معنی میں ہے ورنہ قرآن و سنت میں اجتہاد فقہ و استنباط کے معنی میں کہیں استعمال نہیں ہوا ہے۔ اور اسی لئے اسے اصطلاح مسلمین یا اصطلاح متشرعہ کہا جاتا ہے۔

اس قسم میں وہ الفاظ بھی شامل ہیں جو عام مسلمانوں کے نزدیک کسی خاص معنی میں نہیں استعمال ہوتے ہیں لیکن بعض مسلمانوں کے نزدیک اصطلاحی معنی میں استعمال ہوتے ہیں جیسے "صوم ذکریا" کہ بعض مسلمان اس لفظ کو اس روزہ کے بارے میں استعمال کرتے ہیں جس میں انسان چپ رہنے کا عہد کرے کہ اسے اصطلاح مسلمین بھی نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ اصطلاح بلد ہے اور اس کا تذکرہ اس شہر یا علاقہ کے ساتھ ہونا چاہیئے کہ اس لفظ کے اہل بغداد یا اہل مصر کے نزدیک یہ معنی ہیں۔ عام مسلمانوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہی حال فقہی اصطلاحات کا ہے کہ اگر کوئی لفظ کسی خاص فرقہ کے نزدیک کسی خاص معنی میں استعمال ہوتا ہے تو اسے فرقہ کی اصطلاح قرار دیا جا سکتا ہے

---

[1] صحیح مسلم۔ کتاب الاعتکاف۔ باب الاجتہاد فی العشر الاواخر من شہر رمضان حدیث ۱۱۷۵

مسلمانوں کی اصطلاح نہیں کہا جا سکتا جیسے لفظ "شاری" ــــ "مشرک" کہ شاری خوارج کی نگاہ میں مجاہد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور مشرک ان کے علاوہ تمام مسلمان ہیں۔

ــــ یا لفظ "رافضی" جسے مدرسہ خلافت کے لوگ مدرسہ اہل بیتؑ کے پیروؤں کے لئے بطور طنز استعمال کرتے ہیں۔

ــــ یا لفظ "ناصبی" کہ اسے مدرسہ اہل بیتؑ کے پیرو دشمنان اہلبیتؑ کے لئے استعمال کرتے ہیں ــــ اور ایسی صورت میں اسے اصطلاح خوارج اصطلاح مدرسہ خلفاء یا اصطلاح مدرسہ اہل بیتؑ کا نام دیا جا سکتا ہے، اصطلاح مسلمین نہیں کہا جا سکتا ــــ لہٰذا لفظ ناصبی کا استعمال مدرسہ خلفاء میں ہو تو مندرجہ بالا معنی مراد نہ ہوں گے یا شاری کا لفظ غیر خوارج میں استعمال ہو تو مجاہد کے معنی میں نہ ہو گا۔

حقیقت ومجاز

اگر کوئی لفظ کسی معنی میں اس قدر شہرت رکھتا ہو کہ استعمال کے بعد اس معنی کے علاوہ کوئی معنی ذہن میں نہ آئیں جیسے لفظ "اسد" کہ اس کے استعمال کے ساتھ مخصوص جانور کا تصور صفحہ ذہن پر ابھرتا ہے یا لفظ "صلوٰۃ" کہ اس کے استعمال کے ساتھ مسلمان کے ذہن میں نماز کا خیال پیدا ہوتا ہے تو اسے حقیقت کا نام دیا جائے گا۔ یعنی اسد شیر میں حقیقت ہے اور صلوٰۃ نماز میں۔

لیکن اگر ایسا نہ ہو جیسے کہ اسد کو بہادر آدمی کے بارے میں استعمال کیا جائے تو اسے مجاز کہا جائے گا کہ اس کا انداز قرینہ کے بغیر نہیں ہو سکتا ہے جیسے کوئی کہے کہ ہم نے اسد کو مسجد میں باتیں کرتے دیکھا ہے تو ظاہر ہے کہ اس سے مراد شیر نہ ہو گا انسان ہو گا۔

تدوین کتب لغت

علماء لغت نے دوسری تیسری صدی میں کتب لغت کی تدوین و ترتیب کا کام شروع کیا تو عام طور سے یہ طریقہ رکھا کہ جس لفظ کے جو معنی نظر آئے اسے لفظ کے سامنے لکھ دیا اور اس کا التزام نہ رکھا کہ یہ معنی دور جاہلیت کے ہیں یا عصر حاضر کے اس کی شہرت اہل زبان میں ہے یا اہل اسلام میں۔

فقہاء اسلام نے یہ کوشش ضرور کی ہے کہ انہوں نے اسلامی اصطلاحات کی تحدید کی ہے اور اسلامی اصطلاحات عام مسلمانوں کے نزدیک مشہور ہو گئی ہیں۔ لیکن فقہ کی حدود سے باہر معاملہ مخلوط ہی رہ گیا ہے اور یہ واضح نہیں ہو سکا ہے کہ یہ معنی اسلامی اصطلاح کے ہیں یا مسلمانوں کی اصطلاح کے ـــــــ یعنی اس لفظ کو اس معنی میں قرآن و سنت نے استعمال کیا ہے یا مسلمانوں نے استعمال کیا ہے اور اس بنا پر بے شمار اسلامی مفاہیم کا سمجھنا مشکل ہو گیا ہے اور بعض اوقات احکام شرعیہ کا سمجھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے جیسے لفظ "صحابی اور صحابہ ـــــــ کہ اسے اصحاب رسولؐ کے معنی میں درج کر دیا ہے۔ لیکن یہ نہ لکھا کہ اس معنی میں سرکارؐ نے استعمال کیا ہے یا مسلمانوں نے استعمال کرنا شروع کیا ہے ـــــــ!

مکاتبِ خلافت وامامت

قِسمِ اوّل

بحث اوّل

صحبت وصحابہ

فصل اوّل ـــــ دونوں مکاتبِ فکر میں صحابی کی تعریف

فصل دوم ـــــ دونوں مکاتب میں صحابی کی عدالت

فصل سوم ـــــ دونوں مکاتب کی بحث کا خلاصہ

فصل اوّل

مکاتبِ خلافت و امامت میں صحابی کی تعریف

مکتبِ خلافت اور صحابی

ابن حجر مقدمہ اصابہ میں رقمطراز ہیں "فصل اول در تعریف صحابی"

"صحابی وہ شخص ہے جو حالت ایمان میں نبی اکرمؐ سے ملاقات کرے اور پھر اسلام پر ہی مر جائے۔"

اس تعریف میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کا زمانہ صحابیت مختصر ہے اور وہ بھی شامل ہیں جن کا زمانہ طویل ہے ــــ جنہوں نے حضرت سے روایت کی ہے اور جنہوں نے روایت نہیں کی ہے ــــ جنہوں نے آپ کے ساتھ جہاد کیا ہے یا نہیں کیا ہے ــــ جنہوں نے صرف دیکھا ہے اور محفل میں نہیں بیٹھے ہیں اور جنہوں نے کسی عذر "نابینائی" کی وجہ سے دیکھا بھی نہیں ہے۔[1]

ــــ اس کے علاوہ مختلف صحابہ کے حالات دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ "وہ لوگ فتوحات میں سوائے صحابہ کے کسی کو سردار لشکر نہیں بناتے تھے۔"

ــــ اور ۱۰ھ میں مکہ اور طائف میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو مسلمان نہ ہوگیا ہو اور حضرت کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک نہ رہا ہو۔

ــــ اور اوس و خزرج کا ہر شخص آخر دورِ پیغمبرؐ میں مسلمان ہو چکا تھا۔

ــــ اور آخر عہد پیغمبرؐ میں کوئی شخص کفر کا اظہار کرنے والا نہیں تھا۔[2]

ہماری کتاب "۱۵۰ فرضی اصحاب" کا مطالعہ کرنے والا جانتا ہے کہ اس دعویٰ میں کس قدر مبالغہ پایا جاتا ہے اور ایسے موازین سے احادیث کو کس قدر نقصان پہونچا ہے۔

---

[1] اصابہ ۱۔۱۰۔ [2] اصابہ ۱۳۔۱۶۔

مکتب اھلبیتؑ اور صحابی

صاحب کی جمع صحب واصحاب وصحاب و صحابہ ہے[1] اور صاحب "معاشرت کرنے والے"[2] اور "ساتھ رہنے والے"[3] کو کہتے ہیں اور جب تک معاشرت طویل نہ ہو[4] اسے صاحب نہیں کہا جا سکتا ہے۔ مصاحبت کے لئے طویل زمانہ[5] بہر حال درکار ہے۔

صحبت دو آدمیوں کے بغیر نہیں ہو سکتی اس لئے لفظ صاحب اور اصحاب بہر حال کسی کی طرف منسوب ہوگا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے کہ جناب یوسف نے "صاحب سجن"، سے تعبیر کیا ہے یا جناب موسیٰ کے ساتھیوں کو اصحاب موسیٰ کہا گیا ہے یا عصر پیغمبرؐ میں لوگوں کو "صاحب رسول اللہ"، یا "اصحاب رسول اللہ" کہا جاتا تھا۔ یا اصحاب بعیت الشجرہ "یا "اصحاب صفہ"، وغیرہ سے تعبیر کیا جاتا تھا اور "اصحاب" سرکار دو عالمؐ کے ساتھیوں کے نام کی طرح استعمال نہیں ہوتا تھا۔ صرف مدرسہ خلافت کے افراد نے دھیرے دھیرے اسے سرکارؐ کے ساتھیوں کے لئے بطورِ نام استعمال کرنا شروع کر دیا اور اضافت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ گویا کہ یہ ایک مسلمانوں اور متشرعہ کی اصطلاح ہے جس کا خود سرکار دو عالمؐ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

صحابی کی معرفت کا معیار

مکتب خلافت میں صحابہ کے حالات لکھنے والوں نے صحابی کی معرفت کا یہ معیار معین کیا ہے۔ ائمہ حدیث نے صحابی کی معرفت کے بارے میں جو مجمل اقوال نقل کئے ہیں ان میں سے ابن ابی شبیہ کا یہ قول بھی ہے، جو انہوں نے مصنف میں تقریباً معتبر طریقہ سے درج کیا ہے کہ "مسلمان فتوحات

---

[1] لسان العرب (صحب)۔ [2]، [3]، [4]، [5] مفردات راغب (صحب)۔

میں غیر صحابہ کو امیر نہیں بناتے تھے"۔[۱]

اور وہ معتبر روایت وہی ہے جسے طبری اور ابن عساکر نے اپنے اسناد سے سیف ابی عثمان، خالد اور عبادہ کے واسطہ سے نقل کی ہے کہ "رؤسا ر لشکر عام طور سے صحابہ میں سے ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ کوئی اس کا اہل ہی نہ رہ جائے"۔[۲]

دوسری روایت میں طبری نے سیف سے نقل کیا ہے۔

"خلیفہ عمر کا طریقہ تھا کہ جب تک صحابہ میں کوئی جنگ کے قابل ملتا تھا غیر صحابہ کو سردار لشکر نہیں بناتے تھے اور اگر ان میں کوئی نہ رہ جاتا تھا تو تابعین میں سے منتخب کرتے تھے اور کوئی نمایاں راوی ریاست کی ہوس بھی نہیں کرتا تھا"۔[۳]

مذکورہ معیار کا تجزیہ

ان دونوں روایتوں کا راوی سیف ہے جسے جعلسازی اور کفر سے متہم کیا گیا ہے۔[۴] سیف اس معیار کو ابو عثمان سے نقل کرتا ہے اور ابو عثمان خالد و عبادہ سے اور سیف کی روایتوں میں ابو عثمان یزید بن اسید غسانی کا نام ہے جو سیف کا ایجاد کردہ راوی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔[۵]

بہر حال راویوں کا جو بھی حال ہو۔ اصل روایت بھی تاریخی بیانات کے بالکل خلاف ہے۔ صاحب اغانی نے نقل کیا ہے کہ:۔

"امراء القیس عمر کے ہاتھ پر اسلام لے آیا اور انہوں نے اسے والی بنا دیا حالانکہ اس وقت تک ایک رکعت نماز بھی نہیں پڑھی تھی"۔[۶]

اس روایت کی تفصیل عوف بن خارجہ نے یوں بیان کی ہے کہ:۔

---

[۱] اصابہ ۱۔۱۳۔ [۲] طبری طبع یورپ ۱۔۲۱۵۱۔ [۳] طبری طبع یورپ ۱۔۲۴۵۷، ۲۴۵۸۔

[۴] کتاب عبداللہ بن سبا۔ [۵] عبداللہ بن سبا طبع بیروت ۱۔۱۱۷۔ [۶] اغانی ۱۴۔۱۵۸۔

"میں عمر بن الخطاب کے دور خلافت میں ان کے پاس تھا کہ ایک گنجا بے ڈھنگا شخص وارد ہوا اور سب کو پھلانگتا ہوا عمر کے سامنے کھڑا ہوگیا اور ایک خلافتی سلام پیش کیا۔

عمر نے پوچھا —— تم کون ہو؟

اس نے کہا کہ میں ایک مرد نصرانی ہوں میرا نام امرء القیس بن عدی الکلبی ہے۔

عمر نے اسے پہچان لیا اور پوچھا —— کام کیا ہے؟

اس نے کہا کہ اسلام لانا چاہتا ہوں۔

انہوں نے کلمہ پڑھوایا اور ایک نیزہ دیکر بنی قضاعہ میں سے جو شام میں مسلمان ہوئے تھے ان کا رئیس بنا دیا اور وہ پرچم لہراتا ہوا روانہ ہوگیا"[۲]

دوسرا واقعہ علقمہ بن علاثہ کلبی کی سرداری کا ہے جسے اغانی اور اصابہ[۳] میں اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ: ——————

علقمہ زمانہ پیغمبر اسلامؐ میں مسلمان ہوا۔ آپ کی صحبت میں حاضر ہوا اور پھر ابوبکر کے زمانے میں مرتد ہوگیا۔ ابوبکر نے اس کی تلاش میں خالد کو بھیجا لیکن فرار کر گیا —— اس کے بعد بروایتے واپس آیا اور مسلمان ہوگیا۔

اصابہ میں یہ بھی درج ہے کہ "عہد عمر میں اس نے شراب پی۔ انہوں نے حد جاری کی تو مرتد ہوگیا اور روم چلا گیا۔ بادشاہ روم نے اس کا احترام کیا اور کہا کہ تم عامر بن الطفیل کے ابن عم ہو۔ اسے غصہ آگیا اور کہنے لگا کہ مجھے عامر کے ذریعہ پہچانا جا رہا ہے[۴] اور واپس آکر مسلمان ہوگیا۔

---

[۱] معجم قبائل العرب ۳۔ ۹۵۷۔ [۲] اغانی ۱۴۔ ۱۵۷، جمہرہ انساب العرب ابن حزم ص۲۸۴۔ [۳] اصابہ ۲۔ ۴۹۶، اغانی ۱۵ / ۵۶

جمہرہ ابن حزم ص۲۸۴۔ [۴] اغانی ۵۔ ۵۰ میں علقمہ اور عامر کے اختلاف کا تفصیلی واقعہ درج ہے اور دلچسپ ہے۔

اغانی اور اصابہ میں یہ مشترک تذکرہ بھی ہے جو بالفاظ اغانی اس طرح ہے:—

"جب علقمہ بن علاثہ مدینہ آیا اور وہ پہلے مرتد ہو چکا تھا اور خالد بن ولید کا دوست بھی تھا تو عمر بن الخطاب نے اس سے ملاقات کی۔ رات کا وقت تھا۔ مسجد میں ملاقات ہوئی۔ عمر کی شکل خالد سے ملتی ہوئی تھی۔ علقمہ نے خالد سمجھ کر سلام کیا اور پوچھا کہ تم کو معزول کر دیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایسا ہی ہوا ہے۔

اس نے کہا کہ یہ صرف حسد کا نتیجہ ہے۔

عمر نے جواب دیا کہ تم اس سلسلے میں کیا مدد کر سکتے ہو؟

اس نے کہا معاذ اللہ — عمر کا حق اطاعت میری گردن پر ہے۔ میں ان کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔

پھر جب صبح کا وقت آیا اور عمر نے اذان کہی تو علقمہ اور خالد دونوں جمع ہوئے۔ علقمہ خالد کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ عمر نے علقمہ کی طرف رخ کر کے کہا۔ ہاں تم نے ہی خالد سے باتیں کی تھیں؟

علقمہ نے خالد کو دیکھا اور کہا کہ ابو سلیمان تم نے یہ چغلی کی ہے۔

خالد نے کہا کہ وائے ہو تجھ پر — مجھ سے تجھ سے ملاقات بھی نہیں ہوئی ہے — معلوم ہوتا ہے کہ تو نے عمر ہی سے ملاقات کی ہے۔

علقمہ نے کہا واللہ ایسا ہی لگتا ہے۔

اس کے بعد عمر کی طرف رخ کر کے کہا — اے امیر المومنین (؟) آپ نے خیر کے علاوہ کچھ نہیں سنا ہے۔

عمر نے کہا — بیشک — کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہیں حوران[1] کا والی

---

[1] دمشق کے اطراف میں وسیع علاقہ ہے جہاں زراعت اور دیہاتوں کا سلسلہ ہے۔

بنادیا جائے۔

اس نے کہا ـــــ یقیناً۔

عمر نے والی بنادیا اور وہیں اس کا انتقال بھی ہوگیا ـــــ عمر نے اس کی موت پر تعزیتی اور تعریفی کلمات زبان پر جاری کئے۔

یہ تاریخی حقائق ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود مکتب خلافت نے اپنی روایتوں پر اعتماد کر کے یہ انکشاف کیا ہے کہ صحابیت کی معرفت کا ذریعہ ریاست اور سرداری بھی ہے اور اس طرح بہت سے سیف کے جعلی راویوں کو صحابیت کا درجہ دے دیا ہے جب کہ سیف خود زندیق اور جعلساز کہا گیا ہے۔

دونوں مکاتب فکر کی روشنی میں صحابیت کی تعریف معلوم کرنے کے بعد یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ دونوں کے نزدیک صحابی کی عدالت کے بارے میں کیا نظریات پائے جاتے ہیں۔

بحث اوّل

فصل دوم

دونوں مکاتب فکر
میں
صحابہ کی عدالت کی حیثیت؟

عدالتِ صحابہ کے بارے میں مکتبِ خلافت کا نظریہ

مکتبِ خلافت کا نظریہ ہے کہ صحابہ سب کے سب عادل تھے اور سب سے احکام و تعلیماتِ دین حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ فن جرح و تعدیل کے امام حافظ ابو حاتم الرازیؒ[1] اپنی کتاب کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں ——— "اصحاب رسول اللہؐ وہ افراد ہیں جنہوں نے وحی و تنزیل کا مشاہدہ کیا ہے اور تفسیر و تاویل کی معرفت حاصل کی ہے۔ ان افراد کو خدائے عز و جل نے رسولؐ کی صحبت اور نصرت کے لئے منتخب کیا ہے ان کا انتخاب دین کے قیام اور حق کے اظہار کے لئے ہوا ہے انہیں خدائے متعال نے نبی کے لئے صحابی اور ہمارے لئے پرچم ہدایت اور نمونۂ عمل قرار دیا ہے۔ انہوں نے رسول اکرم صؐ سے پیغام الٰہی لے کر اسے محفوظ کیا ہے۔ سرکارؐ کی سنت و سیرت، احکام، فیصلے، مندوبات، اوامر و نواہی، ممانعت و تہذیب و ادب سب کو حفظ کیا ہے۔ سمجھا ہے۔ دین میں تفقہ کیا ہے۔ امر و نہی الٰہی اور مراد خداوندی کی معرفت حاصل کی ہے۔ رسول اکرمؐ کو تفسیر و تاویل کتاب بیان کرتے دیکھا ہے اور ان سے سب کچھ حاصل کر کے استنباط کا سلیقہ سیکھا ہے۔ انہیں رب العالمین نے یہ کرامت و شرافت عطا کی ہے کہ انہیں قائدین کی جگہ پر رکھا ہے۔ ان سے ہر طرح کے شک و کذب و غلط و شبہ و فخر و بد گوئی کو الگ رکھا ہے اور انہیں "عدول امت" کے نام سے یاد کیا ہے۔ ان کے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے کہ "اسی طرح ہم نے تمہیں امت وسط قرار دیا ہے کہ تم لوگوں پر گواہ رہو" اور رسول اکرمؐ نے وسط کی تفسیر عدل سے کی ہے۔ پس یہ سب عدول امت، ائمہ ہدایت، حجج دین اور ناقلین کتاب

---

[1] ابو محمد عبد الرحمٰن بن ابی حاتم الرازی اشرفی ۳۲۷ھ کتاب الجرح والتعدیل طبع حیدر آباد ۱۳۷۱ھ ص ۷-۹

وسنّت تھے۔

خداوند عالم نے سب کو دعوت دی ہے کہ ان کی ہدایت سے تمسک کریں۔ ان کے راستہ پر چلیں اور ان کی اقتدا کریں۔ ارشاد ہوتا ہے "جو مومنین کے راستہ سے ہٹ کر کوئی راستہ اختیار کرے گا ہم اسے اسی کے حوالے کر دیں گے"۔

ہم نے سرکار دو عالمؐ کی سیرت میں دیکھا ہے کہ آپ نے اپنے احکام و تعلیمات کی تبلیغ پر زور دیا ہے اور اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا ہے — "خدا اس شخص کی نصرت کرے جو میری باتوں کو سنکر خوب محفوظ کرے اور اور دوسروں تک پہونچائے" — پھر اپنے خطبہ میں فرمایا ہے — "جو تم میں حاضر ہیں ان کا فرض ہے کہ غائب تک پہونچائیں"۔ — "میری طرف سے تبلیغ کرو چاہے ایک آیت کی ہو اور میری حدیث بیان کرو"۔

اس کے بعد صحابہ کرام مختلف اطراف واکناف میں منتشر ہو گئے اور انہوں نے فتوحات، مجاہدات، امارت، قضاوت اور احکام کا کام سنبھال لیا۔ اپنے اپنے علاقہ میں احکام کو پھیلایا۔ اپنے اپنے شہر میں سرکارؐ کے تعلیمات کو عام کیا۔ مسائل میں فتویٰ دیا اور رسول اکرمؐ کے جوابات کو نگاہ میں رکھ کر سوالات کے جوابات دیئے، حسن نیت و قربت الٰہی کے حصول کے لئے اپنے نفس کو فرائض و سنن و احکام و حلال و حرام کی تعلیم کے لئے خالی کر لیا[1] یہاں تک کہ خدا نے انہیں اپنی بارگاہ میں بُلا لیا۔ ان سب پر رحمت و مغفرت و رضوان الٰہی"۔

ابن عبد البر نے کتاب الاستیعاب[2] کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ: —

---

[1] عنقریب اس حقیقت کی وضاحت کی جائے گی کہ مدرسہ خلافت نے سو سال تک کتابت احادیث پر پابندی لگا رکھی تھی اور اس سے برابر روک رہا تھا۔ [2] الاستیعاب فی اسماء الاصحاب للحافظ المحدث ابی عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبد البر النمری القرطبی مالکی ۳۶۳ـ۴۶۳ھ۔

"تمام صحابہ کی عدالت ثابت ہے اور پھر مومنین کے حق میں نازل ہونے والی تمام آیات واحادیث کو ان کی طرف موڑ دیا ہے جس طرح کہ ابوحاتم رازی نے کیا تھا۔"

ابن اثیر اسد الغابہ[1] کے مقدمہ میں رقمطراز ہے کہ:

"سنت رسولؐ جس پر تفصیل احکام اور معرفت حلال وحرام کا دار و مدار ہے۔ اس کا اثبات رجال ورواۃ کی معرفت کے بعد ہی ہو سکتا ہے اور اس میں اولیت اور مقدمیت کا شرف صحابہ رسولؐ کو حاصل ہے لہذا کوئی شخص بھی ان کے حالات سے جاہل رہ گیا تو دوسروں کے بارے میں تو اجہل ہوگا۔ ضرورت ہے کہ ان کے انساب واحوال کی معرفت حاصل کی جائے تاکہ سنت رسولؐ کی معرفت حاصل ہو سکے۔

صحابہ کرام دیگر تمام راویوں کے ساتھ ہر امر میں شریک ہیں۔ صرف جرح وتنقید کے معاملہ میں ان سے الگ ہیں کہ یہ سب عادل ہیں اور ان کے بارے میں کوئی جرح یا تنقید نہیں ہو سکتی۔"

حافظ ابن حجر نے مقدمہ اصابہ[2] میں فصل سوم میں بیان کیا ہے کہ:

"اہل سنت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ عام صحابہ عادل ہیں اور اس مسئلہ میں سوائے چند بدعتی افراد کے کسی نے اختلاف نہیں کیا ہے۔"

ابوزرعہ سے یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ:

"اگر کسی شخص کو اصحاب رسولؐ میں سے کسی کی تنقیص کرتے دیکھو تو

---

[1] اسد الغابہ فی معرفتہ الصحابہ ابی الحسن عزالدین علی بن محمد بن عبدالکریم الجزری المعروف بابن الاثیر الشافعی ۶۳۰ھ جلد ا ص ۳ — [2] الاصابہ فی تمییز الصحابہ للحافظ شہاب الدین احمد بن علی بن محمد الکنانی العسقلانی الشافعی المعروف بابن حجر ۷۷۳۔ ۸۵۲ھ طبع مصر ا۔ ۱۷۔ ۲۲۔

سمجھ لوکہ یہ زندیق اور کافر ہے اس لئے کہ رسولؐ حق ہیں، قرآن حق ہے اور ان کے پیغام کو صحابہ نے پہونچایا ہے۔ اب یہ شخص ان کی تنقیص کر کے کتاب و سنت کے احکام کو مشکوک بنانا چاہتا ہے لہٰذا اس کی تنقیص ضروری ہے کہ یہ زندیق اور کافر ہے (اصابہ ۱/۱۸)۔

نوٹ :۔ خدا جانے ابوزرعہ کا خیال منافقین کے بارے میں کیا ہے جو اصحاب میں بھی تھے اور منافق بھی تھے۔ مترجم

مدرسۂ اہلِ بیتؑ اور عدالت اصحاب

مدرسہ اہل بیتؑ کا نظریہ قرآن حکیم کی روشنی میں یہ ہے کہ صحابہ کے درمیان وہ مومنین بھی ہیں جن کی قرآن میں مدح و ثنا کی گئی ہے اور بیعت شجرہ کے موقع پر رضائے الٰہی کا اعلان کیا گیا ہے کہ ـــــ "خدا صاحبان ایمان سے راضی ہو گیا کہ انہوں نے درخت کے نیچے آپ کی بیعت کی ـــــ پھر اسے ان کے دل کا حال بھی معلوم تھا تو اس نے سکون نازل کیا اور بہت جلد فتح سے ہمکنار کر دیا۔"

(سورہ الفتح)

جس میں صرف مومنین شامل ہیں اور منافقین ہرگز شامل نہیں ہیں اگرچہ وہ اس موقع پر موجود تھے جیسے عبداللہ بن ابی اور اوس بن خولی۔۔۔۔۔۔

(مغازی واقدی، خطط المقریزی)

اور انہیں کے درمیان وہ منافقین بھی ہیں جن کی کتاب اللہ نے مذمت کی ہے اور اعلان کیا ہے کہ ـــــ "تمہارے اطراف وہ بدو بھی ہیں جو منافق ہیں اور بعض اہل مدینہ تو نفاق میں اور بھی سرکش ہیں۔ آپ انہیں نہیں جانتے مگر ہم جانتے ہیں اور عنقریب ان پر دُہرا عذاب کریں گے اور پھر عذاب عظیم کی طرف پلٹا

دیئے جائیں گے۔ (سورہ توبہ ۱۰۱)

پھر انہیں میں وہ افراد بھی ہیں جنہوں نے قصہ افک میں حرم رسولؐ پر تہمت لگائی تھی۔ (سورہ نور ۱۱۔۱۷)

اور وہ افراد بھی ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ —— "جب تجارت یا کھیل تماشہ دیکھتے ہیں تو آپ کو کھڑا چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں (جمعہ ۱۱) اور یہ اس وقت ہوا جب حضور نماز جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمارہے تھے اور صحابہ روانہ ہو گئے —— انہیں میں وہ بھی ہیں جنہوں نے عقبہ میں غزوہ تبوک یا حجۃ الوداع کی واپسی پر سرکارؐ کے قتل کی سازش کی تھی۔ (مسند احمد ۵۔ ۳۹۰، ۴۵۳، صحیح مسلم ۸۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳، مجمع الزوائد ۱۔ ۱۱۰، ۶۔ ۱۹۵، مغازی الواقدی ۳۔ ۱۰۴۲، امتاع الاسماع المقریزی ص ۴۷۷، درمنثور سیوطی ۳۔ ۲۵۸۔ تفسیر آیۃ ہموا بما لم ینالوا بہ۔ (سورۂ توبہ)

صحبت پیغمبرؐ سے مشرف ہونا، زوجیت پیغمبرؐ سے زیادہ اہمیت کا حامل نہیں ہے۔ زوجیت تو اعلیٰ درجہ کی صحابیت کا نام ہے لیکن خدائے متعال نے ازواج کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ —— "اے ازواج پیغمبر تم میں سے جو بھی کھلی ہوئی برائی کرے گی اس کا عذاب دُہرا ہوگا اور یہ بات خدا کے لئے بہت آسان ہے اور جو خدا و رسول کی اطاعت اور نیک عمل کرے گی اسے دُہرا اجر اور رزق کریم عطا کیا جائے گا —— اے ازواج پیغمبرؐ تمہارا مرتبہ عام عورتوں جیسا نہیں ہے اگر تم متقی اور پرہیز گار رہو۔ (سورہ احزاب ۳۰۔ ۳۲)۔

پھر دو خواتین کے بارے میں ارشاد ہوا کہ —— "تم دونوں خدا کی بارگاہ میں توبہ کرو کہ تمہارے دلوں میں کجی پیدا ہوگئی ہے۔ ورنہ رسولؐ کے خلاف سازش کی تو ان کے ساتھی خدا، جبریل اور نیک مومنین سب ہیں اور ملائکہ بھی ان

کے مددگار ہیں ـــــــ" اور آخر میں ارشاد ہوا کہ ـــــــ "اللہ نے کفار کے لئے زوجہ نوح اور زوجہ لوط کی مثال بیان کی ہے کہ یہ نیک بندوں کے تحت تھیں لیکن جب ان سے خیانت کی تو زوجیت کا کوئی فائدہ نہ ہوا اور ان سے کہا گیا کہ تمام جہنمیوں کے ساتھ تم بھی داخل جہنم ہو جاؤ اور صاحبان ایمان کیلئے زنِ فرعون کی مثال بیان کی ہے کہ اس نے دعا کی کہ خدایا میرے لئے جنت میں مکان بنا دے اور مجھے فرعون سے نجات دلا دے ـــــــ اور پھر مریم بنت عمران کی بھی مثال بیان کی ہے۔

پھر اصحاب میں وہ بھی ہیں جن کے بارے میں رسول اکرمؐ نے قیامت کی خبر دی ہے کہ ـــــــ "میری امت کے کچھ لوگ لائے جائیں گے اور انہیں بائیں طرف رکھا جائے گا تو میں کہوں گا پروردگار! یہ تو میرے اصحاب تھے اب اصحاب شمال کس طرح ہو گئے؟ تو ارشاد ہو گا تمہیں کیا معلوم کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا بدعتیں ایجاد کی ہیں تو پھر بندہ صالحِ خدا کی طرح عرض کروں گا کہ جب تک میں ان کے درمیان رہا ان کا نگراں رہا اس کے بعد جب میرا وقت پورا ہو گیا تو توان کا نگراں تھا ـــــــ تو ارشاد ہو گا کہ تمہاری جدائی کے بعد ہی یہ الٹے پاؤں پلٹ گئے۔ (بخاری تفسیر سورہ مائدہ آیت بلغ، ترمذی ابواب صفۃ القیامۃ)۔

دوسری روایت میں ہے کہ "میرے بعض اصحاب حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں گے اور انہیں ہٹایا جائے گا تو میں کہوں گا کہ یہ تو میرے اصحاب ہیں، تو جواب ملیگا کہ آپ کو نہیں معلوم ہے کہ آپ کے بعد کیا کیا ایجادات کی ہیں (بخاری کتاب الدعوات باب فی الحوض، ابن ماجہ کتاب الناسک باب الخطبہ یوم النحر حدیث ۳۰۵۷، سند احمد ۱۔ ۴۵۳، ۳۔۲۸، ۵۔ ۴۸۔)

صحیح مسلم کتاب الفضائل باب اثبات حوض نبینا میں بھی یہی حدیث اختلاف الفاظ کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔

ضابطۂ معرفت مومن ومنافق

چونکہ اصحاب کے درمیان منافقین موجود تھے اور ان کا علم خدا ور سولؐ کے علاوہ کسی کو نہیں تھا اور سرکار دو عالمؐ نے حضرت علیؑ کے بارے میں فرما دیا تھا کہ علیؑ[1] کا دوست صرف مومن ہو گا اور علیؑ کا دشمن صرف منافق ہو گا جیسا کہ خود حضرت علیؑ، ام المومنین ام سلمہ[2]

---

[1] حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ پیغمبر اسلامؐ کے چچازاد بھائی ہیں جو عین خانۂ کعبہ میں پیدا ہوئے (مستدرک حاکم ۳-۴۸۳، فصول مہمہ مالکی، مناقب مغازلی، نور الابصار شبلنجی) آپ کی ولادت ۱۳ رجب ۳۰ عام الفیل کو ہوئی۔ ۳۵ھ میں انصار و مہاجرین نے آپ کی بیعت کی اور شب ۱۹ ماہ مبارک ۴۰ھ میں ابن ملجم مرادی نے محراب مسجد کوفہ میں آپ کے سر پر ضربت لگائی اور ۲۱ رمضان کو آپ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اصحاب صحاح نے آپ سے ۵۳۶ حدیثیں بیان کی ہیں۔ (استیعاب، اسد الغابہ، اصابہ، جوامع السیرۃ ص۲۷۶ میں آپ کا مفصل تذکرہ موجود ہے، منافقین کے بارے میں آپ کی روایت صحیح مسلم ۱-۶۱، ترمذی ۳-۱۷۷، سنن ابن ماجہ باب یازدہم، سنن نسائی ۲-۲۷۱، خصائص نسائی ص۳۸، مسند احمد ۱-۸۴، ۹۵، ۱۲۸، تاریخ بغداد ۲-۲۵۵، ۸-۴۱۷، ۱۴-۲۶۴، حلیۃ الاولیاء ابونعیم ۴-۱۸۵، تاریخ الاسلام ذہبی ۲-۱۹۸، تاریخ ابن کثیر ۷-۳۵۴، کنز العمال ۱۵-۱۰۵، الریاض النضرہ ۲-۲۸۴ میں موجود ہے اور حلیۃ الاولیاء نے تو اس روایت کو صحیح اور متفق علیہ قرار دیا ہے۔

[2] ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ بن المغیرہ القرشی المخزومی۔ رسول اکرمؐ سے پہلے ابو سلمہ بن عبد الاسد المخزومی کی زوجیت میں تھیں پھر دونوں مسلمان ہو کر ہجرت حبشہ و مدینہ میں شریک ہوئے۔ پھر جب ابو سلمہ احد میں زخمی ہو کر ۳ھ میں انتقال کر گئے تو رسول اکرمؐ نے آپ سے عقد کر لیا اور شہادت امام حسینؑ کے بعد آپ نے انتقال فرمایا۔ اصحاب صحاح نے آپ سے

عبداللہ بن عباس[۱]، ابوذر غفاری[۲]، انس[۳] بن مالک، عمران[۴] بن حصین وغیرہ نے بیان کیا ہے اور یہ بات عصر پیغمبرؐ میں شہرت عام رکھتی تھی۔ یہاں تک کہ حضرت

۳۸، ۲ حدیثیں روایت کی ہیں۔ آپ کے حالات اسد الغابہ، جوامع السیرۃ ص۲۷۶، تقریب التہذیب ۲۔ ۶۱۷ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ منافقین کے بارے میں آپ کی حدیث صحیح ترمذی ۱۳۔ ۱۶۸، مسند احمد ۶۔ ۲۹۲، استیعاب ۲۔ ۴۶۰، تاریخ ابن کثیر ۷۔ ۳۵۴، کنز العمال ۶۔ ۱۵۸ میں پائی جاتی ہے۔

۱۔ عبداللہ پیغمبرؐ کے چچا عباس بن عبدالمطلب کے فرزند تھے، ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے اور ۶۸ھ میں طائف میں انتقال کیا اصحاب صحاح نے آپ سے ۱۶۶۰ حدیثیں روایت کی ہیں۔ آپ کے حالات اسد الغابہ، اصابہ، جوامع السیرۃ ص۲۷۶ میں موجود ہیں۔

۲۔ ابوذر جندب یا برید بن جنادہ یا عبداللہ، اسلام میں مقدم اور ہجرت میں متاخر تھے، بدر کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے اور ربذہ میں ۳۲ھ میں عالم ملک بدری میں انتقال فرمایا۔ اصحاب صحاح نے آپ سے ۲۸۱ حدیثیں روایت کی ہیں۔ آپ کے حالات تقریب ۲۔ ۴۲۰، جوامع السیرۃ ص۲۷۷، عبداللہ بن سبا جزء دوم میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔

۳۔ انس بن مالک بن نضر الانصاری الخزرجی بروایتے دس سال پیغمبرؐ کی خدمت کی ہے۔ حدیث غدیر کی گواہی نہ دینے کی بنا پر حضرت علیؑ نے ان کے حق میں بد دعا کی تھی اور مرض برص میں مبتلا ہو گئے تھے جس کا اشارہ "الاعلاق النفسیہ ص۱۲۲" اور تفصیل شرح نہج البلاغہ ۴۔ ۳۸۸ میں مذکور ہے۔ بصرہ میں ۹۰ کے بعد انتقال کیا۔ اصحاب صحاح نے ان سے ۲۲۸۶ حدیثیں روایت کی ہیں، حالات اسد الغابہ، تقریب، جوامع السیرۃ ص۲۷۶ میں مذکور ہیں اور منافقین کے بارے میں روایت کنز العمال ۷۔ ۱۴۰ میں منقول ہے۔

۴۔ ابونجید عمران بن حصین الخزاعی الکعبی، خیبر کے سال مسلمان ہوئے۔ رسول اکرمؐ کے

ابوذر[1] کا ارشاد تھا کہ ـــــ "ہم منافقین کو خدا و رسول کی تکذیب، نمازوں سے بیگانگی اور علیؑ بن ابی طالبؑ کے بغض سے پہچانا کرتے تھے۔"

اور ابو سعید خدری[2] کا اعلان تھا کہ ہم منافقین کو علیؑ کی دشمنی سے پہچانا کرتے تھے۔

اور ابن عباس[3] کا مقولہ تھا کہ عہد پیغمبرؐ میں منافقین کی معرفت کا ذریعہ علیؑ کی دشمنی تھی۔

ساتھ رہے۔ کوفہ میں قاضی بنے، بصرہ میں ۵۲ھ میں انتقال کیا۔ اصحاب صحاح نے ۱۸۰ حدیثیں نقل کی ہیں۔ منافقین کے بارے میں روایت کنز العمال طبع اوّل ۷۔۱۴۰ میں ہے اور حالات تقریب ۲۔۲۷، جوامع السیرۃ صـ ۲۷۷ میں درج ہیں۔

[1] مستدرک الصحیحین ۳۔۱۲۹، کنز العمال ۱۵۔۹۱۔

[2] ابو سعید سعد بن مالک بن سنان الخزرجی الخدری۔ خندق اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے۔ مدینہ میں ۶۳ھ یا ۶۴ھ یا ۶۵ھ میں انتقال فرمایا۔ اصحاب صحاح نے ۱۱۷۰ حدیثیں نقل کی ہیں۔ حالات اسد الغابہ ۲۔۲۸۹، تقریب ۱۔۲۸۹۔ جوامع السیرۃ صـ ۲۷۶ میں درج ہیں۔
اور منافقین کے بارے میں روایت صحیح ترمذی ۱۳۔۱۶۷۔ حلیۃ الاولیاء ۶۔۲۸۴ میں ہے۔

[3] تاریخ بغداد ۳۔۱۵۳۔

اور جابر[1] بن عبداللہ انصاری کہتے تھے کہ ہم منافقوں کو صرف علیؑ کی عداوت سے پہچانا کرتے تھے۔

اور خود سرکار دوعالمؐ نے فرمایا تھا کہ ——— "خدایا علیؑ کے دوست کو دوست رکھنا اور علیؑ کے دشمن سے دشمنی کرنا" [2]

اس لئے مکتب امامت والے دشمن علیؑ صحابی سے احکام دین اخذ کرنے میں احتیاط کرتے ہیں کہ مبادا یہ وہی منافق ہو جس کا علم خدا اور رسولؐ کے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔

---

[1] جابر بن عبداللہ بن عمرو الانصاری السلمی صحابی بن صحابی، بیعت عقبہ میں اپنے باپ کے ساتھ شریک ہوئے۔ ۱۷ غزوات میں رسول اکرمؐ کے ساتھ اور صفین میں حضرت علیؑ کے ساتھ رہے۔ مدینہ میں ۷۸ھ کے بعد انتقال کیا۔ اصحاب صحاح نے ۱۵۴۰ حدیثیں نقل کی ہیں۔ حالات اسد الغابہ ۱۔ ۲۵۶ ـ ۲۵۷، تقریب ۱۔ ۱۲۲، جوامع السیرۃ ص۲۷۶ میں اور منافقین کے بارے میں روایت استیعاب ۲۔ ۴۶۴، الریاض النضرہ ۲۔ ۲۸۴، تاریخ ذہبی ۲۔ ۱۹۸، مجمع الزوائد ۹۔ ۱۳۳، میں درج ہے۔

[2] صحیح ترمذی ۱۳۔ ۱۶۵، ابن ماجہ حدیث ۱۱۶ باب فضل علیؑ، خصائص نسائی ص۴۔ ۳۰، مسند احمد ۱۔ ۸۴، ۸۸، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۵۲، ۲۳۰۔ مستدرک ۲۔ ۱۲۹۔ ۳۔ ۹ تاریخ بغداد ۷۔ ۳۷۷، ۸۔ ۲۹۰، الریاض النضرہ ۲۔ ۲۲۲۔ ۲۲۵ وغیرہ۔

فصل سوم

خلاصہ بحث صحابیت

صحابی اور اس کی عدالت مدرسۂ خلافت میں

ـــــ مدرسہ خلفاء کا خیال یہ ہے کہ جس نے ایک ساعت کے لئے اسلام میں سرکار دو عالمؐ سے ملاقات کرلی اور پھر اسی اسلام پر مرگیا وہ صحابی ہے۔

ـــــ مکہ اور طائف میں سنہ ۱۰ھ میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو مسلمان نہ ہو گیا ہو اور اس نے حجۃ الوداع میں سرکار کے ساتھ شرکت نہ کی ہو۔

ـــــ اوس و خزرج میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو سرکار کے آخری عہد میں مسلمان نہ ہو گیا ہو۔

ـــــ صحابہ فتوحات میں صرف اصحاب کو سردار لشکر بناتے تھے اور اسی قاعدہ سے ان متعدد افراد کو صحابہ میں شمار کیا گیا ہے جن کا تاریخ میں کوئی وجود نہیں تھا۔

ـــــ صحابہ سب کے سب عادل ہیں۔ ان کے بارے میں جرح اور تنقید کا کوئی امکان نہیں ہے۔ ان میں سے کسی ایک کی بھی تنقیص کرنے والا زندیق ہے۔ ان میں سے جو شخص بھی جو روایت کرے اس کا قبول کرنا اور ان سے تعلیمات دین کا اخذ کرنا واجبات میں سے ہے۔

صحابی مدرسۂ اہل بیتؑ میں

صحابیت کے بارے میں مدرسہ اہل بیتؑ کا یہ خیال ہے کہ صحابی کوئی شرعی اصطلاح نہیں ہے۔ اس کا حال باقی مفردات لغت جیسا ہے۔ صاحب کے معنی لغت عرب میں معاشرت کرنے والے اور مسلسل ساتھ رہنے والے کے ہیں اور وہ دو انسانوں کے درمیان کی نسبت کا نام نہیں ہے بلکہ کسی ایک کی طرف منسوب ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بلا اضافت یہ لفظ استعمال نہیں ہوا ہے "صاحبی السجن" ـــــ "اصحاب موسیٰ" وغیرہ۔

ــــــــــ خود زمانہ پیغمبرؐ میں بھی یہ لفظ سرکار کی طرف اضافت کے ساتھ استعمال ہوتا تھا یا اصحاب صفہ وغیرہ بولا جاتا تھا۔ اس کے بعد یہ لفظ بلا اضافت استعمال ہونے لگا اور اس سے اصحاب رسولؐ مراد ہونے لگے۔ لیکن یہ مسلمانوں کی اصطلاح ہے سرکار دو عالمؐ کی اصطلاح نہیں ہے کہ دو لمحہ گذار لینے والے پر بھی اس کا اطلاق ہو جائے۔ اس کے اطلاق کے لئے وہ تمام شرائط ضروری ہیں جو لغت میں اس لفظ کے استعمال کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔

عدالت ـــــ کے بارے میں مدرسہ اہل بیتؑ کی رائے ہے کہ قرآن حکیم کے ارشاد کے مطابق صحابہ میں منافقین اور سرکش منافقین بھی تھے جنہوں نے زوجہ رسولؐ پر الزام لگایا تھا ـــــــ رسول اکرمؐ کے قتل کی سازش کی تھی۔

ان کے بارے میں رسول اکرمؐ نے خبر دی ہے کہ وہ قیامت میں حوض کوثر سے ہنکائے جائیں گے اور جب سرکارؐ سفارش کرنا چاہیں گے تو ارشاد ہوگا کہ انہوں نے آپ کے بعد مذہب میں ایجادات شامل کی ہیں، اور مرتد ہو گئے تھے۔

جس طرح کہ انہیں کے درمیان وہ مومنین مخلصین بھی تھے جن کی احادیث میں مدح کی گئی ہے اور جن کے بارے میں قرآن مجید کی آیتیں نازل ہوئی ہیں۔

رسول اکرمؐ نے ان دونوں کے درمیان امتیاز کا ذریعہ علیؑ کی محبت اور عداوت کو قرار دیا تھا۔ اور اس لئے اس مدرسہ کے پیروکار صحابہ کے بارے میں یہ دیکھتے ہیں کہ انہوں نے علیؑ یا اولاد علیؑ سے مخالفت یا جنگ تو نہیں کی ہے اور اگر کوئی ایسا نکل آیا تو اس کی روایت رد کر دیتے ہیں اور اس پر اعتماد نہیں کرتے ہیں۔ ان کے یہاں معیار "محبت و عداوت علیؑ" ہے چاہے راوی صحابی ہو یا غیر صحابی ـــــــ!

بحث دوم

امامت کے بارے میں دونوں مکاتب فکر کے نظریات

بحث دوم

فصل اوّل

صدر اسلام میں خلافت کی تاریخی حیثیت

امامت کے بارے میں دونوں مکاتب فکر کی رائے دریافت کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ صدر اسلام میں قیام خلافت کی صحیح نوعیت کا اندازہ کرلیا جائے اور یہ دیکھ لیا جائے کہ اس وقت خلافت کی حیثیت کیا تھی۔

یاد رکھئے اسلام میں حکومت کا اختلاف اس دن شروع ہوگیا تھا جس دن سرکار دو عالمؐ نے انتقال فرمایا آپ نے اپنی زندگی میں اپنے غلام اسامہ بن زید کی قیادت میں ایک لشکر جنگ روم کے لئے تیار کر دیا تھا اور اس میں مہاجرین و انصار کے سرکردہ افراد کو شامل کر دیا تھا جن میں ابوبکر۔ عمر۔ ابوعبیدہ، سعد بن ابی وقاص سعید بن زید جیسے تمام افراد شامل تھے۔

یہ لشکر مقام جرف (مدینہ سے تین میل دور) پر تھا کہ آپس میں بحثیں شروع ہوگئیں کہ ایک نوخیز غلام کو مہاجرین کا سردار بنا دیا گیا ہے۔ رسول اکرمؐ کو یہ اطلاع ملی تو آپ سخت غضبناک ہوئے اور اسی عالم میں سر پر پٹی باندھ کر گھر سے چادر اوڑھ کر برآمد ہوئے اور منبر پر جا کر فرمایا:

"یہ مجھے کیا خبر ملی ہے۔ تم اس سے پہلے بھی اسامہ کے باپ زید کی سرداری کے بارے میں اعتراض کر چکے ہو۔ خدا کی قسم وہ سرداری کے حقدار تھے اور اب ان کا بیٹا اس کی قابلیت رکھتا ہے"———— یہ فرما کر منبر سے اتر آئے اور لشکر میں جانے والوں کو رخصت کرنے لگے اور لوگ لشکر سے ملحق ہونے لگے۔

آپ کا مسلسل ارشاد تھا کہ ——— اسامہ کے لشکر کو روانہ کرو ———— یہانتک کہ اتوار کے دن آپ کی طبیعت زیادہ ناساز ہوگئی اور آپ صاحب فراش ہوگئے۔

دوشنبہ کے دن آپ نے لشکر کی روانگی کا حکم دیا تو لشکر کو خبر دی گئی کہ آپ

کی حالت نازک ہے۔ چنانچہ اسامہ، عمر اور ابو عبیدہ واپس چلے آئے۔ (طبقات ابن سعد طبع بیروت ۲۔ ۱۹۰۔ ۱۹۲، عبداللہ بن سبا جلد ۲)۔

مسئلہ کتابتِ وصیتِ رسول اکرمؐ

ابن عباس راوی ہیں کہ جب رسول اکرمؐ کا وقت وفات قریب آیا تو گھر میں صرف چند افراد تھے جن میں عمر بن الخطاب بھی تھے۔ آپ نے فرمایا ـــــ "لاؤ میں تمہارے لئے ایک نوشتہ نجات لکھدوں جس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے۔" ـــــ تو عمر نے کہا کہ ان پر مرض کا غلبہ ہے۔ تمہارے پاس کتاب خدا موجود ہے۔ ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے۔ ـــــ اور اس بات پر گھر والوں میں اختلاف شروع ہوگیا ـــــ کسی نے کہا قلم دوات دے دیا جائے ـــــ کسی نے عمر کی تائید کی ـــــ یہانتک کہ جھگڑا اتنا بڑھا کہ آپ نے فرمایا ـــــ "میرے پاس سے نکل جاؤ۔ نبیؐ کے سامنے جھگڑا جائز نہیں ہے۔" (بخاری کتاب العلم باب کتابتہ العلم)۔

ایک روایت کی بنا پر ـــــ ابن عباس اس واقعہ کو یاد کر کے اس قدر روئے کہ زمین تر ہوگئی اور فرمایا کہ رسول اکرمؐ پر مرض کی شدت تھی لیکن آپ نے فرمایا کہ "لاؤ کاغذ ایک نوشتہ نجات لکھدوں، جس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے" ـــــ تو لوگوں نے آپس میں جھگڑا شروع کر دیا اور یہ تک کہدیا کہ پیغمبرؐ ہذیان بک رہے ہیں۔ حالانکہ نبیؐ کی بارگاہ میں جھگڑا جائز نہیں ہے۔ (بخاری باب جوائز الوفد من کتاب الجہاد و باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب، صحیح مسلم کتاب الوصیۃ باب ترک الوصیۃ، عبداللہ بن سبا ۱۔ ۹۸۔ ۱۰۲)

دوسری روایت میں یہ وارد ہوا ہے کہ ابن عباس کہا کرتے تھے کہ سب سے بڑا حادثہ یہ ہے کہ رسول اکرمؐ نوشتہ نجات لکھنا چاہتے تھے اور لوگ درمیان میں

حائل ہو گئے اور جھگڑا کر کے آپ کو نہ لکھنے دیا۔ (بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ باب کراہیتہ الخلاف وباب قول المریض قوموا عنی من کتاب المرضیٰ وفی باب مرض النبی من کتاب المغازی، وآخر باب ترک الوصیۃ من کتاب الوصیۃ صحیح مسلم)۔

وفات پیغمبرؐ کے بارے میں خلیفہ عمر کا موقف

مرسل اعظمؐ دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت اس دنیا سے رخصت ہوئے، اس وقت ابوبکر سنخ میں تھے اور مدینہ میں حاضر نہ تھے۔ عمر موجود تھے۔ انہوں نے مغیرہ بن شعبہ کے ساتھ اجازت لے کر گھر میں قدم رکھا اور چہرۂ مبارک سے چادر ہٹا کر دیکھا اور کہا بڑی سخت بے ہوشی کی کیفیت ہے۔ مغیرہ نے کہا یہ انتقال کر چکے ہیں ــــــ عمر نے کہا تم جھوٹے ہو ــــــ رسولؐ مر نہیں سکتے ہیں، تم فتنہ پیدا کرنا چاہتے ہو۔ یاد رکھو جب تک منافقین کا خاتمہ نہ ہو جائے رسول اکرمؐ کو موت نہیں آ سکتی ہے۔ (مسند احمد ۶۔ ۲۱۹، عبداللہ بن سبا ۱۔ ۱۰۲،۱۰۱)

اس کے بعد اس جملہ کی تکرار شروع کر دی کہ منافقین کا خیال ہے کہ رسولِ اکرمؐ کا انتقال ہو گیا ہے۔ حالانکہ انہیں موت نہیں آئی۔ وہ حضرت موسیٰ کی طرح اپنے رب کی بارگاہ میں گئے ہیں اور ایک دن واپس آئیں گے۔ پھر ان تمام لوگوں کے ہاتھ پاؤں قطع کر دیں گے جو ان کی موت کا نام لیں گے[1] اور اب جو بھی کہے گا کہ رسولؐ مر گئے ہیں اس کے سر پر میری تلوار ہوگی۔ وہ آسمان کی طرف چلے گئے ہیں[2]

پھر ان کے سامنے مسجد میں آیت کی تلاوت کی گئی ــــــ "محمدؐ صرف اللہ کے رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں۔ اگر ان کا انتقال ہو جائے یا وہ قتل ہو جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے[3]"

---

[1] طبری طبع یورپ ۱۔ ۱۸۱۸۔ [2] تاریخ ابوالفداء ۱۔ ۱۶۴۔ [3] طبقات ابن سعد جلد ۲ ق ۲۔ ۵۷، کنز العمال ۴۔ ۵۳۔ رقم الحدیث ۱۰۹۲، ابن کثیر ۵۔ ۲۴۳ تاریخ، شرح المواہب للزرقانی ۸۔ ۲۸۱، ابن ماجہ حدیث ۱۶۲۷۔

عباس بن عبد المطلب نے آواز دی کہ رسول اکرمؐ کا انتقال ہو گیا ہے۔ میں نے ان کے چہرہ پر وہ آثار دیکھے ہیں جو اولاد عبد المطلب میں وقت موت نمودار ہوتے ہیں اگر کسی کے پاس وفات رسولؐ کے بارے میں کوئی عہد ہو تو بیان کرو ـــــ سب نے انکار کیا تو اعلان کیا کہ ایہا الناس گواہ رہنا کسی شخص نے گواہی نہیں دی کہ رسول اکرمؐ نے اپنی وفات کے بارے میں کوئی عہد بیان کیا ہو[۱]۔

عمر اپنی بات پر اس طرح مصر تھے کہ کثرت کلام سے منھ سے جھاگ نکل رہا تھا یہاں تک کہ ابو بکر سنح سے واپس آ گئے اور انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی ـــــ تو عمر نے گھبرا کر پوچھا یہ آیت قرآن مجید میں ہے ـــــ ابو بکر نے فرمایا بے شک اور عمر بالکل خاموش ہو گئے ـــــ اور گویا کہ یقین آ گیا[۲]۔

سقیفہ اور بیعت ابوبکر اس کے بعد انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور ان کے ساتھ مہاجرین کی بھی ایک جماعت پہونچ گئی رسول اکرمؐ کے پاس ان کے اقربا کے علاوہ کوئی نہ رہ گیا۔ انہیں حضرات نے غسل و کفن دیا ہے اور جنازہ کے امور انجام دئے ہیں ان میں علیؑ۔ عباس، فضل و قثم (فرزندان عباس) صالح (غلام رسول اکرمؐ) اوس بن خولی الانصاری[۳]۔

---

[۱] طبقات ابن سعد ۲۔ ق ۲۔ ۵۷، تاریخ ابن کثیر ۵۔ ۲۴۳، سیرت حلبیہ ۳۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱، کنز العمال ۳۔ ۵۳۔ ۱۰۹۲، تمہید باقلانی ص ۱۹۲۔ ۱۹۳۔

[۲] انساب الاشراف ۱۔ ۵۲۷، ابن سعد ۲۔ ۲۔ ۵۳، کنز العمال ۴۔ ۵۳، تاریخ الخمیس ۲۔ ۱۸۵، سیرت حلبیہ ۳۔ ۳۹۲۔ طبقات ۲۔ ۲۔ ۵۴، طبری ۱۔ ۱۸۱۷، ۱۸۱۸۔ ابن کثیر ۵۔ ۲۴۳، سیرت حلبیہ ۳۔ ۳۹۲۔ ابن ماجہ حدیث ۱۶۲۷۔ اس کتاب میں یہ بھی مذکور ہے کہ ابو بکر سے پہلے یہی آیت عمر کے سامنے ابن ام کلثوم پڑھ چکے تھے اور یہ تشکیک صرف عمر نے پیدا کی ہے۔ باقی اصحاب وفات رسولؐ پر متفق تھے اور کسی کو کوئی شک و شبہ نہیں تھا۔

[۳] طبقات ابن سعد ۲۔ ۲۔ ۷۰، کنز العمال ۴۔ ۵۴۔ ۶۰۔ اصل عبارت یہ ہے کہ رسول اکرمؐ کے سپرد خاک کرنے میں صرف چار افراد تھے۔ العقد الفرید ۳۔ ۶۱، تاریخ ذہبی ۱۔ ۳۲۱، ۳۲۴، ۳۲۶

"سقیفہ" بروایت عمر بن الخطاب

پیغمبر اسلامؐ کی وفات کے بعد ہمیں خبر ملی کہ انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں اجتماع کیا ہے اور علیؑ وزبیر اور ان کے ساتھی ہم سے الگ ہو گئے ہیں تو ہم نے ابوبکر سے کہا کہ چلیں چلکر دیکھیں برادران انصار کیا کر رہے ہیں۔ وہاں پہونچے تو دیکھا کہ ایک شخص کملی اوڑھے بیٹھا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ سعد بن عبادہ ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کے خطیب نے حمد و ثنائے الٰہی کے بعد گفتگو شروع کی کہ ہم خدا کے انصار اور اسلام کے سپاہی ہیں اور تم مہاجرین قبیلہ رسولؐ ہو...... میں نے بولنا چاہا لیکن ابوبکر نے منع کر دیا اور خود گفتگو شروع کی۔ خدا کی قسم جس قدر بات میں بنانا چاہتا تھا اس سے اچھی گفتگو انہوں نے کی اور فرمایا کہ تم نے مہاجرین کے جس فضل کا ذکر کیا ہے وہ اس کے اہل ہیں اور عرب ان کے علاوہ کسی کی حکومت تسلیم نہ کریں گے۔ اب میں دو افراد کو پیش کرتا ہوں جس کی بیعت کرنا چاہو کر لو۔ ایک عمر اور ایک ابوعبیدہ۔

انصار میں سے ایک شخص بول اٹھا کہ ہم زیادہ تجربہ کار اور حقدار ہیں لہٰذا ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک تم میں سے۔ یہ سننا تھا کہ بات کو طول ہو گیا اور آوازیں بلند ہو گئیں۔ اختلاف سے پھوٹ پڑ گئی اور میں نے ابوبکر سے کہا آپ ہاتھ بڑھایئے میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا دیا اور مہاجرین نے بیعت کر لی۔ اس کے بعد انصار نے بھی بیعت کر لی اور ہم نے سعد بن عبادہ پر حملہ کر دیا۔.......

اب اس کے بعد اگر مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کوئی بیعت کرے گا تو بیعت لینے والا اور کرنے والا دونوں قتل کے حقدار ہوں گے[۱]

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الحدود باب رجم الحبلیٰ من الزنا ۱۲۰۔۸ھ

طبری نے سقیفہ اور بیعت ابوبکر کا ذکر کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے اور جنازہ رسولؐ کو ترک کر دیا۔ اسے گھر والے غسل دے رہے تھے۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم محمدؐ کے بعد اس امر کا ذمہ دار سعد بن عبادہ کو بنائیں گے اور سعد کو بیماری کے عالم میں کھینچکر لے آئے ــــــــ ان کے خطیب نے حمد و ثنا کے بعد انصار کے کارہائے نمایاں اور فضائل کا تذکرہ کیا کہ انہوں نے نبیؐ اور اصحاب نبی کی مدد کی ہے۔ دشمنوں سے جہاد کیا ہے۔ رسولؐ ان سے راضی ہو کر اس دنیا سے گئے ہیں۔ اب یہ تنہا تمہارا حق ہے۔ سب نے قبول کر لیا کہ رائے صحیح اور بات مناسب ہے اور اس سے تجاوز صحیح نہیں ہے۔ لیکن یکبارگی یہ مسئلہ پیدا ہو گیا کہ اگر مہاجرین نے نہ قبول کیا تو کیا ہو گا ــــــــ؟ اگر انہوں نے دعویٰ کر دیا کہ ہم مہاجر اور اصحاب اولین ہیں۔ ہم ان کے عشیرہ اور قرابتدار ہیں۔ ہم سے کس طرح مقابلہ ممکن ہے تو؟ ایک جماعت نے جواب دیا کہ ــــ ایک ایک امیر دونوں کا ہو جائے گا ــــــــ سعد بن عبادہ نے آواز دی ــــــــ یہ پہلی کمزوری ہے۔ (طبری ۲-۴۵۶، ابن اثیر ۲-۱۲۵)۔

ابوبکر و عمر نے یہ بات سن لی اور فوراً ابو عبیدہ الجراح کو لے کر سقیفہ پہونچ گئے۔ ان کے ساتھ بنی عجلان میں سے اُسید بن حُضیر، عویم بن ساعدہ اور عاصم بن عدی بھی ہمخیال ہو گئے ــــــــ (سیرت ابن ہشام ۴، ۳۳۹)۔

(سیرۃ ابن ہشام ۴-۳۳۵ میں اُسید کا تذکرہ اس طرح وارد ہوا ہے۔ اسید بن حُضیر بن سماک بن عتیک بن رافع بن امرأالقیس بن زید بن عبد الاشہل بن الحرث بن الخزرج بن عمرو بن مالک بن الاوس الانصاری الاشہلی۔ بیعت عقبہ دوم میں شریک ہوئے احد میں ثابت قدم رہے۔ تمام مجاہدات میں رسول اکرمؐ کے ساتھ رہے۔ ابوبکر انصار میں کسی کو ان پر مقدم نہیں کرتے تھے۔ ۲۰ھ یا ۲۱ھ میں وفات پائی۔ عمر نے خود ان کا جنازہ اٹھایا۔ (استیعاب ۱-۳۱-۳۳۔ اصابہ ۱-۶۴)
____

___ عاصم سے مراد عاصم بن عدی بن الجد بن العجلان بن حارثہ بن ضبیعہ بن حرام البلوی العجلانی ہے۔ یہ انصار کے حلیف اور بنی عجلان کے سردار تھے۔ احد اور اس کے بعد کے مجاہدات میں شریک ہوئے اور ۴۵ھ میں انتقال کیا۔ (استیعاب ۳؍۱۳۳،

اصابہ ۲؍۲۳۷، اسد الغابہ ۳؍۷۵)۔)

ابو بکر نے عمر کو بولنے سے روک دیا اور خود گفتگو شروع کی۔ حمد و ثنائے الٰہی کے بعد مہاجرین کے کارنامے بیان کئے کہ انہوں نے سب سے پہلے رسولؐ کی تصدیق کی ہے۔ سب سے پہلے رسولؐ پر ایمان لائے ہیں۔ خدا کی عبادت کی ہے۔ رسولؐ کے قرابتدار ہیں اور سب سے زیادہ خلافت کے حقدار ہیں۔ ان سے ٹکرانے والا ظالم ہی ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد خود ہی انصار کے فضائل بیان کئے اور کہا کہ مہاجرین کے بعد ہمارے نزدیک انصار ہی کا مرتبہ ہے لہذا ہمارا امیر ہو جائے اور ان کا وزیر۔

حباب بن المنذر نے کھڑے ہو کر آواز دی ___ گروہ انصار ___ ہوشیار اپنا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھو ___ یہ سب تمہارے زیر سایہ تمہاری پناہ میں ہیں۔ کسی میں مخالفت کی جرأت نہیں ہے۔ خبردار تم میں اختلاف نہ ہونے پائے ورنہ سب کام بگڑ جائے گا اور حکومت ہاتھ سے نکل جائے گی ___ اور اگر یہ ضد ہی کریں تو ایک امیر ان کا ہو گا اور ایک تمہارا ہو گا۔

عمر نے آواز دی ___ ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتی ہیں۔ عرب اس بات کو ہرگز برداشت نہ کریں گے کہ رسولؐ مکہ کا ہو اور امیر مدینہ کا۔ البتہ اسے سب برداشت کر لیں گے کہ جس خاندان کی نبوت ہو اسی کی حکومت ہو اور یہی ہماری بہترین دلیل اور مستحکم حجت ہے۔ کون ہم سے محمدؐ کی حکومت و سلطنت میں مقابلہ کر سکتا ہے ہم ان کے عشیرہ اور قبیلہ والے ہیں جو ہم سے مقابلہ کرے گا وہ باطل پرست، گناہگار اور ہلاکت میں مبتلا ہو گا۔ (امیر المومنینؑ نے اسی استدلال کو سنکر فرمایا تھا کہ افسوس کہ

شجرہ کو دلیل میں پیش کیا گیا اور ثمرات کو ضائع کر دیا گیا (شرح نہج حدیدی ۲-۲)

حباب بن المنذر نے کھڑے ہو کر انصار کو انتباہ دیا کہ خبر دار اپنا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھو اور ان لوگوں کی باتوں میں نہ آؤ ورنہ تمہارا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ اگر یہ تمہاری بات نہیں مانتے ہیں تو انہیں شہر سے نکال باہر کرو اور حکومت پر قبضہ کر لو۔ خدا کی قسم تم ان سے زیادہ حقدار ہو۔ تمہاری تلوار کے نتیجہ میں بیدین دیندار بنے ہیں۔ ہم اس درخت کی اصل اور جڑ ہیں اور اسے ہر انحراف سے بچانے والے ہیں۔ خدا کی قسم تم لوگ چاہو تو ہم پہلے جیسے حالات پھر پیدا کر دیں۔

عمر نے کہا ایسا کرو گے تو خدا تمہیں قتل کر دے گا۔

حباب نے جواب دیا کہ خدا تجھے قتل کرے گا۔

ابوعبیدہ نے کہا اے گروہ انصار ــــــ تم نے سب سے پہلے رسولؐ کی مدد کی ہے۔ اب سب سے پہلے دین کو بدلنے والے نہ بنو۔

یہ سننا تھا کہ بشیر بن سعد الخزرجی نے مداخلت کی اور کہا اے گروہ انصار خدا کی قسم ہم نے مشرکین سے جہاد اور دین کی خدمت کی ہے تو صرف رضائے الٰہی کے لئے کی ہے۔ ہم عہدہ و منصب کے لئے مقابلہ نہیں کرنا چاہتے اور نہ دنیا میں اپنے خدمات کا بدلہ چاہتے ہیں۔ اللہ نے ہمیں بہت سی نعمتیں عطا کی ہیں لیکن محمدؐ بہر حال قریش سے ہیں اور ان کی قوم اس امر کی زیادہ حقدار ہے۔ خدا نہ کرے کہ ہم ان کی قوم سے اس امر میں مقابلہ کریں ــــــ خدا سے ڈرو ــــــ ان سے اختلاف نہ کرو اور ان کی مخالفت سے دستبردار ہو جاؤ۔

ابوبکر نے فوراً تائید کی کہ یہ عمر اور ابوعبیدہ موجود ہیں جس کی بیعت کرنا چاہو کر لو۔ ان دونوں نے جواب دیا کہ ہم اس معاملہ میں آپ پر سبقت نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف نے تقریر کی۔ اے گروہ انصار! اگرچہ

تم صاحبان فضیلت ہو لیکن تم میں کوئی ابوبکر و عمر و علی جیسا نہیں ہے۔

منذر بن ارقم نے جواب دیا کہ ہم ان لوگوں کے فضل کا انکار نہیں کرتے اور ان میں ایک تو ایسا ہے کہ اگر وہ اس امر کا مطالبہ کرے تو ہم سب حاضر ہیں یعنی علیؑ بن ابیطالبؑ (تاریخ یعقوبی ۲، ۱۰۳، موفقیات زبیر بن بکار)۔

یہ سننا تھا کہ تمام یا بعض انصار نے آواز دی کہ ہم علیؑ کے علاوہ کسی کی بیعت نہ کریں گے۔ (طبری ۳، ۲۰۸ طبع یورپ' ابن اثیر ۲، ۱۲۳)۔

عمر کا بیان ہے کہ اس کے بعد جھگڑا شروع ہو گیا اور آوازیں بلند ہو گئیں تو میں نے اختلاف کا خطرہ محسوس کر کے ابوبکر سے کہا کہ آپ ہاتھ بڑھائیے ہم بیعت کریں۔ (سیرت ابن ہشام ۴، ۳۳۶)۔

ابھی عمر اور ابوعبیدہ بیعت کرنے جا ہی رہے تھے کہ بشیر بن سعد نے سبقت کی اور بیعت کر لی تو حباب بن المنذر نے آواز دی۔ بشیر بن سعد! تو نے سخت نافرمانی کی ہے اور صرف اپنے ابن عم کے حسد میں یہ اقدام کیا ہے۔ اس نے جواب دیا لا واللہ میں نے یہ بُرا سمجھا کہ کسی قوم سے اس کے حق کے بارے میں جھگڑا کیا جائے۔

قبیلہ اوس نے بشیر بن سعد کا عمل اور قریش کی دعوت کے ساتھ خزرج کی طرف سے سعد بن عبادہ کی حکومت کی تحریک کو دیکھا تو ایک نے دوسرے سے کہنا شروع کیا جن میں اسید بن حضیر پیش پیش تھا کہ خدا کی قسم اگر خزرج کو ایک دن تم پر حکومت مل گئی تو ہمیشہ کے لئے یہ فضیلت ان کے حصہ میں آجائے گی اور کبھی تمہیں حصہ دار نہ بنائیں گے۔ لہٰذا اٹھو اور ابوبکر کی بیعت کر لو۔ (شرح النہج حدیدی ۲، ۲)

لوگوں نے فی الفور ابوبکر کی بیعت کر لی اور سعد و خزرج کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ اب لوگ ہر طرف سے ابوبکر کی بیعت کے لئے بڑھ رہے تھے۔

یہاں تک کہ قریب تھا کہ سعد پامال ہو جائے ــــ تو کسی نے آواز دی ارے سعد کو بچاؤ انہیں پامال تو نہ کرو ــــ تو عمر نے جواب دیا ــ اسے قتل کر دو۔ خدا اسے قتل کرے۔

اس کے بعد سعد کے سرھانے کھڑے ہو کر چاہا کہ انہیں پامال کر دیں اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیں ــــ کہ قیس بن سعد نے عمر کی داڑھی پکڑ لی اور کہا کہ خبردار اگر ان کا ایک بال بھی گر گیا تو تمہاری ایک ہڈی بھی سلامت نہ رہ جائے گی۔

ابو بکر نے مداخلت کی کہ اے عمر یہ وقت نرمی سے کام نکالنے کا ہے۔

انھوں نے یہ سن کر اپنے ارادہ سے اعراض کر لیا۔

لیکن سعد نے کہا کہ کاش میرے پاس قیام کرنے بھر کی طاقت ہوتی تو تم اقطار واطراف میں شیر کی ایسی دہاڑ سنتے کہ تم اور تمہارے ساتھی سوراخوں میں گھس جاتے۔ خیر خدا نے چاہا تو میں تمہیں تمہاری قوم سے ملحق کر دوں گا جہاں تم تابع ہو گے اور حاکم نہ بن سکو گے ــــ لوگو! ــــ اب مجھے یہاں سے اٹھا لے چلو ــــ لوگوں نے انہیں اٹھا کر گھر تک پہونچا دیا۔ (طبری ۳ ص۴۵۵-۴۵۹ ـ طبع یورپ ۱۸۴۳ء)۔

ابو بکر جوہری کا بیان ہے کہ جس دن ابو بکر کی بیعت ہو رہی تھی عمر مارے خوشی کے ان کے سامنے اچھلتے پھر رہے تھے اور یہ اعلان کر رہے تھے کہ آگاہ ہو جاؤ لوگوں نے ابو بکر کی بیعت کر لی ہے۔ (السقیفہ، ابن ابی الحدید ۱ء۱۳۳)۔

بہر حال لوگوں نے ابو بکر کی بیعت کر لی اور انہیں مسجد تک لے آئے اور بیعت عام شروع ہو گئی۔ عباس اور علیؑ نے مسجد میں تکبیر کی آواز سنی جبکہ وہ ابھی غسل پیغمبرؐ سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے ــــ تو پوچھا کہ یہ شور کیسا ہے؟ عباس نے جواب دیا کہ ایسا کبھی دیکھا نہیں گیا ہے۔ (ابن عبدربہ العقد الفرید ۳-۶۳، الحدیدی ۲ء۱۳۳)

دھمکی

اس کے بعد برار بن عازب نے آکر بنی ہاشم کے دروازہ پر دستک دی اور کہا کہ اے بنی ہاشم ـــــ ابوبکر کی بیعت ہو چکی ہے ـــــ تو بعض لوگوں نے آپس میں کہنا شروع کیا کہ مسلمان ہمارے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے۔ ہم محمدؐ سے قریب ترافراد ہیں۔

عباس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم ایسا ہو چکا ہے۔

عام طور سے مہاجرین اور انصار کا خیال یہی تھا کہ اس کام کے لئے حضرت علیؑ سے زیادہ مناسب کوئی نہیں ہے۔ بقول روایت "مہاجرین و انصار کو علیؑ کے بارے میں کوئی شک نہیں تھا۔ (موفقیات زبیر بن بکار ص۸۵)۔

طبری راوی ہے کہ قبیلہ اسلم اس کثرت سے آیا کہ گلیوں میں چلنے کی جگہ نہیں تھی اور سب نے ابو بکر کی بیعت کر لی تو عمر نے کہا کہ ہم نے بنی اسلم کو دیکھ کر ہی سمجھ لیا تھا کہ مدد آگئی ہے۔ (طبری ۲ ـ ۴۵۸، ابن اثیر ۲ ـ ۲۲۴)

بیعت ابوبکر کے بعد بیعت کرنے والی جماعت نہایت مسرت کے ساتھ انہیں مسجد میں لے آئی اور انہوں نے منبر رسولؐ پر نشست اختیار کی اور شام تک ـــــ بیعت ہوتی رہی۔ کسی کو جنازۂ رسول کے دفن کی فکر نہیں تھی یہاں تک کہ شب سہ شنبہ آگئی۔ (موفقیات ص۵۷۸، الریاض النضرہ ۱ ـ ۱۶۴، تاریخ الخمیس ۱ ـ ۱۸۸)

بیعتِ عام

سقیفہ میں بیعت ابوبکر کے بعد دوسرے دن ابوبکر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور عمر نے ان سے پہلے تقریر شروع کی۔ حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ کل کی میری بات نہ کتاب اللہ سے تھی اور نہ اس کے لئے کوئی عہد پیغمبرؐ تھا لیکن یہ خیال تھا کہ رسول اکرمؐ امت کے لئے کوئی نہ کوئی انتظام ضرور کریں گے ـــــ

_____ خیر _____ اللہ نے تمہارے درمیان وہ کتاب باقی رکھی ہے جس کے ذریعہ رسولؐ کو ہدایت دی تھی۔ اب اگر تم نے اس سے تمسک کیا تو اللہ تمہاری بھی ہدایت کرے گا جس طرح اپنے رسولؐ کی ہدایت کی تھی۔ اللہ نے تمہارے امور کو بہترین شخص یار غار، صحابی رسولؐ ابوبکر پر جمع کر دیا ہے لہٰذا سب اٹھ کر ان کی بیعت کرو۔

لوگوں نے اٹھ کر ابوبکر کی عمومی بیعت کی۔

بخاری کا بیان ہے کہ کچھ لوگ سقیفہ میں بیعت کر چکے تھے لیکن بیعت عام منبر رسولؐ پر ہوئی ہے۔

انس بن مالک کا بیان ہے کہ میں نے عمر کو یہ کہتے سنا ہے کہ آپ (ابوبکر) منبر پر جائیں اور باصرار انہیں منبر پر بٹھا دیا جس کے بعد بیعت عام عمل میں آئی۔

ابوبکر نے منبر پر جا کر خطبہ شروع کیا اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ _____ "مجھے تمہارے اوپر حاکم بنا دیا گیا ہے حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اب اگر میں صحیح کام کروں تو میری مدد کرنا اور غلط کروں تو مجھے سیدھا کر دینا (کس طرح ؟) جب تک میں خدا کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرنا اور جب میں معصیت کروں تو خبردار میری اطاعت نہ کرنا _____ اٹھو _____ نماز پڑھو _____ خدا تم سب پر رحمت نازل کرے"۔ (ابن ہشام ۴ ۳۴۰، طبری ۳ ۲۰۳، عیون الاخبار ابن قتیبہ ۲ ۲۳۴، الریاض النضرہ ۱ ۱۶۷، ابن کثیر ۵ ۲۴۸، تاریخ الخلفاء سیوطی ص۴۷، کنز العمال ۳ ۱۲۹، سیرت حلبیہ ۳ ۳۹۷، صحیح بخاری ۴ ۱۶۵)۔

بیعت عام کے بعد

_____ رسول اکرمؐ کا انتقال دوشنبہ کے دن سورج نکلنے کے بعد ہوا اور لوگ ان کے دفن سے غافل ہو گئے۔ یہاں تک کہ سہ شنبہ کے دن عصر تک یہ غفلت برقرار رہی۔ (طبقات ابن سعد ۲۔ ق ۲ ص۷۸، طبع لندن)۔

لوگ اولاً سقیفہ کے خطبوں میں مشغول رہے۔ اس کے بعد پہلی بیعت ہوئی۔ پھر بیعت عام ہوئی۔ اس کے خطبے ہوئے۔ عمر کی تقریر ہوئی۔ ابوبکر نے نماز پڑھائی۔ اس کے بعد لوگ تجہیز رسولؐ کے لئے سہ شنبہ کے دن واپس آئے۔ (سیرت ابن ہشام ۴؍۳۴۳، طبری ۲؍۴۵۰، ابن اثیر ۲؍۱۲۶، ابن کثیر ۵؍۲۴۸، حلبیہ ۳؍۳۹۲، (حلبی نے واپسی کا دن معین نہیں کیا))

پھر لوگوں نے جنازہ کی نماز پڑھی۔ (ابن ہشام ۴؍۳۴۳)۔

سرکارؐ کی نماز جنازہ بلا امام کے ہوئی ہے اور مسلمان الگ الگ گروہ در گروہ اگر نماز جنازہ ادا کر رہے تھے۔ (طبقات ۲ق ۲؍۷۰، کامل ابن اثیر ۲ حوادث سنہ ۱۱ھ)۔

دفنِ پیغمبرؐ کے شرکاء

رسول اکرمؐ کو قبر میں اسی جماعت نے اتارا جس نے غسل دیا تھا یعنی عباس، علی، فضل اور صالح۔ اصحاب نے گھر والوں کو چھوڑ دیا تھا اور انہیں حضرات نے سپرد خاک کیا۔ (طبقات ۲ق ۲؍۷۰، البدء والتاریخ، کنز العمال ۴؍۵۴ و ۶۰)۔

علیؑ فضل اور قثم اور شقران (غلام رسولؐ) قبر میں اترے اور ایک روایت کی بنا پر اسامہ بن زید بھی شریک تھے، انہیں حضرات نے غسل، کفن وغیرہ کے امور انجام دیئے اور ابوبکر و عمر دفن میں شریک نہیں ہوئے۔ (الغدیر ۳؍۱۶، تاریخ ذہبی ۱؍۳۲۱، ۳۲۴، ۳۲۶)

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ ہمیں دفن رسولؐ کی اطلاع شب چہار شنبہ ہوئی ہے جب عورتوں کے رونے کی آواز بلند ہوئی۔ (ابن ہشام ۴؍۳۴۴، طبری ۲؍۴۵۲۔ ۴۵۵۔ ابن کثیر ۵؍۲۷۰، اسد الغابہ ۱؍۳۲)۔

بعض روایات میں ہے کہ یہ آوازیں شب سہ شنبہ بلند ہوئی تھیں جن سے حضرت عائشہ کو اطلاع ملی جیسے طبقات ابن سعد ۲ق ۲؍۷۸، تاریخ الخمیس ۱؍۱۹۱، تاریخ ذہبی ۱؍۳۲۷۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ شب چہار شنبہ کی روایت ہے۔ جیسا کہ مسند ۶؍۲۷۴ میں ہے کہ آخر شب چہار شنبہ تک یہ نہیں معلوم تھا کہ سرکارؐ کہاں دفن ہوں گے۔

یہاں تک کہ یہ آوازیں بلند ہوئیں تو صورت حال کا علم ہوا۔

سرکارؐ کے امور کا انتظام صرف ان کے اقارب نے کیا۔ بنو غنم نے آپ کے بعد یہ آوازیں سنیں ورنہ سب اپنے گھروں میں تھے۔ (طبقات ابن سعد ۲ ق ۲ ص ۷۸)۔

بنی غنم کے شیوخ انصار کا بیان ہے کہ ہم نے یہ آوازیں آخر شب میں سنی ہیں۔ (ابن سعد ۲ ق ۲ ص ۷۸)۔

دفنِ رسولؐ کے بعد

سعد اور ان کا نام پیش کرنے والے شکست خوردہ ہو گئے۔ حضرت علیؑ اور ان کی جماعت (اقلیت بنکر) پژمردہ ہو گئی اور ابوبکر کی پارٹی کامیاب ہو گئی۔ اب سب کی فکر انصار کو اپنے ساتھ رکھنے کی تھی۔

زبیر بن بکار نے موفقیات میں بیان کیا ہے کہ بیعت کے بعد جب ابوبکر کا کام مکمل ہو گیا تو انصار کی ایک جماعت پشیمان ہو کر ایک دوسرے کی ملامت کرنے لگی اور بآواز بلند علیؑ کا نام لینے لگی۔ (موفقیات ص ۵۸۳)۔

یعقوبی کا کہنا ہے کہ "مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت نے بیعت ابوبکر سے انکار کیا اور علیؑ کی طرف مائل ہو گئے۔ انہیں میں سے عباس بن عبد المطلب، فضل بن عباس، زبیر بن العوام، خالد بن سعید، مقداد بن عمروؓ، سلمان الفارسی، ابوذر

---

[۱] مقداد بن اسود کندی کا نام مقداد بن عمرو بن ثعلبہ بن مالک بن ربیعہ بن عامر بن مطرود البہرانی ـــــ ان کے والد کے ذمہ قوم میں کوئی خون تھا اس لئے حضرموت چلے گئے اور وہاں کندہ کے حلیف بن گئے اور وہیں شادی کی جس کے بعد مقداد پیدا ہوئے۔ جب مقداد بڑے ہوئے تو ان کے اور ابو شمر بن حجر کندی کے درمیان جنگ ہو گئی اور وہ بھاگ کر مکہ آئے اور اسود بن عبد یغوث زہری کے حلیف بن گئے۔ اسود نے انہیں اولاد بنا لیا اور مقداد ابن اسود کندی کے نام سے مشہور ہو گئے۔ اس کے بعد جب متبنٰی بنانے کے خلاف آیت نازل ہوئی تو مقداد بن عمرو کہے جانے لگے۔ سرکار دوعالمؐ کا ارشاد ہے کہ مجھے چار آدمیوں کی محبت کا حکم دیا گیا ہے اور خدا بھی ان سے محبت کرتا ہے۔ علی، مقداد، سلمان، ابوذر ـــ مقداد کا انتقال ۳۳ھ میں ہوا ہے۔ (استیعاب ۳۔ ۱۵۴، اصابہ ۳۔ ۳۳۴، ۴۳۴)۔

غفاری، عمار بن یاسر، براء[1] بن عازب، ابی بن کعب[2] وغیرہ تھے۔

ابوبکر نے عمر، ابوعبیدہ بن الجراح اور مغیرہ بن شعبہ کو بلا کر پوچھا کہ اب آپ حضرات کی کیا رائے ہے؟

ان لوگوں نے کہا کہ عباس بن عبدالمطلب سے ملاقات کر کے انہیں خلافت میں حصہ دے دو جو ان کے بعد ان کی اولاد میں بھی رہے تا کہ علیؑ کا پہلو کمزور ہو جائے۔ اور تمہارے پاس ایک دلیل موجود رہے۔ (الامامۃ والسیاسۃ ۱۔۱۴)۔

جوہری کا بیان ہے کہ یہ رائے مغیرہ بن شعبہ نے دی تھی اور یہی قرین قیاس بھی ہے۔

بہرحال رات کے وقت ابوبکر، عمر، ابوعبیدہ اور مغیرہ سب عباس کے پاس حاضر ہوئے اور ابوبکر نے حمد و ثنائے الٰہی کے بعد تقریر شروع کی:

"اللہ نے محمدؐ کو نبی بنا کر بھیجا جو مومنین کے ولی و حاکم تھے۔ یہ مومنین پر خدا کا احسان تھا کہ وہ ان کے درمیان رہے۔ اس کے بعد خدا نے انہیں واپس بلا لیا۔ اور لوگوں کو اس کا اختیار دے دیا کہ اپنے لئے مصلحت کے مطابق حاکم بنا لیں۔ لوگوں نے میرا انتخاب کر لیا ہے۔ میں ان کا حاکم اور ان کے امور کا نگراں بن گیا ہوں۔ میں خدا کی امداد و تائید سے اب کوئی کمزوری، حیرت یا بزدلی محسوس نہیں کرتا۔ میری توفیق اللہ سے وابستہ ہے۔ اسی پر اعتماد ہے اور اسی کی طرف توجہ!

مجھے مسلسل خبر مل رہی ہے کہ بعض لوگ عام مسلمانوں کی رائے کے خلاف

---

[1] ابو عمرو براء بن عازب ابن الحارث بن عدی بن جشم بن مجدعہ بن الحارث بن عمرو بن مالک بن الاوس الانصاری الاوسی۔ انہیں رسول اکرمؐ نے بدر میں بچہ قرار دے کر واپس کر دیا تھا۔ اس کے بعد ۱۴ غزوات میں شریک رہے۔ جمل و صفین و نہروان میں حضرت علیؑ کے ساتھ رہے کوفہ میں مکان بنا لیا اور وہیں مصعب بن الزبیر کے دور میں انتقال کیا۔ (استیعاب ۱۔۴۲، اصابہ ۱۔۱۴۷)۔

[2] ابی بن کعب بن قیس بن عبید بن زید بن معاویہ بن عمرو بن مالک بن النجار ــــ بیعت عقبہ دوم میں رسولؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بدر وغیرہ میں شریک رہے۔ کاتب پیغمبرؐ شمار ہوتے تھے۔ عمر کی خلافت کے اواخر یا عثمان کی خلافت کے اوائل میں انتقال کیا۔ (استیعاب ۱۔۲۷۔۳۰، اصابہ ۱۔۳۱، ۳۲)۔

میری خلافت پر اعتراض کر رہے ہیں اور آپ کو پناہ گاہ بنا رکھا ہے تو اب آپ یا تو لوگوں کے اجماعی فیصلہ میں شامل ہو جائیں یا ان لوگوں کو ان کے خیال سے باز رکھیں۔

ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ ہم آپ کو بھی اس امر میں حصہ دار بنا دیں جو آپ کے بعد آپ کی اولاد میں بھی رہے۔ اس لیئے کہ آپ عم رسولؐ ہیں۔ اگرچہ لوگوں نے آپ اور آپ کے ساتھی (علیؑ) کے دیکھنے کے بعد بھی آپ سے عدول کیا ہے۔ لیکن بہر حال رسولؐ آپ میں سے بھی ہیں اور ہم میں سے بھی ہیں۔"

عمر بن الخطاب نے مداخلت کی کہ ہم آپ کے پاس کسی غرض سے نہیں آئے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کے اجماع کی مخالفت کا الزام آپ پر نہ آئے کہ اس کا خمیازہ آپ کو بھگتنا پڑے۔ اب آپ اپنے بارے میں فیصلہ کریں۔

عباس نے حمد و ثنائے الٰہی کے بعد تقریر شروع کی کہ بے شک اللہ نے محمدؐ کو اپنا نبی اور مومنین کا ولی بنایا ہے۔ جیسا کہ آپ لنے ذکر کیا ہے۔ یہ اس کا امت پر احسان تھا ــــــ اس کے بعد اس نے نبیؐ کو واپس بلا لیا اور مسلمانوں کو ان کے امور کا اختیار دے دیا کہ وہ حق کی راہ پر چل کر کوئی فیصلہ کریں اور خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ اب اگر آپ نے یہ عہدہ رسولؐ کے نام پر طلب کیا ہے تو ہمارا حق لیا ہے اور اگر مومنین کے نام پر لیا ہے تو میں بھی تو مومن ہوں۔ میں نے تو اس مسئلہ میں کوئی اقدام نہیں کیا ہے۔

اور اگر مومنین نے آپ کو یہ حق دے دیا ہے تو ہماری ناراضگی کے بعد اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ آپ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ لوگ ــــ آپ کی خلافت پر طعنہ زن ہیں اور یہ بھی دعویٰ کر رہے ہیں کہ مومنین نے آپ کو منتخب کیا ہے پھر آپ یہ بھی دعویٰ کر رہے ہیں کہ خدا نے مسلمانوں کو اختیار دے دیا ہے کہ وہ اپنا حاکم بنا لیں اور اپنے کو خلیفہ رسولؐ بھی کہہ رہے ہیں۔ آپ کی خلافت کا رسولؐ سے کیا تعلق ہے ــــــــــ؟

اس کے بعد آپ جو مجھے حق دینے آئے ہیں تو اگر یہ مومنین کا حق ہے تو آپ دینے والے کون ہیں اور اگر ہمارا حق ہے تو کل ملنا چاہیئے ایک حصہ کا کیا مطلب ہے؟ ذرا ہوش میں آؤ ______ رسول اللہؐ کا جس شجرہ سے تعلق ہے اس کی شاخیں ہم ہیں تم تو صرف ہمسایہ ہو ______ یہ سننا تھا کہ سب باہر نکل گئے۔ (السقیفہ للجوہری)

بیتِ فاطمہؑ میں پناہ

______ عمر بن الخطاب کا بیان ہے کہ ہمیں خبر ملی کہ رسولؐ کی وفات کے بعد علیؑ، زبیر اور ان کے ساتھیوں نے خانۂ فاطمہؑ میں پناہ لے لی ہے۔ (مسند احمد ۱-۵۵، طبری ۲-۴۶۶، ابن اثیر ۲-۱۲۴، ابن کثیر ۵-۲۴۶، صفوۃ الصفوہ ۱-۹۷، ابن ابی الحدید ۱-۱۲۳، تاریخ السیوطی ص۴۵، ابن ہشام ۴-۳۳۸، تیسیر الوصول ۲-۴۱)۔

مورخین کا بیان ہے کہ بیعت ابوبکر سے الگ ہو کر خانۂ فاطمہؑ میں پناہ لینے والے حضرات حسب ذیل تھے:

۱	عباس بن عبدالمطلب	۲	عتبہ بن ابی لہب
۳	سلمان الفارسی	۴	ابوذر غفاری
۵	عمار بن یاسر	۶	مقداد بن الاسود
۷	البراء بن عازب	۸	ابی بن کعب
۹	سعد[۱] بن ابی وقاص	۱۰	طلحہ بن عبیداللہ

اور مہاجرین و انصار و بنی ہاشم کی ایک جماعت [۲]

---

[۱] ابواسحاق سعد بن ابی وقاص ـ ابووقاص کا نام مالک بن اہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب القرشی سابقین اسلام میں ساتویں فرد تھے۔ بدر اور اسکے بعد کے غزوات میں شریک رہے۔ سب سے پہلے تیراندازی کا مظاہرہ کیا۔ فتح عراق، آبادی کوفہ اور ولایت عمر میں پیش پیش تھے۔ عمر نے اصحاب شوریٰ میں نامزد کیا تھا قتل عثمان کے بعد گوشہ نشین ہو گئے اور خلافت معاویہ میں عقیق میں اپنے مکان میں انتقال کیا۔ پھر مدینہ لاکر بقیع میں دفن کر دیئے گئے۔ (استیعاب ۲-۱۸، ۲۵، اصابہ ۲-۳۰-۳۲)۔

[۲] بعض مصادر میں ذکر کیا گیا ہے کہ یہ لوگ بیعت علیؑ کے لئے جمع ہوئے تھے (الریاض النضرہ ۱-۱۶۷، تاریخ الخمیس ۱-۱۸۸، ابن عبد ربہ ۳-۶۴، ابوالفداء ۱-۱۵۶، ابن شحنہ برحاشیہ کامل ص۱۱۲، جوہری بروایت حدیدی ۲-۱۳۰، سیرت حلبیہ ۳-۲۹۴)۔

حضرت علیؑ اور ان کے ساتھیوں کا بیعت ابوبکر سے انکار کر کے خانہ زہراؑ میں پناہ لینا ایک تاریخی حقیقت ہے جس کا ذکر کتب سیرت و تاریخ وصحاح و مسانید وادب وکلام وتراجم میں تواتر کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ قوم نے ان پناہ لینے والوں اور حاکم جماعت کے درمیان جو واقعات پیش آئے، ان کا تذکرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا اس لئے ضمناً چند باتیں سامنے آگئیں ورنہ ان کا بھی اظہار نہ ہوتا۔ مثال کے طور پر بلاذری نے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ کے انکار بیعت کے بعد ابوبکر نے عمر کو ان کے پاس بھیجا کہ جس سختی سے ممکن ہو انہیں یہاں حاضر کرو۔ عمر کے آنے کے بعد دونوں میں تیز و تند گفتگو ہوئی اور حضرت علیؑ نے کہا کہ خوب دودھ دو ہو اس میں ایک حصہ تمہارا بھی ہے۔ خدا کی قسم آج حکومت میں تمہاری ساری دلچسپی یہ ہے کہ کل یہ تمہیں ملنے والی ہے۔ (انساب الاشراف ۱؍۵۸۷)۔

خود ابوبکر نے اپنے مرض الموت میں کہا تھا کہ مجھے اس دنیا میں صرف تین باتوں کا افسوس ہے کہ ـــــ کاش میں نے یہ کام نہ کئے ہوتے ـــــ کاش میں نے فاطمہؑ کا گھر نہ کھلوایا ہوتا اور اسے اسی حال میں چھوڑ دیا چاہے وہ جنگ کے لئے بند ہوتا۔ (طبری ۲؍۶۱۹، مروج الذہب ۱؍۲۱۴، عقد الفرید ۳؍۶۹، کنز العمال ۳؍۱۳۵، منتخب الکنز ۲؍۱۷۱، الامامۃ والسیاسۃ ۱؍۱۸، کامل مبرد بروایت ابن ابی الحدید ۲؍۱۳۰-۱۳۱، مرآۃ الزمان سبط بن جوزی۔ تاریخ ذہبی ۱؍۳۸۸)۔

یعقوبی نے اپنی تاریخ ۲؍۱۱۵ میں نقل کیا ہے ـــــ کاش میں خانۂ فاطمہؑ کی تفتیش نہ کرتا اور اس میں مردوں کو داخل نہ کرتا چاہے وہ جنگ پر بند ہوتا۔

جارح گروپ

مورخین نے خانۂ زہراؑ میں درانہ داخل ہونے والوں میں حسب ذیل افراد کے نام بیان کئے ہیں:

(۱) عمر بن الخطاب۔

(۲) خالد بن الولید [۱]

(۳) عبدالرحمٰن بن عوف

(۴) ثابت بن قیس بن شماس [۲]

(۵) زیاد بن لبید [۳]

(۶) محمد بن مسلمہ [۴]

(۷) زید بن ثابت [۵]

(۸) سلمہ بن سالم بن وقش [۶]

(۹) سلمہ بن اسلم [۷]

(۱۰) اسید بن حضیر [۸]

---

[۱] ابو سلیمان خالد بن الولید بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم القرشی ۔ خالد کی ماں لبابہ بنت الحارث بن الحزن الہلالیہ میمونہ زوجہ پیغمبرؐ کی بہن ۔ جاہلیت میں سردار لشکر شمار ہوتا تھا ۔ حدیبیہ کے بعد ہجرت کی اور فتح مکہ میں حاضر رہا ۔ ابوبکر نے اسے سردار لشکر بنا دیا اور سیف اللہ کے نام سے مشہور ہو گیا ۔ حمص یا مدینہ میں ۲۱ھ یا ۲۲ھ میں وفات پائی (استیعاب ۱ ص ۴۰۵ ۔ ۴۰۸)۔

[۲] ثابت بن قیس بن شماس بن زہیر بن مالک بن امرء القیس بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن الخزرج الانصاری احد اور اس کے بعد کے معرکوں میں شریک ہوا اور خالد کے ساتھ یمامہ میں قتل ہوا (استیعاب ۱ ص ۱۹۳، اصابہ ۱ ص ۱۹۷)۔

[۳] زیاد بن لبید بن ثعلبہ بن سنان بن عامر بن عدی بن امیہ بن بیاضہ الانصاری بنی بیاضہ بن عامر بن زریق سے تعلق ہے مکہ میں رسولؐ کی خدمت میں آیا اور وہیں قیام کیا پھر آپ کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی ۔ بیعت عقبہ اور بدر وغیرہ میں شرکت کی اور معاویہ کی خلافت کے آغاز میں انتقال کیا (استیعاب ۱ ص ۱۹۵، اصابہ ۱ ص ۵۴۰، جمہرہ بن حزم ص ۳۵۶ باسقاط نام بیاضہ)۔

[۴] محمد بن مسلمہ بن سلمہ بن خالد بن عدی بن مجدعہ بن حارثہ بن الحارث بن الخزرج بن عمرو بن مالک بن الاوس ۔ بدر اور اس کے بعد کے معرکوں میں حاضر رہا ۔ نہ حضرت علیؑ کی بیعت کی اور نہ ان کے ساتھ جنگوں میں شریک ہوا ۴۳ھ یا ۴۶ھ یا ۴۷ھ میں وفات پائی ۔)

[۵] انساب الاشراف ۱ ص ۵۸۵ میں مفصل تذکرہ موجود ہے ۔

[۶] ابو عوف سلمہ بن سلامہ وقش بن زغبہ بن زعوراء بن عبدالاشہل الانصاری ، اس کی ماں سلمیٰ بنت سلمہ بن خالد بن عدی الانصاریہ تھی ۔ یہ عقبہ اولیٰ وثانیہ میں شریک ہوا ۔ جنگ بدر وغیرہ میں حاضر رہا ، مدینہ میں ۴۵ھ میں وفات پائی ۔)

[۷] ابو سعید بن سلمہ بن اسلم بن حریش بن عدی بن مجدعہ بن حارثہ بن الحارث بن الخزرج بن عمرو بن مالک الاوس الانصاری بدر اور اس کے بعد کے معرکوں میں حاضر رہا اور جسر ابی عبید کے معرکہ میں مارا گیا ۱۴ھ (استیعاب ۲ ص ۸۳، اصابہ ۲ ص ۶۱)۔

[۸] طبری ۲ ص ۴۴۳، ابوبکر جوہری حسب روایت ابن ابی الحدید ۲ ص ۱۳۰ ۔ ۱۳۴ ۔ ۲ ص ۱۹

مورخین نے خانۂ زہراؑ میں داخل ہونے اور پناہ گزینوں اور حملہ آوروں کے درمیان پیش آنے والی روئداد کو اس طرح بیان کیا ہے ——— " بیعت ابوبکر پر بعض مہاجرین کو بے حد غصہ آیا جن میں سے علیؑ بن ابی طالب اور زبیر بھی تھے۔ یہ لوگ خانہ زہراؑ میں اسلحہ سمیت پناہ گزین ہو گئے۔ (الریاض النضرہ ۱؍۱۶۷، جوہری بروایت حدیدی ۱؍۱۳۲، تاریخ الخمیس ۱؍۱۸۸)۔

ابوبکر وعمر کو یہ اطلاع ملی کہ مہاجرین وانصار کی ایک جماعت فاطمہؑ بنت رسولؐ اللہ کے گھر میں جمع ہو گئی ہے (یعقوبی ۲؍۱۰۵) اور ان کا منشا یہ ہے کہ علیؑ کی بیعت کر لیں۔ (ابن شحنہ ص ۱۱۳، ابن ابی الحدید ۲؍۱۳۴)۔

ابوبکر نے فوراً عمر بن الخطاب کو بھیجا کہ انہیں خانۂ فاطمہؑ سے باہر نکالیں اور نہ نکلیں تو ان سے قتال کریں۔ عمر آگ لیکر آیا کہ گھر کو جلا دیا جائے۔ حضرت فاطمہؑ نے فرمایا یا بن الخطاب! تو ہمارے گھر کو آگ لگانے کے لئے آیا ہے؟ عمر نے کہا بے شک جب تک تم لوگ امت کے ساتھ بیعت میں شامل نہ ہو جاؤ۔ (عقد الفرید ۳؍۶۴، ابوالفداء ۱؍۱۵۶)۔

انساب الاشراف کی روایت ہے کہ جناب فاطمہؑ نے دروازے کے قریب آکر فرمایا ——— اے پسر خطاب! کیا تیرا خیال یہ ہے کہ میرے دروازے میں آگ لگا دے عمر نے جواب دیا بے شک۔ (انساب الاشراف ۱؍۵۸۶، کنز العمال ۳؍۱۴۰، الریاض النضرہ ۱؍۱۶۷، جوہری بروایت حدیدی ۲؍۱۳۲، الخمیس ۱؍۱۷۸، ابن ابی شحنہ حاشیہ کامل جلد ۱۱)۔

اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عروہ بن زبیر نے اپنے بھائی عبداللہ بن الزبیر کے اس ظلم کی توجیہ کی ہے کہ "عبداللہ نے بنی ہاشم کا شعب میں محاصرہ کر کے چاہا کہ آگ لگا دی جائے" یہ اسی طرح تھا جس طرح اس کے پہلے بنی ہاشم کے لئے لکڑیاں جمع کی گئی تھیں جب انہوں نے ماضی میں بیعت سے انکار کیا تھا۔ (مروج الذہب ۲؍۱۰۰، ابن ابی الحدید ۲۰؍۴۸۱، در شرح قول امیر المومنینؑ "مازال الزبیر منا حتی نشاء ابنہ")

شاعر نیل حافظ ابراہیم نے بھی اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

"اور عمر کا وہ کلمہ جو انہوں نے علیؑ سے کہا تھا ـــــ کیا کہنا اس کے کہنے والے کا اور کیا کہنا سننے والے کا"۔

"میں تمہارا گھر جلا دوں گا اور تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا اگرچہ گھر میں دختر پیغمبرؐ بھی ہے"۔

"ابو حفص کے علاوہ کوئی یہ جملہ نہیں کہہ سکتا۔ اتنے بڑے شجاع اور شہسوار کے سامنے"۔

یعقوبی کا بیان ہے کہ یہ لوگ خانہ فاطمہؑ تک آئے اور گھر پر حملہ کر دیا ـــــ حضرت علیؑ کی تلوار ٹوٹ گئی اور لوگ گھر میں داخل ہو گئے۔ (یعقوبی ۲ ص ۱۰۵)۔

طبری کہتا ہے کہ عمر بن الخطاب خانہ علیؑ تک آئے جس میں طلحہ، زبیر اور بہت سے مہاجرین جمع تھے۔ زبیر تلوار تول کر باہر آئے اور پھسل گئے تلوار ہاتھ سے گر گئی۔ لوگوں نے ان پر حملہ کر کے انہیں گرفتار کر لیا۔ (طبری ۲ ص ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۶، عبقریہ عمر عقاد ص ۱۷۳، الریاض النضرہ ص ۱۶۷، الخمیس ۱ ص ۱۸۸، ابن ابی الحدید ۲ ص ۱۲۲، ۱۳۲، ۶، ص ۴۷، کنز العمال ۳ ص ۱۲۸)۔

حضرت علیؑ یہ فریاد کر رہے تھے کہ میں رسولؐ کا بھائی اور خدا کا بندہ ہوں لیکن انہیں گرفتار کر کے ابو بکر کے پاس لے گئے اور بیعت کا مطالبہ کیا گیا ـــــ آپ نے فرمایا کہ میں تم سے زیادہ حقدارِ خلافت ہوں۔ میں بیعت نہیں کروں گا۔ تمہیں میری بیعت کرنا چاہیئے۔ تم نے یہ امر انصار سے لے لیا اور ان کے مقابلہ میں قرابت رسولؐ کا حوالہ دیا۔ انہوں نے تمہیں امارت و قیادت دے دی حالانکہ اب میں یہی استدلال تم سے کرتا ہوں۔ اگر خوف خدا رکھتے ہو تو میرے ساتھ انصاف کرو اور میرے حق کو پہچانو جس طرح سے انصار نے تمہارے حق کو پہچانا ہے ـــــ ورنہ ظلم کا ٹھکانا سمجھ لو۔

عمر نے کہا کہ جب تک بیعت نہ کرو گے تمہیں رہا نہ کیا جائے گا۔ آپ نے

فرمایا ـــــ آج دودھ دوہو کل تمہیں بھی اس کا حصہ ملے گا۔ آج ان کی حکومت مضبوط کرو تاکہ کل تمہارے حوالہ کر دیں۔ خدا کی قسم میں تیرے قول کو قبول نہ کروں گا اور نہ بیعت کروں گا ـــــ ابو بکر نے کہا کہ آپ بیعت نہ کریں گے تو میں مجبور بھی نہ کروں گا۔

ابو عبیدہ نے کہا کہ ابوالحسن آپ جوان ہیں اور یہ سب قریش کے بڈھے ہیں۔ آپ کے پاس ان کا جیسا تجربہ اور علم نہیں ہے۔ میرے خیال میں ابو بکر آپ سے زیادہ اس بار کو اٹھانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ آپ یہ امر ان کے حوالے کر دیں اور راضی ہو جائیں۔ اگر آپ کی زندگی طویل ہوئی اور رہ گئے تو بالآخر یہ حکومت آپ ہی کو ملے گی۔ آپ کے فضل و قرابت و کارہائے نمایاں اور جہاد سے سب واقف ہیں۔

آپ نے فرمایا ـــــ اے گروہ مہاجرین! اللہ کو نگاہ میں رکھو۔ خبردار! محمد کی حکومت ان کے گھر سے نکال کر اپنے گھروں میں نہ لے جاؤ۔ اور ان کے اہلبیت کو ان کے حق سے محروم اور ان کی منزلت سے دور نہ کرو۔ خدا کی قسم اے گروہ مہاجرین! ہم اہلبیت اس امر کے تم سے کہیں زیادہ حقدار ہیں جب تک ہم میں کتاب اللہ کے قاری، دین خدا کے عارف، سنت پیغمبرؐ کے عالم اور امور رعیت کے باخبر موجود ہیں۔ خدا کی قسم ہم میں یہ سب صلاحیتیں موجود ہیں۔ لہذا خواہشات کا اتباع نہ کرو کہ حق سے دور ہوتے چلے جاؤ گے۔

بشیر بن سعد نے جواب دیا کہ یا علیؑ یہ تقریر انصار نے بیعت ابو بکر سے پہلے سن لی ہوتی تو آپ کے علاوہ کسی کی بیعت نہ کرتے لیکن اب تو بیعت ہو چکی ہے۔

یہ سنکر حضرت علیؑ بیعت کئے بغیر گھر واپس چلے آئے۔ (ابو بکر جوہری بروایت شرح النہج ۶ ص ۲۸۵)۔

جوہری نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت فاطمہؑ نے حضرت علیؑ اور زبیر کے ساتھ ہونے والے برتاؤ کو دیکھ لیا تو حجرۂ رسولؐ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر آواز دی۔

_____ ابوبکر! کس قدر جلد تم لوگوں نے اہلبیت رسولؐ پر حملہ کر دیا۔ خدا کی قسم میں قیامت تک عمر سے بات بھی نہ کروں گی۔ (ابن ابی الحدید ۲ ص۱۳۴، ۶ ص۲۸۶)۔

دوسری روایت میں ہے کہ فاطمہؑ روتی ہوئی نکلیں اور فریاد کر کے لوگوں کو دور ہٹایا۔ (السقیفہ بروایت حدیدی ۲ ص۱۳۴)۔

یعقوبی کا بیان ہے کہ جناب فاطمہؑ نکلیں اور انہوں نے کہا کہ تم لوگ باہر نکلو ورنہ میں سر کے بال کھول کر خدا کی بارگاہ میں فریاد کروں گی تو یہ سنکر لوگ باہر نکل گئے اور جو لوگ گھر کے اندر پناہ گزین تھے وہ بھی باہر چلے گئے۔ (تاریخ یعقوبی ۲ ص۱۰۵)

مسعودی نے لکھا ہے کہ جب ابوبکر کی بیعت ہو گئی اور سہ شنبہ کے دن اسکی تجدید بھی ہو گئی تو حضرت علیؑ باہر نکلے اور انہوں نے کہا کہ تم لوگوں نے ہمارے تمام امور برباد کر دیئے اور ہم سے مشورہ بھی نہ لیا بلکہ ہمارے حق کا خیال بھی نہیں کیا تو ابوبکر نے جواب دیا کہ ہمیں فتنہ کا خوف تھا۔ (مروج الذہب ۱ ص۴۱۴، الامامۃ والسیاسۃ ۱ ص۱۲-۱۴)۔

یعقوبی پھر لکھتا ہے کہ ایک جماعت حضرت علیؑ کے پاس آئی اور انہیں بیعت کے لئے آمادہ کرنے لگی تو آپ نے فرمایا کہ کل صبح میرے پاس سر منڈا کر آؤ تو میں بیعت لوں گا۔ تو دوسرے دن صبح کو تین آدمیوں کے علاوہ کوئی نہ آیا۔ (۲ ص۱۰۵)۔

اس کے بعد حضرت علیؑ نے جناب فاطمہؑ کو سواری پر سوار کر کے راتوں رات تمام انصار کے گھروں کا دورہ کیا اور ان سے مدد کا مطالبہ کیا۔ ادھر جناب فاطمہؑ نے بھی امداد کا تقاضا کیا لیکن سب کا ایک ہی جواب تھا کہ دختر پیغمبرؐ! اب بیعت کا معاملہ تمام ہو چکا ہے۔ اگر تمہارے ابن عم نے سبقت کی ہوتی تو ہم انہیں کی بیعت کر لیتے۔ حضرت علیؑ کو غصہ آ گیا۔ فرمایا تو کیا ہم بھی جنازہ رسولؐ کو بے غسل و کفن چھوڑ دیتے اور حکومت کے جھگڑے میں شامل ہو جاتے؟ _____ اور جناب فاطمہؑ نے فرمایا ابوالحسنؑ نے وہی کیا ہے جو انہیں کرنا چاہیئے تھا اور قوم نے وہ کیا ہے جس کا اسے خدا کی بارگاہ میں

حساب دینا ہو گا۔ (السقیفہ جوہری بروایت حدیدی ۶ ۲۸، ابن قتیبہ ۱ ۱۲)۔

معاویہ نے اسی واقعہ کی طرف جسے ہم نے یعقوبی سے نقل کیا ہے، اشارہ کرتے ہوئے حضرت علیؑ کے خط میں لکھا تھا کہ ——— "مجھے کل کا حال بھی معلوم ہے کہ تم اپنی زوجہ کو لئے ہوئے اپنے فرزند حسن و حسین کی انگلی پکڑے ہوئے ابوبکر کی بیعت کے بعد تمام اہل بدر و سوابق کے دروازوں پر اپنی بیعت کی طرف دعوت دیتے پھر رہے تھے اور تمہاری زوجہ اور بچے تمہاری تائید کر رہے تھے۔ تم نے صحابی رسولؐ کے خلاف نصرت کا مطالبہ کیا لیکن چار پانچ آدمیوں کے علاوہ کسی نے جواب نہ دیا۔ حالانکہ اگر تم حق پر ہوتے (معاذ اللہ) تو لوگ ضرور جواب دیتے۔ لیکن تم نے باطل کا دعوی کیا اور غیر معروف امر کا دعویٰ کر کے ناممکن شئے کو حاصل کرنا چاہا۔ اور تم بھول بھی گئے ہو تو میں نہیں بھولا ہوں کہ ابوسفیان نے تمہاری مدد کی پیشکش کی تو تم نے جواب دیا کہ اگر مجھے چالیس افراد بھی مل جاتے تو میں ضرور قیام کرتا۔ (الحدید ۲ ۴۷، صفین نصر بن مزاحم صہ ۱۸۲)۔

زہری کے حوالے سے ابوبکر اور حضرت زہراؑ کے درمیان ہونے والے میراث کے جھگڑے کو حضرت عائشہ کی زبان سے اس طرح نقل کرتا ہے کہ ——— "جناب فاطمہؑ نے ابوبکر سے قطع تعلق کر لیا اور پھر تاحیات بات نہیں کی حالانکہ رسولؐ کے بعد چھ مہینے زندہ رہیں۔ اس کے بعد جب انتقال ہو گیا تو ان کے شوہر نے انہیں دفن کیا اور ابوبکر کو اطلاع بھی نہیں کی۔ فاطمہؑ کی زندگی تک لوگوں میں حضرت علیؑ کی نمایاں حیثیت تھی۔ اس کے بعد جب ان کا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے منھ پھیر لیا۔ جناب فاطمہؑ رسول اکرمؐ کے بعد چھ مہینے زندہ رہیں۔ اس کے بعد انتقال کر گئیں۔

معمر کہتا ہے کہ ایک شخص نے زہری سے پوچھا تو کیا حضرت علیؑ نے چھ مہینے تک بیعت نہیں کی تو اس نے جواب دیا کہ ہاں نہ انہوں نے بیعت کی اور نہ بنی ہاشم میں سے کسی نے۔ اس کے بعد جب حضرت علیؑ نے لوگوں کی بے رخی کا اندازہ کر لیا تو ابوبکر

سے صلح کرلی۔(طبری ۲ ۴۴۸، بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ خیبر ۳ ۳۸، صحیح مسلم ۱ ۷۲، ۵ ۱۵۳، ابن کثیر ۵ ۲۸۵، ۲۸۶۔ ابن عبدربہ ۳ ۶۴، ابن اثیر ۲ ۱۲۶، کفایۃ الطالب گنجی ۲۲۵ - ۲۲۶۔ ابن ابی الحدید ۲ ۱۲۲۔ مسعودی ۲ ۴۱۴۔ التنبیہ والاشراف صد ۲۵۰، صواعق ۱ ۱۲، الخمیس ۱ ۱۹۳، الامامۃ والسیاسہ ۱ ۱۴، استیعاب ۲ ۲۴۴، ابوالفداء ۱ ۱۵۲، البدء والتاریخ ۵ ۶۶، انساب الاشراف ۱ ۵۸۶، اسدالغابہ ۳ ۲۲۲، یعقوبی ۲ ۱۰۵، فصل ابن حزم صد ۹۶۔ ان سب نے تصریح کی ہے کہ حضرت علیؑ نے جناب فاطمہؑ کی زندگی تک بیعت نہیں کی۔)

بلاذری کا بیان ہے کہ جب عرب مرتد ہونے لگے تو عثمان نے حضرت علیؑ سے کہا برادر اس دشمن کے مقابلہ میں آپ کے علاوہ کون جائے گا اور آپ نے ابھی تک بیعت نہیں کی۔ اسی گفتگو کے ذریعہ عثمان آپ کو دربار حکومت تک لے آئے اور آپ نے بیعت کر لی (؟) جس کے بعد مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور جہاد میں ایک نئی اسپرٹ پیدا ہو گئی۔ (انساب الاشراف ۱ ۵۸۷)۔

حضرت علیؑ ابوبکر سے مصالحت پر جناب فاطمہؑ کے بعد مجبور رہوئے جب لوگوں نے آپ سے منہ موڑ لیا اور آپ برابر ان حالات کی شکایت کرتے رہے یہاں تک کہ اس کا تذکرہ اپنے خطبہ شقشقیہ میں بھی کیا ہے جس کا تذکرہ اس باب کے آخر میں کیا جائے گا۔ (حیرت کی بات ہے کہ ان حالات میں بھی امیرالمومنینؑ کی مصالحانہ روش کو بیعت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔)

ابوبکر کی بیعت سے کنارہ کشی کرنے والے افراد

(۱) ــــــ فروہ بن عمرو ــــــ زبیر بن بکار نے موفقیات میں درج کیا ہے کہ فروہ بن عمرو نے ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا۔ حالانکہ رسول اکرمؐ کے ساتھ جہاد کر چکے تھے اور دو گھوڑے راہ خدا میں دے دیئے تھے اور اپنے کھجوروں میں سے ہر سال ہزار وسق تصدق کرتے تھے، سردار قوم تھے اور اصحاب حضرت علیؑ

اور مجاہدین جمل میں تھے ———— آپ نے ان اصحاب پر عتاب بھی کیا ہے جن لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کر لی تھی۔ (موفقیات صفحہ ۵۹، اسد الغابہ ۴ ص ۱۷۸)۔

(۲) ——— خالد بن سعید الاموی ——— یہ صنعاء یمن میں رسول اکرم ص کے عامل تھے۔ رسول ص کے انتقال کے بعد یہ اور ان کے دونوں بھائی ابان اور عمر اپنے منصب سے واپس آ گئے تو ابوبکر نے سوال کیا کہ تم لوگ کیوں واپس آئے۔ میری نگاہ میں تو رسول اللہ ص کے عاملوں سے زیادہ کوئی اس کام کا حقدار نہیں ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مگر ہم رسول ص کے علاوہ کسی کی نمائندگی برداشت نہیں کر سکتے۔

واضح رہے کہ خالد بن سعید بن العاص بن اسید بن عبد شمس، تیسرے یا چوتھے نمبر پر اسلام لائے اور بقول معارف ابن قتیبہ ص ۱۲۸، ابوبکر سے پہلے اسلام لائے۔ اس کے بعد حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ رسول اکرم ص نے انہیں مذحج کے صدقات جمع کرنے پر معین کر دیا تھا اور صنعاء یمن میں آپ کے نمائندے تھے۔ آپ کے بعد یہ مع اپنے دونوں بھائیوں کے واپس آ گئے اور پھر شام چلے گئے اور وہیں قتل بھی ہو گئے۔ خالد کا قتل ۲۸ جمادی الاول ۱۳ھ کو ہوئی ہے۔ (استیعاب ۱ ص ۳۹۸ - ۴۰۰، اصابہ ۱ ص ۴۰۶، اسد الغابہ ۲ ص ۸۲، الحدید ۶ ص ۱۳، ۱۶)۔

خالد اور ان کے بھائی ابان نے بیعت ابوبکر سے انحراف کیا اور بنی ہاشم سے کہا کہ تمہارا شجرۂ فضیلت طویل اور تمہارے ثمرات پاکیزہ ہیں۔ ہم تو تمہارے تابع ہیں۔

(اسد الغابہ ۲ ص ۸۲، ابن ابی الحدید ۲ ص ۱۳۵)۔

دو مہینے تک یہ بیعت کی صورت حال کا جائزہ لیتے رہے اور ان کا بیان تھا کہ ہمیں سرکار ص نے معین کیا ہے اور معزول نہیں کیا ہے یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس کے بعد حضرت علیؑ اور عثمان سے ملاقات کی اور کہا کہ اے عبد مناف کی اولاد! ——— کیا تمہیں یہ اچھا لگتا ہے کہ اس امر پر تمہارے علاوہ کوئی قابض ہو جائے۔ (طبری ۲ ص ۵۸۶)۔

"خالد نے حضرت علیؑ کے پاس آکر یہ پیش کش کی کہ آیئے ہم آپ کی بیعت کرلیں اس لئے کہ لوگوں میں آپ سے زیادہ رسول اکرمؐ سے قریب تر کوئی نہیں ہے (یعقوبی ۲، ۱۰۵)"۔ ——— "پھر جب بنوہاشم نے ابوبکر کی بیعت کرلی تو خالد نے بھی کرلی" (اسد الغابہ ۲، ۸۲، ابن ابی الحدید ا، ۱۳۵ نقلاً عن سقیفہ الجوہری)۔

اس کے بعد ابوبکر نے شام کی طرف لشکر روانہ کیا اور ایک حصہ کا سردار خالد بن سعید کو بنایا جس پر عمر نے اعتراض کیا کہ آپ اسے امیر بنا رہے ہیں جس کا قول وعمل معلوم ہے اور اس قدر مخالفت کی کہ ابوبکر نے معزول کر دیا اور یزید بن ابی سفیان کو سردار لشکر بنا دیا۔ (طبری ۲، ۵۸۶، تہذیب تاریخ ابن عساکر ۵، ۴۸)۔

(۳) ——— سعد بن عبادہ ——— سعد بن عبادہ بن ولیم بن حارثہ بن ابی خزیمہ بن ثعلبہ بن طریف بن الخزرج بن ساعدہ بن کعب بن الخزرج الانصاری۔ بیعت عقبہ اور غزوات پیغمبرؐ میں برابر شریک رہے۔ صرف بدر میں ان کی شرکت اختلافی ہے انتہائی مرد کریم وسخی تھے۔ روز فتح مکہ انصار کا پرچم انہیں کے ہاتھ میں تھا اور جب انہوں نے نعرہ لگایا کہ آج بدلے کا دن ہے اور آج دشمنوں کی عورتوں کو قیدی بنایا جائے گا تو رسول اکرمؐ نے پرچم ان کے ہاتھ سے لے لیا اور ان کے فرزند قیس کو دے دیا۔ انہوں نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی۔ یہاں تک کہ شام میں ۱۵ھ میں دو تیروں کے حملے سے قتل ہو گئے قریہ حوارین میں قبر بنی۔ (جمہرہ ابن حزم ص ۳۶۵، استیعاب ۲، ۲۳-۲۷، اصابہ ۲، ۲۷-۲۸)۔

مورخین کا بیان ہے کہ ——— چند دن انتظار کے بعد سعد کے پاس آدمی بھیجے گئے کہ آکر خلیفہ کی بیعت کریں۔ تمام لوگ اور خود انصار بھی بیعت کرچکے ہیں۔ سعد نے جواب دیا کہ یہ ناممکن ہے۔ جب تک میرے ترکش میں آخری تیر باقی ہے اور میرا نیزہ کارآمد ہے اور میری تلوار چل رہی ہے۔ میں تم سے مقابلہ کروں گا۔

اور اپنے گھر والوں اور فرمانبرداروں کو ساتھ لے کر تم سے جنگ کروں گا اور بیعت نہ کروں گا۔ خدا کی قسم اگر جن و انس ملکر بھی کوشش کریں تو میں تمہاری بیعت نہیں کروں گا۔ یہاں تک کہ اپنے رب کی بارگاہ میں پہونچ جاؤں اور اپنا حساب دیکھ لوں"

ابو بکر کو یہ خبر پہونچائی گئی تو انہوں نے عمر کو بھیجا اور کہا کہ "خبردار بیعت لئے بغیر نہ چھوڑنا"

بشیر بن سعد نے کہا کہ وہ انکار کر چکے ہیں اور اب کسی قیمت پر بیعت نہ کریں گے یہاں تک کہ قتل ہو جائیں اور اس وقت تک قتل نہ ہوں گے جب تک ان کی اولاد۔ گھر والے اور قبیلہ والے زندہ موجود ہیں لہذا بہتر یہی ہے کہ انہیں چھوڑ دو۔ ان کے بیعت نہ کرنے کا کوئی رنگ بھی نہیں ہے وہ ایک ہی آدمی تو ہیں۔

لوگوں نے بشیر کا مشورہ قبول کر لیا اور سعد کو چھوڑ دیا ـــــــ اب سعد کا طریقہ یہ رہا کہ ان لوگوں کی نماز جماعت میں شرکت نہیں کرتے تھے ساتھ نہیں بیٹھتے تھے۔ حج وغیرہ میں ساتھ نہیں رہتے تھے اور وفات ابو بکر تک اسی سیرت پر قائم رہے۔

عمر کے خلیفہ بننے کے بعد مدینہ کے کسی راستہ پر دونوں کی ملاقات ہو گئی۔

عمر نے کہا ـــــــ ہاں یا سعد؟

سعد نے کہا ـــــــ ہاں یا عمر؟

عمر نے کہا ـــــــ تمہیں نے وہ بات کہی تھی؟

سعد نے جواب دیا ـــــــ ہاں میں ہی وہ ہوں۔ اب تم خلیفہ ہو گئے ہو۔ حالانکہ تمہارا ساتھی میری نظر میں زیادہ غنیمت تھا۔ تمہاری تو ہمسائگی بھی مجھے پسند نہیں ہے۔

عمر نے کہا ـــــ جسے ہمسایہ پسند نہیں ہوتا وہ کہیں اور چلا جاتا ہے۔

سعد نے کہا ـــــ بے شک ! میں عنقریب تجھ سے بہتر کے جوار میں چلا جاؤں گا اور چند دنوں کے بعد شام منتقل ہو گئے۔ یہ ابتدائے خلافتِ عمر کی بات ہے۔

(طبقات ۳ق ۲ ص۱۴۵، ابن عساکر ۶ ص۹۰ ترجمہ سعد، کنز العمال ۳ ص۱۳۴، ۲۲۹۶، سیرت حلبیہ ۳ ص۳۹۷)۔

بلاذری ناقل ہے کہ ـــــ "سعد بن عبادہ نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی اور شام چلے گئے تو عمر نے ایک شخص کو شام بھیجا کہ انہیں بیعت کی دعوت دے اور کسی طرح تیار کرے اور تیار نہ ہوں تو خدا سے مدد طلب کرے وہ شخص شام آیا اور سعد کو حوارین کے باغ میں دیکھ کر انہیں بیعت کی دعوت دی (حوارین حلب کا ایک گاؤں ہے)۔

انہوں نے جواب دیا کہ ـــــ میں کسی قرشی کی بیعت نہیں کروں گا۔

اس نے کہا کہ ـــــ میں تم سے جنگ کروں گا۔

فرمایا ـــــ چاہے جنگ کرنا پڑے۔

اس نے کہا کہ ـــــ کیا آپ امت کے فیصلے سے باہر رہیں گے۔

فرمایا ـــــ بیعت سے بہر حال باہر رہوں گا ـــــ اس نے ایک تیر سے حملہ کر دیا اور سعد کا خاتمہ ہو گیا۔ (انساب الاشراف ۱ ص۵۸۹، العقد الفرید ۳ ص۶۴-۶۵ قدرے اختلاف کیا تھا)۔

تبصرۃ العوام میں ہے کہ ـــــ ان لوگوں نے محمد بن مسلمہ انصاری کو بھیجا تھا اور اس نے سعد کو تیر کا نشانہ بنایا ہے۔ دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ خالد اس زمانے میں شام میں تھا اور اس نے یہ کام انجام دیا ہے۔ (تبصرۃ العوام طبع المجلس تہران ص۳۲)۔

مسعودی ناقل ہے کہ سعد بن عبادہ نے بیعت سے انکار کر کے شام کا رخ کر لیا اور وہیں سنہ ۱۵ھ میں قتل کر دیئے گئے۔ (مروج الذہب ۱ ص۴۱۴-۲ ص۱۹۴)۔

ابن عبد ربہ کی روایت ہے کہ سعد بن عبادہ کو ایک ایسے تیر سے مارا گیا جو ان کے جسم میں پیوست ہو گیا اور اس سے ان کا انتقال ہو گیا اور جنات نے ان پر گریہ

کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے سعد کو دو تیروں سے زخمی کیا جو ان کے دل میں پیوست ہو گئے۔

(عقد الفرید ۳ ۶۴ - ۶۵)۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ ایک سوراخ میں پیشاب کرنے کے لئے بیٹھے تھے اور وہیں ختم ہو گئے بعد میں ان کا جسم بالکل سبز پایا گیا۔ (طبقات ۳ ق ۲ ۱۴۵، معارف ابن قتیبہ صہ ۱۱۳)۔

اسد الغابہ میں ہے کہ سعد نے ابوبکر اور عمر کی بیعت نہیں کی اور شام چلے گئے وہاں حوارین میں قیام کیا اور ۱۵ھ میں انتقال کیا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وقت غسل ان کا جسم سبز تھا اور موت کا علم اس وقت ہوا جب ایک کنوئیں سے آوازیں سنی گئیں اور کہنے والے کو نہ دیکھا گیا۔ (اسد الغابہ ترجمہ سعد، استیعاب ۲ ۳۷)۔

اس طرح سعد بن عبادہ کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا اور چونکہ ان کے قتل کا واقعہ مورخین کو پسند نہ تھا اس لئے بہت سے افراد نے یکسر نظر انداز کر دیا جیسے ابن جریر، ابن کثیر، ابن اثیر وغیرہ ——— اور بعض نے کیفیت قتل کو نظر انداز کر کے اسے جنات کی طرف منسوب کر دیا اور یہ بھی نہ بتایا کہ سعد اور جنات کے درمیان کیا اختلاف تھا۔ اور جنات کا تیر سارے صحابہ کو چھوڑ کر صرف سعد ہی کے دل پر کیوں لگا ———؟

کاش ان لوگوں نے کہانی کو اس طرح مکمل کیا ہوتا کہ نیک کردار جنات کو سعد کا بیعت خلیفہ سے انکار کرنا گوارا نہ ہوا تو انہوں نے دو تیروں سے ان کا خاتمہ کر دیا ——— تو کم از کم داستان تو پوری ہو جاتی؟

سعد کے انکارِ بیعت کے راوی

(۱) ابن سعد فی الطبقات

(۲) تاریخ ابن جریر (۳) بلاذری انساب الاشراف جلد اوّل (۴) استیعاب ابن عبد البر (۵) العقد الفرید ابن عبد ربہ (۶) الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ ا صہ ۹ (۷) مروج الذہب مسعودی

(۸) اصابہ ابن حجر عسقلانی ۲ص ۲۸ (۹) الریاض النضرہ محب الدین طبری ۱ص ۱۶۸،
(۱۰) اسد الغابہ ۳ص ۲۲۲ (۱۱) تاریخ الخمیس (۱۲) سیرت حلبیہ علی بن برہان الدین ۳ص ۳۹۶
۳۹۷۔ (۱۳) ابوبکر جوہری بروایت ابن ابی الحدید۔

یہ تھی بیعت ابوبکر کی مختصر داستان جسے ہم نے اپنی کتاب عبداللہ بن سبا جلد اول سے بطور خلاصہ نقل کیا ہے۔

استخلاف وبیعت عمر

ابوبکر نے عثمان کو خلوت میں بلا کر کہا کہ لکھو ـــــ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ عہد ہے جسے ابوبکر بن ابی قحافہ نے مسلمانوں کے نام لکھا ہے۔ اما بعد ـــــ یہ کہکر بے ہوش ہو گئے تو عثمان نے خود لکھنا شروع کیا ـــــ اما بعد ـــــ میں تمہارے اوپر عمر بن الخطاب کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں اور میں نے تمہاری بھلائی میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے ـــــ اس کے بعد ابوبکر کو ہوش آیا تو کہا کہ پڑھو کیا لکھا ہے۔ عثمان نے پڑھ کر سنایا۔ ابوبکر نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور کہا کہ میرا خیال ہے کہ تم نے لوگوں کو اختلاف سے بچا لیا کہ اگر میرا انتقال ہو گیا ہوتا تو کوئی اختلاف نہ ہو سکتا۔ عثمان نے عرض کی بے شک! ـــــ فرمایا ـــــ خدا تمہیں اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر دے ـــــ (۹)

اس کے پہلے روایت کا نقرہ تھا کہ عمر وہاں ایک جماعت سمیت موجود تھے اور ان کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی ان کے ساتھ ابوبکر کا غلام بھی تھا اور اس کے ہاتھ میں خلیفہ سازی کا پروانہ تھا اور عمر اعلان کر رہے تھے کہ " ایہا الناس ـــــ خلیفہ رسولؐ کے حکم کی اطاعت کرو۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نصیحت میں کوئی بھی کوتاہی نہیں کی ہے " (طبری طبع یورپ ۱ص ۲۱۳۸)۔

اللہ ـــــ ! کس قدر فرق ہے عمر کے آج کے طرزِ عمل میں اور کل کے طرزِ عمل میں جب رسول اکرمؐ وصیت نامہ لکھوانا چاہتے تھے اور انہوں نے ہی روک دیا تھا ـــــ ؟

شوریٰ اور بیعتِ عثمان

ابن عبد ربہ العقد الفرید میں رقمطراز ہیں کہ :

"جب خلیفہ عمر زخمی ہوئے تو ان سے گذارش کی گئی کہ کاش آپ کسی کو خلیفہ بنا دیتے ـــــ ؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اگر ابو عبیدہ الجراح زندہ ہوتے تو انہیں بنا دیتا اور اگر پروردگار پوچھتا تو کہہ دیتا کہ تیرے رسولؐ نے فرمایا ہے کہ ابو عبیدہ امینِ امت ہے اور اگر سالم زندہ ہوتا تو اسے بنا دیتا اور پروردگار سے عرض کرتا کہ تیرے نبی نے فرمایا ہے کہ سالم پروردگار سے بے حد محبت کرتا ہے" (العقد الفرید ۳ ص۷۳)۔

لوگوں نے پھر گذارش کی ـــــ تو فرمایا کہ پہلے بیان کے بعد میں نے یہ طے کر لیا تھا کہ ایک ایسے شخص کو حاکم بنا دوں جو تم کو راہِ حق پر چلائے (یعنی علیؑ) لیکن میں نے غور کیا کہ مجھے حیات و موت دونوں میں اس ذمہ داری کو نہیں سنبھالنا چاہیئے۔

بلاذری نے انساب الاشراف ۵ ص۱۶ میں نقل کیا ہے کہ عمر نے کہا ـــــ

"ذرا علیؑ، عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص کو بلاؤ ـــــ سب حاضر ہوئے تو انہوں نے حضرت علیؑ اور عثمان کے علاوہ کسی سے کلام نہیں کیا۔ حضرت علیؑ سے کہا کہ یا علیؑ! شاید یہ لوگ پیغمبرؐ سے تمہاری قرابت، دامادی اور اللہ کے دیئے ہوئے علم و فضل سے باخبر ہوں گے، لہٰذا اگر تمہیں حکومت مل جائے تو اللہ سے ڈرتے رہنا ـــــ اور اس کے بعد عثمان

سے مخاطب ہوئے کہ شاید لوگ تمہاری دامادی اور بزرگی کے پیش نظر تمہیں خلیفہ بنا دیں تو دیکھو خدا سے ڈرتے رہنا اور خبردار آل ابی معیط کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط نہ کرنا۔ اس کے بعد صہیب کو طلب کیا اور فرمایا کہ تم تین دن تک جماعت کی امامت کرنا اور یہ سب ایک گھر میں بیٹھ کر خلافت کا فیصلہ کریں گے۔ اگر یہ کسی ایک پر اتفاق کرلیں تو مخالف کی گردن اڑا دینا۔ اس کے بعد سب باہر نکل گئے تو عمر نے کہا کہ اگر یہ لوگ اس کم بال والے (علیؑ) کو حاکم بنالیں تو وہ یقیناً راہ راست پر چلائیں گے۔

یہی کچھ طبقات ابن سعد ۳۔ ق ۱ ۲۴۷، استیعاب حالات عمر، منتخب کنز العمال ۴/۴۲۹ میں پایا جاتا ہے۔

الریاض النضرہ میں نسائی کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا ـــــ "خدا ان سب کا بھلا کرے اگر کم بال والے کو حاکم بنالیں کہ وہ بہر حال راہِ حق پر چلائے گا چاہے اس کی گردن پر تلوار رکھ دی جائے ـــــ تو محمد بن کعب نے کہا کہ جب آپ اس خوبی سے باخبر ہیں تو خود کیوں نہیں بنا دیتے ہیں؟ تو فرمایا کہ اگر میں یہ کام نہیں کر رہا ہوں تو مجھ سے پہلے سرکار دو عالمؐ نے بھی کسی کو نہیں بنایا تھا۔ (الریاض النضرہ ۲/۷۲)۔

بلاذری نے انساب الاشراف ۵/۱۷ میں واقدی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ عمر کے سامنے ہونے والے خلیفہ کا ذکر آیا تو کسی نے پوچھا کہ عثمان کے بارے میں کیا خیال ہے ـــــ؟ فرمایا کہ اسے بنا دوں گا تو سارے آل ابی معیط کو لوگوں کی گردن پر مسلط کر دے گا ـــــ پوچھا گیا پھر زبیر ـــــ؟ جواب دیا وہ خوشی میں مومن رہتا ہے اور غضب میں کافر ہو جاتا ہے۔ پھر طلحہ ـــــ؟ اس کا (دماغ خراب ہے) سر آسمان پر رہتا ہے اور شرمگاہ پانی میں ـــــ تو پھر سعد ـــــ؟ جواب دیا وہ ایک لڑاکا سپاہی ہے ـــــ عبدالرحمٰن کے بارے

میں کیا خیال ہے ــــــــ؟ اس کے حسب کا تقاضا ہے کہ اپنے ہی گھر والوں پر ؟

بلاذری ہی نے ۵، ۱۸ پر یہ تفصیل نقل کی ہے کہ عمر بن الخطاب نے صہیب غلام عبداللہ بن جُدعان کو حکم دیا کہ انصار و مہاجرین کے نمایاں افراد کو جمع کرے۔ جب وہ سب حاضر ہو گئے تو فرمایا کہ میں نے تمہارے مسئلہ کو ۶ آدمیوں کے مشورہ پر چھوڑ دیا ہے کہ رسول اکرمؐ ان سب سے راضی تھے۔ اب یہ تمہارے واسطے امام منتخب کر دیں گے۔

یہ کہکر ابو طلحہ زید بن سہل الخزرجی کو حکم دیا کہ اپنے ساتھ انصار میں سے پچاس افراد کو لیلے اور جب میرا انتقال ہو جائے تو ان ۶ افراد کو مجبور کر کہ تین دن کے اندر کسی حاکم کا انتخاب کر لیں ــــــــ پھر صہیب کو حکم دیا کہ جب تک امام کا فیصلہ نہ ہو جائے جماعت کی امامت کرتا رہے۔ طلحہ بن عبداللہ اس وقت باہر گئے ہوئے تھے۔ عمر نے کہا کہ اگر تین دن کے اندر آجائیں تو ٹھیک ہے ورنہ ان کا انتظار نہ کرنا۔ ایک مسئلہ پر سب اتفاق کر لینا اور جس کا انتخاب ہو جائے اس کی بیعت کر لینا اور کوئی اختلاف کرے تو اس کی گردن اڑا دینا ــــــــ لوگوں نے فی الفور طلحہ کو بلانے کے لئے آدمی بھیج دیا لیکن عمر کے مرنے کے بعد وارد مدینہ ہوئے جب عثمان کی بیعت بھی ہو چکی تھی۔ وہ یہ کہکر خانہ نشین ہو گئے کہ مجھ پر بھی لوگ مقدم ہو گئے۔ عثمان نے فوراً ان سے ملاقات کی۔ طلحہ نے کہا کہ اگر میں اس فیصلہ کو رد کر دوں تو کیا آپ بھی رد کر دیں گے ــــــــ عثمان نے کہا بے شک ــــــــ! کہا اچھا جائیے میں نے منظور کر لیا اور یہ کہکر ان کی بیعت بھی کر لی ــــــــ"

یہی تذکرہ العقد الفرید ۳، ۳۷ میں بھی پایا جاتا ہے۔

انساب کے ۵ صدا۲ پر یہ روایت درج ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے کہا کہ مجھے سخت خطرہ تھا کہ کہیں خلافت ختم نہ ہو جائے لیکن جب طلحہ نے قبول

کرلیا تو مجھے اطمینان ہو گیا۔ عثمان ہمیشہ ان کا اکرام و احترام کرتے رہے یہاں تک کہ عثمان محاصرہ میں آ گئے تو طلحہ ہی شدید ترین دشمن ہو گئے۔

صفحہ ۱۹ پر ابو مخنف کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ عمر نے اصحاب شوریٰ کو حکم دیا کہ تین دن تک آپس میں مشورہ کریں۔ اگر دو آدمی ایک شخص پر اتفاق کرلیں اور دو دوسرے پر تو پھر مشورہ کیا جائے۔ اگر چار کا اتفاق ہو جائے اور ایک انکار کرے تو چار والا کامیاب ہو گا اور اگر تین تین کی پارٹیاں بن جائیں تو اس کا فیصلہ مقدم ہو گا جس میں ابن عوف ہو گا اس لئے کہ وہ دین اور رائے کے معاملہ میں معتبر ہے۔ (عقد الفرید ۳ ص۷۴)

ہشام بن سعد ——— زید بن اسلم ——— ان کے باپ سے روایت کی گئی ہے کہ عمر نے کہا ——— اگر یہ تین تین پر تقسیم ہو جائیں تو عبد الرحمٰن بن عوف کا گروپ قابل اتباع ہو گا اور اسی کی اطاعت کرنا ہو گی۔ (طبقات ج ۳ ق ۱ ص۴۳)۔

تاریخ یعقوبی ۲، ۱۶۰ میں انساب الاشراف بلاذری ۵، ۱۵ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ عمر نے کہا ——— " لوگ کہتے ہیں کہ ابو بکر کی بیعت ایک ناگہانی امر تھی جس کے شر سے خدا نے بچا لیا اور عمر کی بیعت بلا مشورہ کے تھی تو اب میرے بعد یہ مسئلہ مشورہ سے طے ہو گا اور اگر چار آدمی متفق ہو گئے تو باقی دو کو چار کے فیصلے کا اتباع کرنا ہو گا اور اگر تین ایک طرف چلے گئے اور تین دوسری طرف تو عبد الرحمٰن بن عوف کی رائے کا اتباع ہو گا اور اگر عبد الرحمٰن خود اپنے ہی ہاتھ پر بیعت کرلیں تو تم سب انہیں کا اتباع کرنا۔

ملا متقی نے کنز العمال جلد ۳ ص۱۶۰ پر محمد بن جُبیر اور ان کے والد کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ عمر نے کہا کہ اگر عبد الرحمٰن اپنا ہی ایک ہاتھ دوسرے پر مار لے تو اس کی بیعت کرلینا۔

اسلم کی روایت ہے کہ عمر بن الخطاب نے فرمایا کہ جن کی بیعت عبد الرحمٰن

کریں سب اس کی بیعت کرنا اور جو مخالفت کرے اس کی گردن اڑا دینا۔

(ان تمام روایات سے صاف واضح ہوتا ہے کہ خلیفہ نے انتخاب کا سارا اختیار عبدالرحمٰن بن عوف کے حوالے کر دیا تھا اور باقی سب فرضی ممبر تھے۔)

بلاذری انساب الاشراف ۵، ۱۹ میں روایت کرتا ہے کہ علیؑ نے عمر کی اس بات کی شکایت اپنے چچا عباس سے کی کہ اس نے عبدالرحمٰن بن عوف کو اصل قرار دیدیا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اب خلافت میرے پاس نہیں آسکتی۔

عباس نے کہا کہ یہ تم نے کیسے کہہ دیا۔

انہوں نے کہا کہ سعد اپنے ابن عم عبدالرحمٰن کی مخالفت نہیں کرے گا اور عبدالرحمٰن عثمان کا نظیر اور داماد ہے۔ لہذا ایک دوسرے کی مخالفت نہیں کرسکتے طلحہ وزبیر میرا ساتھ دیں بھی تو بے کار ہے کہ ابن عوف بہرحال دوسرے گروپ میں رہے گا۔

ابن کلبی کا بیان ہے کہ عبدالرحمن بن عوف ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط کا شوہر تھا اور ام کلثوم کی ماں اَروٰی بنت کُریز تھی اور اَروٰی عثمان کی ماں تھی اس بنا پر ابن عوف کو اس کا داماد کہا گیا ہے۔ (عقد الفرید ۳، ۷۲)۔

اسی انساب کی ۵، ۲۱ پر ابو مخنف سے نقل کیا گیا ہے کہ جب عمر کو دفن کر دیا گیا تو اصحاب شوریٰ ٹھہر گئے (ابوطلحہ ان کی قیادت کر رہا تھا) اور کسی نے کوئی بات نہیں کی۔ صبح کو ابوطلحہ نے سب کو دارالمال میں جمع کیا۔ جبکہ عمر اپنے زخمی ہونے کے چوتھے دن اتوار کو دفن ہوئے۔ صہیب بن سنان نے جنازہ کی امامت کی۔ دارالمال میں عبدالرحمٰن نے دیکھا کہ بحث کو طول ہو رہا ہے اور ہر شخص دوسرے کی مخالفت کر رہا ہے تو اس نے کہا کہ میں اور سعد اس کمیٹی سے باہر نکلے جاتے ہیں اب آپ چار افراد کسی کا انتخاب کرلیں۔ اس کے بعد بھی گفتگو میں طول ہوا اور ادھر قوم خلیفۃ المسلمین

کو جاننے کے لئے بے چین تھی۔ جو اس کام کے لئے رکے ہوئے تھے وہ اپنے شہر اور وطن واپس جانا چاہتے تھے۔ سب نے تجاویز کا جواب بھی دیا لیکن علیؑ نے کہا کہ میں مسئلہ پر غور کروں گا۔ جس کے بعد ابوطلحہ نے علیؑ سے کہا یا اباالحسن ابومحمد آپؑ اور قوم کے لئے ثقہ ہے، اور اس نے اپنا نام بھی نکال لیا ہے تو آپ اس کی مخالفت کیوں کر رہے ہیں۔ وہ دوسرے کی خاطر گناہگار تو نہیں ہو سکتا۔ آپ نے عبدالرحمٰن بن عوف کو قسم دلائی کہ وہ خواہشات کے مطابق فیصلہ نہیں کرے گا اور حق کو مقدم رکھے گا۔ امت کے لئے پوری کوشش کرے گا اور قرابت کے ساتھ نہیں جائے گا۔ اس نے قسم کھائی تو آپ نے اجازت دیدی۔ (یہ واقعہ دارالمال میں پیش آیا جسے مسور بن مخرمہ کا مکان کہا جاتا ہے۔)

عبدالرحمٰن بن عوف نے ایک ایک کو سخت سے سخت قسم دلائی۔ اس سے عہد و پیمان باندھے کہ اگر وہ کسی کی بیعت کرے گا تو اس کی مخالفت نہیں کریں گے اور مخالف کے مقابلہ میں اس کا ساتھ دیں گے اور جب سب نے عہد کر لیا تو حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: تمہیں خدا کی قسم کہ اگر میں تمہاری بیعت کر لوں تو اولاد عبدالمطلب کو لوگوں پر مسلط نہیں کرو گے اور سیرت پیغمبرؐ پر عمل کرو گے۔ اس سے ذرہ برابر تجاوز نہیں کرو گے ــــــــ؟ آپ نے فرمایا کہ میں ایسا عہد نہیں کر سکتا۔ کس کے بس میں ہے کہ سرکار دو عالمؐ جیسی سیرت اختیار کر سکے۔ البتہ اس کا عہد کرتا ہوں کہ میرے علم و امکان میں جہاں تک عمل کرنا ہوگا اس میں کوتاہی نہیں کروں گا ــــــــ" عبدالرحمٰن نے ان کا ہاتھ چھوڑ دیا اور عثمان کی طرف متوجہ ہوا۔ اور ان سے یہ عہد لیا کہ بنی امیہ کو لوگوں کی گردنوں پر سوار نہیں کریں گے اور سیرت رسولؐ و ابوبکر و عمر کے مطابق عمل کریں گے۔ عثمان نے قسم کھالی تو حضرت علیؑ نے کہا کہ ابوعبداللہ

نے رضامندی ظاہر کر دی ہے لہذا آپ اس کی بیعت کر سکتے ہیں۔ اس نے دوبارہ پلٹ کر آپ کا ہاتھ پکڑا اور اس عہد کا تقاضا کیا کہ سیرت رسول ؐ و ابو بکر و عمر پر عمل کریں گے۔ آپ نے فرمایا یہ میرے اجتہاد پر مبنی ہے اور عثمان نے آواز دی کہ میں خدا سے عہد کرتا ہوں اور انبیاء کرام سے لئے گئے عہد سے زیادہ سخت عہد کرتا ہوں کہ سنت رسول ؐ اور سیرت ابو بکر و عمر پر عمل کروں گا اور اس میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کروں گا ـــــــــ یہ سننا تھا کہ عبدالرحمٰن نے ان کی بیعت کر لی اور باقی اصحاب شوریٰ نے بھی بیعت کر لی۔ حضرت علیؑ کھڑے تھے بیٹھ گئے عبدالرحمٰن نے کہا کہ اب بیعت کیجئے ورنہ گردن اڑا دی جائے گی جب کہ اس وقت کسی کے پاس تلوار نہیں تھی آپ باہر نکل گئے۔ اصحاب شوریٰ نے پیچھا کیا اور زور دیا کہ بیعت کیجئے ورنہ سختی سے نپٹا جائے گا۔ تو آپ مجبوراً واپس آئے اور عثمان کی بیعت کر لی۔ (انا اللہ روایت سازی کی یہ آخری حد ہے۔ جوادی)۔

تاریخ یعقوبی ۲؍۱۶۲ میں مذکور ہے کہ عبدالرحمٰن نے تنہائی میں حضرت علیؑ سے ملاقات کی اور کہا کہ آپ کو خدا کی قسم کہ اگر آپ کو حکومت مل جائے تو سنت رسول ؐ، کتاب خدا، اور سیرت شیخین پر عمل کریں۔ آپ نے فرمایا کہ کتاب خدا اور سیرت رسول ؐ پر تو حتی الامکان عمل کروں گا لیکن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پھر عثمان سے بات کی اور یہی شرط پیش کی تو انہوں نے مکمل پابندی کا وعدہ کر لیا ـــــ تو دوبارہ علیؑ کے سامنے یہی تجویز رکھی۔ انہوں نے پھر وہی جواب دیا ـــــ پھر عثمان سے دوبارہ بات کی اور انہوں نے بھی مثل اول جواب دیا ـــــ پھر تیسری مرتبہ علیؑ سے گفتگو کی اور انہوں نے وہی پہلا والا جواب دیا کہ کتاب خدا اور سنت رسول ؐ کسی اور کی سیرت و عادت کی محتاج نہیں ہے۔ اور تو تو ساری کوشش یہ کر رہا ہے کہ مجھے خلافت سے الگ کر دے۔ اس نے عثمان

سے تیسری مرتبہ گفتگو کی اور انہوں نے پہلا جیسا جواب دیا تو عبد الرحمٰن نے بیعت کر لی۔

تاریخ طبری ۳ ص ۲۹۷ میں ۲۳ھ کے حوادث میں لکھا گیا ہے کہ حضرت علیؑ نے تیسرے دن عثمان کی بیعت کرنے پر عبد الرحمٰن سے کہا کہ تو نے یہ تحفہ ہمیشہ کے لئے دے دیا ہے اور میرے خلاف سازش کا یہ پہلا دن نہیں ہے۔ میں بہر حال صبر کروں گا اور خدا ان حالات پر میری مدد کرے گا۔ خدا کی قسم تو نے عثمان کو صرف اس لئے خلیفہ بنایا ہے کہ پلٹ کر تیری طرف آجائے حالانکہ خدا ہر روز ایک نئی شان کا مظاہرہ کرتا ہے۔ (ابن اثیر ۳ ص ۳۷، العقد الفرید ۳ ص ۷۶)۔

بیعت امام علیؑ

عثمان کے قتل کے بعد جب پھر اختیار مسلمانوں کے ہاتھ میں آیا اور ہر طرح کی بندش ختم ہو گئی تو لوگ حضرت علیؑ کی طرف ٹوٹ پڑے اور آپ سے بیعت لینے کا مطالبہ کرنے لگے۔

طبری کا بیان ہے کہ اصحاب رسول صؐ نے آکر کہا کہ یہ شخص تو قتل ہو چکا ہے اور لوگوں کو بہر حال ایک امام کی ضرورت ہے۔ آج آپ سے زیادہ حقدار کوئی بھی نہیں ہے۔ آپ کے کارنامے بہت ہیں۔ آپ رسول اکرم صؐ کے قریب ترین ہیں ـــــ آپ نے فرمایا کہ میں وزیر ہی رہوں تو بہتر ہے۔ مجھے امارت نہیں چاہیئے۔ لوگوں نے عرض کی کہ واللہ ہم سوائے بیعت کے کسی بات پر راضی نہیں ہیں ـــــ آپ نے فرمایا پھر بیعت تو مسجد میں ہوگی۔ میری بیعت خفیہ نہیں ہو سکتی اور نہ جبری ہوگی بلکہ تمام مسلمانوں کی رضا مندی کا اظہار ہوگا۔ (طبری ۵ ص ۱۵۲-۱۵۳، کنز العمال ۳ ص ۱۶۱۔ حدیث ۲۴۷۱۔ تاریخ ابن اعثم ص ۱۶۰)۔

دوسری سند سے روایت یوں وارد ہوئی ہے کہ مہاجرین اور انصار کی

جماعت طلحہ وزبیر سمیت آپ کے پاس یہ تقاضا لے کر آئی اور کہا کہ آیئے ہم آپ کی بیعت کرلیں۔ آپ نے فرمایا مجھے تمہاری حکومت کی ضرورت نہیں ہے۔ تم کسی اور کو تلاش کرلو۔ میں تمہارے ساتھ رہوں گا جیسے آج تک خاموش رہا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ آپ کے علاوہ کسی کو اختیار نہ کریں گے اور اس طرح بار بار یہ آمد و رفت جاری رہی۔ یہاں تک کہ آخری مرتبہ یہ گذارش کی گئی کہ وقت بہت گذر چکا ہے اور لوگوں کو بہر حال ایک امیر کی ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم بار بار میرے پاس آئے۔ اب میں ایک بات کہتا ہوں تم نے قبول کیا تو خیر ورنہ مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔

لوگوں نے عرض کی وہ کیا بات ہے؟ آپ فرمائیں ہم قبول کریں گے۔

آپ منبر پر تشریف لے گئے۔ مجمع اکٹھا ہوگیا۔ فرمایا میں تو تمہاری حکومت کو ناپسند کرتا ہوں لیکن تمہارا اصرار ہے کہ میں حکومت قبول کروں تو سنو مجھے تم سے کوئی کام نہیں ہے لیکن تمہارے اموال کی کنجی میرے ہاتھ میں رہے گی اگرچہ میں ایک درہم بھی اپنے لئے نہ لوں گا ــــــ کیا یہ قبضہ منظور ہے ــــــ؟

لوگوں نے عرض کی ــــــ بے شک۔

فرمایا ــــــ خدایا گواہ رہنا ــــــ

یہ کہکر بیعت قبول کرلی۔

بلاذری نقل کرتا ہے کہ حضرت علیؑ اپنے گھر آئے اور سارا مجمع ساتھ آیا ــــ اصحاب وغیر اصحاب سب۔ اور سب کی زبان پر تھا کہ "امیر المومنین علیؑ ہیں" ــــ یہاں تک کہ لوگ گھر میں داخل ہو گئے اور کہا ہم بیعت کریں گے۔ ہمیں امیر کی ضرورت ہے!

فرمایا ــــــ یہ تمہارا حق نہیں ہے یہ اہل بدر کا حق ہے۔ وہ جسے پسند

کریں گے وہ خلیفہ ہوگا۔ پھر سارے اہل بدر آئے اور انہوں نے کہا کہ آپ سے زیادہ حقدار کوئی نہیں ہے۔

آپ نے یہ منظر دیکھا تو منبر پر تشریف لے گئے اور سب سے پہلے طلحہ نے بڑھ کر بیعت کی۔ اس کی ایک انگلی شل تھی۔ آپ نے اس مشلول اقدام کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ بیعت باقی نہ رہے گی۔ (انساب الاشراف ۵ ؁، مستدرک حاکم ۳ ۱۱۴)۔

طبری کا بیان ہے کہ حبیب بن ذویب نے طلحہ کی بیعت کو دیکھ کر کہا کہ سب سے پہلے مشلول ہاتھ نے بیعت کی ہے یہ حکومت چل نہیں سکتی ہے (طبری ۵ ۱۵۳)۔

نوٹ

اس بیعت کی مکمل صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد اب ہم دونوں مکاتب فکر کی رائے کا تجزیہ کرتے ہیں اور مدرسہ خلافت سے گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔

بحث دوم

فصل دوم

امامت کے بارے میں

مدرسہ خلافت کی بحثیں

مدرسہ خلافت اور اس کے دلائل

(۱) خلیفہ ابوبکر کا فرمان

"امر خلافت قریش کے اس قبیلہ کے علاوہ کسی کے لئے سزاوار نہیں ہیں کہ قریش ہی عرب میں النسب کے اعتبار سے سب سے بہتر ہیں اور میں تمہارے لئے عمر اور ابو عبیدہ کو پسند کرتا ہوں۔ تم جس کی بیعت کرنا چاہو کر سکتے ہو۔"

(۲) خلیفہ عمر بن الخطاب کا قول

"کوئی آدمی اس دھوکہ میں نہ رہے کہ یہ کہدے گا کہ بیعت ابوبکر ایک ناگہانی چیز تھی جو ہو گئی بے شک وہ ایسی ہی تھی لیکن خدا نے اس کے شر سے بچا لیا اور اب تم میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کی طرف ابوبکر کی طرح گردنیں اٹھتی ہوں لہذا جو شخص بھی بغیر مسلمانوں کے مشورہ کے بیعت کرے گا وہ خود بھی اور اس کا بیعت لینے والا بھی دونوں قتل کر دیئے جائیں گے۔ (بخاری کتاب الحدود باب رجم الحبلی)

(۳) مدرسہ خلافت کے پیروکاروں کی رائے

قاضی القضاۃ الماوردی[1] المتوفی سنہ ۴۵۰ھ نے احکام السلطانیہ میں اور امام علامۃ الزمان قاضی ابو یعلی[2] المتوفی سنہ ۴۵۸ھ نے اپنی الاحکام السلطانیہ میں نقل کیا ہے کہ "امامت دو جہتوں سے قائم ہو سکتی ہے (۱) اہل حل و عقد انتخاب کریں، (۲) سابق امام کی طرف سے تقرر ہو۔

---

[1] ابو الحسن علی بن محمد البصری البغدادی الماوردی ـــــ انہیں عرق گلاب بیچنے کی وجہ سے ماوردی کہا جاتا ہے۔ شافعیوں کے عظیم فقیہ تھے ـــــ [2] الشیخ ابو یعلی محمد بن الحسن الفراء الحنبلی ص ۷-۱۱۔

ہم نے مدرسہ خلافت کی رائے بیان کرنے میں زیادہ حصہ انہیں دونوں پر اعتماد کیا ہے جس طرح کہ ابو یوسف کی کتاب الخراج ہے کہ یہ کتابیں حکومت سے متعلق احکام بیان کرنے کے لئے لکھی گئی ہیں اور ان کا کوئی تعلق مناظرانہ بحثوں سے نہیں ہے اگر ان دونوں میں آپس میں کوئی اختلاف ہو گا تو اس کی وضاحت کر دی جائیگی۔

اہل حل وعقد کے انتخاب کے بارے میں یہ اختلاف ہے کہ کتنے افراد کی طرف سے انتخاب ہونا چاہیئے۔

ایک جماعت کا کہنا ہے کہ ہر شہر سے جمہور کی رائے لی جائے تاکہ رضائے عام اور اجماع امت ثابت ہوجائے۔ لیکن اس رائے کی خرابی یہ ہے کہ یہ بیعت ابوبکر پر منطبق نہیں ہوتی وہاں صرف حاضرین نے بیعت کی تھی اور کسی غائب کا انتظار نہیں کیا گیا تھا۔

دوسری جماعت کا خیال ہے کہ کم سے کم پانچ آدمی ہونے چاہئیں تاکہ ایک فیصلہ کرے اور چار تائید کریں اور اس کی دو دلیلیں ہیں (۱) ابوبکر[۱] کی بیعت پانچ آدمیوں سے طے ہوئی تھی۔ اس کے بعد باقی لوگوں نے انہیں پانچوں کا اتباع کیا تھا۔ وہ پانچ۔ عمر[۲] بن الخطاب ــــ ابوعبیدہ[۳] بن الجراح ــــ اسید[۴] بن حضیر۔ بشیر[۵] بن سعد ــــ اور سالم غلام ابی حذیفہ تھے۔ (۲) عمر نے شوریٰ چھ آدمیوں میں رکھا تھا جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ پانچ کے فیصلے سے خلافت طے ہوجائیگی۔

---

[۱] ابوبکر عبداللہ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر القرشی التیمی۔ ماں کا نام ام الخیر سلمیٰ یا لیلیٰ بنت صخر التیمی۔ ۲؁ یا ۳؁ عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ ہجرت میں رسولؐ کے ساتھ رہے۔ خارج مدینہ مقام سنخ میں قیام کیا۔ قبیلہ کے جانوروں کا دودھ دُہا کرتے تھے یہانتک کہ خلیفہ ہوگئے خلافت کے چھ ماہ بعد مدینہ منتقل ہوگئے اور دہیں ۱۳؁ھ میں انتقال کیا۔ اصحاب صحاح نے ان سے ۱۴۲ حدیثیں نقل کی ہیں (اسد الغابہ، ابن اثیر ۲ ص۱۶۳)۔ [۲] ابوحفص عمر بن الخطاب بن نفیل القرشی العدوی۔ ماں حنتمہ بنت ہاشم بن المغیرہ المخزومی۔ پچاس سے زیادہ افراد کے بعد مسلمان ہوئے بدر وغیرہ میں شرکت کی۔ ابوبکر نے مرض الموت میں خلیفہ بنایا۔ ابولولو کے خنجر کے زخم سے وفات پائی۔ آغاز محرم ۲۴؁ھ میں دفن ہوئے ابوبکر کے پہلو میں۔ اصحاب صحاح نے ان سے ۵۳۷ حدیثیں روایت کی ہیں۔ (اسد الغابہ، استیعاب، جوامع السیرۃ ص۲۷۶)۔
[۳] ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن الجراح۔ مکہ کا گورکن تھا۔ بدر وغیرہ میں شریک ہوا اور بیت المقدس کے قریب عمواس میں طاعون میں ۱۸؁ھ میں وفات پائی اصحاب صحاح نے ۱۴ روایتیں نقل کی ہیں (اسد الغابہ، جوامع السیرۃ ص۲۸۴، طبقات ابن سعد طبع یورپ ۲/۲/۸۴)۔
[۴] بشیر بن سعد بن ثعلبہ الخزرجی، سعد کے حسد میں سب سے پہلے ابوبکر کی بیعت کی اور جنگ عین التمر میں خالد کے ساتھ قتل ہوا۔ نسائی نے سنن میں اس کی حدیث نقل کی ہے (تقریب ا ص۱۰۳، اسد الغابہ، عبداللہ بن سبا ا ص۹۶)۔
[۵] ابوعبداللہ سالم مولیٰ ابوحذیفہ بن عقبہ ربیعہ الاموی، ابوحذیفہ کی بیوی ثبیتہ انصاریہ نے آزاد کیا تو ابوحذیفہ نے متبنیٰ بنالیا۔ اسی لئے مہاجرین میں شمار ہوتا ہے۔ رسولؐ سے پہلے ہجرت کی۔ مدینہ میں عمر بن الخطاب تک کو امامت کرتا تھا۔ رسول نے اسے معاذ کا بھائی قرار دیا تھا۔

بصرہ کے اکثر فقہاء اور متکلمین کا یہی مسلک ہے۔ لیکن کوفہ کے بعض علماء کا کہنا ہے کہ تین آدمی بھی کافی ہیں۔ ایک تحریک کرے اور دو تائید کریں تاکہ ایک قاضی بنے اور دو گواہ۔ جس طرح عقد نکاح ایک حاکم اور دو گواہ سے ہو جاتا ہے۔

دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ ایک آدمی کافی ہے کہ حضرت عباس نے حضرت علیؑ سے کہا تھا کہ تم ہاتھ بڑھاؤ میں بیعت کرتا ہوں۔ لوگ کہیں گے کہ رسولؐ کے چچا نے بھتیجے کی بیعت کر لی ہے اور پھر کوئی اختلاف نہ ہو گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ تو حکم اور فیصلہ ہے اور فیصلہ ایک کا بھی نافذ ہوتا ہے۔

(الاحکام السلطانیہ للماوردی ص۶-۷)۔

امامت کے، سابق امام کی نامزدگی سے، ثابت ہو جانے پر ساری امت کا اجماع ہے جس کی دلیل مسلمانوں کے دو اعمال ہیں جنہیں سب نے قبول کیا ہے۔

(۱) ابوبکر نے عمر کو نامزد کیا ہے اور سارے مسلمانوں نے قبول کیا ہے۔

(۲) عمر نے اہل شوریٰ کو نامزد کیا ہے۔ عمر کی بیعت میں صحابہ کی رضامندی کو کوئی دخل نہیں تھا، امام زیادہ حقدار ہوتا ہے کہ وہ دوسرے کو تائد نامزد کر دے۔

(الاحکام السلطانیہ ماوردی ص۱۰)۔

نوٹ: علماء کے ان اقوال سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی نگاہ میں جو جو ہو گیا ہے اسی کا نام دین ہے۔ صرف اس بات میں اختلاف ہے کہ کون سا کام کس طرح ہوا ہے؟

اس کے بعد اس امر میں اختلاف ہے کہ امام کی معرفت ضروری ہے یا نہیں ______؟

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ______ "لوگوں پر امام کی معرفت اُسکے

نام اور شخصیت کے ساتھ واجب ہے جس طرح خدا و رسولؐ کی معرفت واجب ہے ___ " لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ اجمالی معرفت کافی ہے۔ تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ (الاحکام السلطانیہ ص۱۵)۔

قاضی القضاہ ابویعلیٰ نے اپنی الاحکام السلطانیہ ص۷-۱۱ میں ان اقوال کے ساتھ اس قول کا بھی اضافہ کیا ہے کہ ___ "امامت قہر و غلبہ سے بھی ثابت ہو سکتی ہے اس میں عہد کی ضرورت نہیں ہے۔"

"جو شخص بھی تلوار سے غلبہ حاصل کر کے خلیفہ بن جائے ___ کسی بھی خدا اور آخرت پر ایمان رکھنے والے کے لئے جائز نہیں ہے کہ ایک رات بھی اس کو امام مانے بغیر آرام کرے چاہے وہ نیک ہو یا فاجر ___ امیر المومنین ضرور ہوگا ___ "

اس کے بعد کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص امام کے خلاف خروج کر دے اور دو جماعتیں ہو جائیں تو اصلی امام وہ ہوگا جس کا نماز جمعہ پر قبضہ ہو جائے جس کی دلیل یہ ہے کہ ابن عمر[1] نے واقعہ حرہ کے زمانے میں مدینہ میں نماز پڑھا دی تھی اور اعلان کر دیا تھا کہ غلبہ ہمارا ہے۔ (الاحکام السلطانیہ ص۷-۸)۔

امام الحرمین جوینی (متوفی ۴۷۸ھ) اپنی کتاب الارشاد کے باب "اختیار امام" میں تحریر فرماتے ہیں ___

"یاد رکھو امامت کے انعقاد میں اجماع کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

---

[1] ابن عمر ___ عبداللہ بن عمر بن الخطاب ___ ماں زینب بنت منظعون الجمحیہ۔ احد میں رسول اکرمؐ نے صغیر قرار دیا تھا۔ اس کے بعد کے معرکوں میں حاضر رہا۔ باپ بیٹے دونوں کے لئے بہت سی ہدایتیں نقل کی گئی ہیں رسولؐ کے بعد ساٹھ سال تک فتویٰ دیتا رہا۔ فقہ میں کامل نہ تھا لیکن حدیث میں کامل تھا۔ حضرت علیؑ کے ساتھ کسی جنگ میں شریک نہیں ہوا۔ وقت آخر شرمندہ تھا کہ میں نے علیؑ کے ساتھ باغیوں سے جہاد کیوں نہیں کیا۔ حجاج نے ایک زہر آلود نیزہ کے ذریعہ زخمی کرا دیا اور پھر اسی سے ۷۳ھ میں انتقال ہو گیا۔ اصحاب صحاح نے ۲۶۳۰ حدیثیں روایت کی ہیں۔ (جوامع السیرۃ ص۲۷۵)

امامت بلا اجماع بھی ثابت ہو سکتی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ابوبکر نے خلافت پاتے ہی احکام نافذ کرنا شروع کر دیئے اور اس کا انتظار نہیں کیا کہ تمام شہر میں صحابہ کرام تک خبر پہونچ جائے اور وہ اتفاق کر لیں اور کسی شخص نے اس بات پر اعتراض بھی نہیں کیا اور انتظار کرنے پر آمادہ بھی نہیں کیا اور جب اجماع ضروری نہیں ہے اور کوئی دوسری حد یا دوسرا عدد طے بھی نہیں ہوا ہے تو امامت ایک شخص کے فیصلے سے بھی طے ہو سکتی ہے۔ (ارشاد ص۴۲۴)۔

امام ابن العربی (متوفی ۵۴۳ھ) فرماتے ہیں کہ "امام کے عقد بیعت کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ سارے انسانوں کی طرف سے ہو بلکہ اس کیلئے ایک دو افراد بھی کافی ہیں۔" (شرح سنن ترمذی ۱۳، ۲۲۹)۔

شیخ فقیہ امام علامہ محدث قرطبی (متوفی ۶۷۱ھ) "انی جاعل فی الارض خلیفہ" کی تفسیر کے ذیل میں آٹھویں مسئلہ کے طور پر تحریر فرماتے ہیں کہ "اگر اہل حل و عقد میں سے ایک شخص بھی امامت طے کر دے تو کافی ہے باقی لوگوں کو اس کا اتباع کرنا ہو گا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ عمر نے ابوبکر کے لئے بیعت طے کر دی تو باقی صحابہ نے منظور کر لیا اور کسی نے انکار نہیں کیا، لہٰذا باقی عقود کی طرح عقد بیعت کے لئے بھی عدد کی ضرورت نہیں ہے۔"

امام ابو المعالی ــــــــ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص کے عقد بیعت سے بھی امامت طے ہو جائے تو سمجھو کہ ثابت ہو گئی اور بغیر کسی حادثہ یا تغیر امر کے اسے معزول کرنا جائز نہیں ہے اور یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

اس کے بعد آیت ہی کے ذیل میں پندرہواں مسئلہ تحریر فرماتے ہیں ــــ

"اگر امامت تمام اہل حل و عقد یا ایک نفر سے طے ہو جائے تو تمام لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ اس کی بیعت کریں۔" (جامع احکام القرآن ۱، ۲۶۹، ۲۷۲)

ابو عبداللہ محمد بن احمد ابی بکر بن فرح الانصاری الخزرجی الاندلسی)۔

اقضی القضاۃ عضد الایجی (متوفی ۷۵۶ھ) مواقف میں تحریر فرماتے ہیں

"مقصد ثالث! جس چیز سے امامت ثابت ہوتی ہے ــــــــــــ"

امامت نص رسولؐ ــــــ اور نص امام سابق سے بالاجماع ثابت ہوجاتی ہے اس کے علاوہ شیعوں کے برخلاف ہمارے نزدیک اہل حل و عقد کی بیعت سے بھی ثابت ہوجاتی ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ امامت ابوبکر بیعت ہی سے ثابت ہوئی ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں ــــــ جب یہ ثابت ہوگیا کہ امامت اختیار یا بیعت سے ثابت ہوتی ہے تو یاد رکھو کہ اس کے لئے اجماع کی کوئی ضرورت نہیں ہے ــــــ اس لئے کہ عقل یا نقل سے کوئی دلیل اجماع کی ضرورت پر قائم نہیں ہوئی ہے بلکہ اہل حل وعقد میں سے دو ایک کا قول بھی کافی ہے اس لئے کہ ہم نے دیکھا کہ صحابہ کرام نے دین کے معاملہ میں انتہائی پختگی کے باوجود عمر کے ابو بکر کی بیعت کر لینے کو کافی سمجھا اور عبدالرحمٰن بن عوف نے عثمان کو خلیفہ بنا دیا اور تمام اہل مدینہ کا اجتماع بھی ضروری نہیں سمجھا چہ جائیکہ تمام امت کا اجماع ــــــــ اور صحابہ نے اس پر اعتراض بھی نہیں کیا اور آج تک اسی ڈھرے پر امت چل رہی ہے۔ (مواقف طبع مصر ۱۳۲۵ھ ۸ ص ۳۵۱ ، ۳۵۳)۔

قاضی ایجی کی اس رائے سے تمام شرح مواقف لکھنے والوں نے اتفاق کیا ہے جیسے سید شریف جرجانی (متوفی ۸۱۶ھ) وغیرہ

نوٹ: یہ شرح اصل کتاب کے ساتھ مصر میں طبع ہوئی ہے۔

وجوب اطاعت امام باوجود مخالفت رسولؐ

مسلم نے اپنی

صحیح ۶ ۲۰۔۲۲ میں حذیفہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ سرکار دو عالمؐ نے فرمایا کہ "میرے بعد ایسے بھی امام ہوں گے جو میری ہدایات کے پابند نہ ہوں گے اور میری سنت پر عمل نہ کریں گے اور ان کے درمیان ایسے لوگ بھی اٹھیں گے جن کے دل انسانوں کی شکل میں شیطان جیسے ہوں گے ——

حذیفہ نے عرض کی —— سرکار! —— ایسے وقت میں ہمیں کیا کرنا ہوگا —— فرمایا! احکام سُننا اور اطاعت کرنا چاہیے تمہاری مرمت کریں اور سارا مال چھین لیں پھر بھی اطاعت کرنا۔"

ابن عباس کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے کہ سرکارؐ نے فرمایا کہ —— "جو شخص بھی اپنے امام سے ناپسندیدہ عمل دیکھے اسے صبر کرنا چاہئیے اس لئے کہ جماعت سے ایک بالشت دور ہو جانے والا اسی عالم میں مرگیا تو جاہلیت کی موت مرے گا۔"

دوسری روایت میں ہے کہ —— "جو شخص بادشاہ کے حکم سے ایک بالشت باہر نکل جائے گا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔"

عبداللہ بن عمر بن الخطاب کی روایت ہے کہ انہوں نے واقعہ حرہ میں یزید کے لشکر کے مظالم دیکھنے کے بعد فرمایا کہ سرکار دو عالمؐ کا ارشاد ہے کہ —— جو اطاعت سے ہاتھ کھینچے گا وہ روز قیامت بلا حجت و دلیل محشور ہوگا اور جو بغیر بیعت مرے گا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

نوٹ:۔ حذیفہ ابن الیمان العبسی کے باپ کے ذمہ جاہلیت میں کوئی خون تھا تو بھاگ کر مدینہ آگیا اور وہیں شادی کرلی۔ بنی عبدالاشہل کے حکیف بن گئے اور یمان نام پڑ گیا کہ یمانیہ کی مخالفت کی تھی ورنہ اصل نام حسل تھا۔ حذیفہ جنگ خندق اور اس کے بعد کے غزوات میں حاضر رہے۔ عمر نے مدائن کا حاکم بنایا اور

وہیں ۳۶ھ میں حضرت علیؑ کی بیعت کے ۷ دن کے بعد انتقال کیا۔ اصحاب صحاح نے ان سے ۲۲۵ حدیثیں روایت کی ہیں۔ (استیعاب، اسد الغابہ، اصابہ، جوامع السیرۃ ص۲۷)۔

علامہ نووی نے "باب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ" کی شرح میں لکھا ہے کہ "جماہیر اہلسنت فقہاء، محدثین، متکلمین سب کا اتفاق ہے کہ امام فسق وظلم وتعطیل حقوق سے معزول نہیں ہوتا اور نہ اسے معزول کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کے خلاف خروج جائز ہے بلکہ اسے وعظ ونصیحت وغیرہ کرنا چاہیئے جیسا کہ اس باب کی روایات سے اندازہ ہوتا ہے۔

اس سے پہلے فرمایا ہے کہ "ان کے خلاف خروج کرنا اور ان سے جنگ کرنا بالاجماع حرام ہے چاہے وہ فاسق وظالم ہی کیوں نہ ہوں۔ اس مفہوم میں بے شمار حدیثیں وارد ہوئی ہیں اور اہلسنت کا اجماع ہے کہ بادشاہ فسق وفجور سے معزول نہیں ہوتا۔ (شرح مسلم ۱۲/۲۲۹، سنن بیہقی ۸/۱۵۸)۔

قاضی ابوبکر محمد بن الطیب الباقلانی نے کتاب التمہید میں "اسباب معزولی امام" کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے کہ "جمہور اصحاب حدیث واہل اثبات کا ارشاد ہے کہ امام فسق وظلم، غصب اموال، نفس محترم کے قتل، حقوق کی بربادی، حدود کی معطلی سے معزول نہیں ہوتا اور نہ اس کے خلاف خروج واجب ہے بلکہ ضرورت ہے کہ اسے وعظ ونصیحت کی جائے۔ عذاب خدا سے ڈرایا جائے اور معصیت میں اس کی اطاعت نہ کی جائے۔ اس سلسلہ میں بے شمار روایات سے استدلال کیا گیا ہے جن میں سرکار دو عالم ص اور صحابہ کرام نے وجوب اطاعت امام کی تاکید کی ہے چاہے وہ ظالم اور غاصب ہی کیوں نہ ہوں اور رسول اکرم ص نے تو یہاں تک فرما دیا ہے کہ "تم اس کی اطاعت کرو چاہے وہ غلام حبشی یا نکٹا غلام ہی کیوں نہ ہو اور نماز بھی ہر نیک اور فاجر کے پیچھے پڑھو۔ دوسری

روایت میں ہے کہ حکام کی اطاعت کرو چاہے تمہارا مال لوٹ لیں اور تمہاری کمر توڑ دیں۔

مدرسہ خلافت کے آخری دور کا استدلال

آج کل کے زمانے میں مدرسہ خلافت کے پیروکار عام طور سے پرانی خلافتوں کی صحت پر اس بات سے استدلال کرتے ہیں کہ ان کی بنیاد شوریٰ پر تھی اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج بھی بیعت ومشاورت کے ذریعہ اسلامی حکومت قائم کی جا سکتی ہے اور جس کی بیعت ہو جائے گی وہ اسلامی حاکم ہو جائے گا اور اس کی اطاعت واجب ہو جائے گی۔

اسلامی حکومت کے قیام اور اس کے دلائل کے سلسلہ میں مدرسہ خلافت کی رائے کا خلاصہ درج کیا گیا اب ہم ان افکار ودلائل کا تجزیہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے اس مسئلہ کی اصطلاحات کا جائزہ لے لینا ضروری ہے تاکہ مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی جا سکے۔

بحث امامت وخلافت کی اصطلاحات

امامت وخلافت کی بحثوں کا دار ومدار حسب ذیل اصطلاحات پر ہے

ا۔ شوریٰ

ب۔ بیعت

ج۔ خلیفہ

د۔ امیر المومنین

ہ۔ امام

و۔ امر اور اولی الامر

اب ہم ان سب کی تعریفات وتفصیلات کا سلسلہ شروع کرتے ہیں۔

شوریٰ

(۱) ____ تشاور، مشاورت، مشورہ کے معنی لغت عرب میں باہمی بات چیت کے ذریعہ ایک رائے قائم کرنا "شاوَرَہ" یعنی اس کی رائے حاصل کرلی۔

"اشار علیہ بالرای، لیشیر" اس کے لئے رائے پیش کی۔

"امرہم شوریٰ بینہم" یہ شے قوم کے درمیان شوریٰ بن گئی کہ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ (مفردات راغب، لسان العرب وغیرہ)۔

قرآن مجید ____ احادیث ____ اور مسلمانوں کے استعمالات میں اس لفظ کے معنی میں کوئی تغیر نہیں پیدا ہوا بلکہ لفظ اپنے لغوی معنی ہی میں استعمال ہو رہا ہے۔

(۲) بیعت

(ا) لغت عرب میں بیعت

لغت میں بیعت کے معنی فروخت کرنے کا معاملہ کرنا ہے (لسان العرب) بیع یا بیعت کے لئے ہاتھ پہ ہاتھ مارا، یعنی خرید و فروخت کرنے کا سودا مکمل ہو گیا۔ تصافق، تبایع، باہمی خرید و فروخت کے معنی میں ہے۔ یعنی اصل لغت میں بیع و شراء کا اظہار صفقہ (ہاتھ پر ہاتھ مارنے سے ہوتا تھا) اس کے بعد حلف یا عہد کا سلسلہ اس طرح شروع ہوا کہ عرب مختلف طریقوں سے معاملہ کو پکا کرنے کے لئے عہد یا حلف سے کام لیتے تھے جس طرح بنو عبد مناف نے جب بنی عبد الدار سے اس مسئلہ پر جنگ کرنے کا ارادہ کیا کہ خانہ کعبہ کی کلید بر داری، حاجیوں کی سقایت وغیرہ جیسے کام کون انجام دے گا تو ہاتھ پر ہاتھ مارنے کے بجائے عہد و قسم سے کام لیا جس طرح کہ روایت میں وارد ہوا ہے اور ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ بنی عبد مناف نے خوشبو سے بھرا ہوا پیالہ مسجد الحرام میں خانہ کعبہ کے قریب رکھا اور سب نے اس میں اپنے ہاتھ ڈبو دیئے اور آپس میں عہد و پیمان باندھے اور بات کو پکا کرنے کے لئے خانہ کعبہ کی دیوار پر ہاتھ سے نقش بنا دئے جس کے بعد ان کا لقب "مطیبین" ہو گیا۔ (سیرت ابن ہشام ۱/ ۱۴۱-۱۴۳)۔

تجدید کعبہ کے بارے میں ابن اسحاق کی روایت ہے کہ جب رکن کی منزل تک دیواریں بلند ہو گئیں تو آپس میں جھگڑا شروع ہوا اور ہر قبیلہ نے چاہا کہ وہاں تک تنہا خود بلند کرے۔ اس پر آپس میں عہد و پیمان کئے اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ بنی عبد الدار نے خون سے بھرا ہوا پیالہ رکھا اور بنی عدی بن کعب بن لوی کے ساتھ موت کا عہد باندھا۔ سب نے خون میں ہاتھ تر کئے اور "لعقۃ الدم" کے نام سے مشہور ہوئے۔ (سیرت ابن ہشام ۱/ ۲۱۳)۔

(ب) اسلام میں بیعت

بیعت یعنی ہاتھ پر ہاتھ مارنا لغت عرب میں معاملہ کے لازم ہو جانے کا اشارہ تھا۔ اسلام میں یہی اشارہ بیعت کرنے والے کی طرف سے بیعت لینے والے کی اطاعت کے عہد و پیمان کے لئے استعمال ہونے لگا اور یہ کہا جانے لگا کہ ــ **بایعہ علیہ مبایعۃ یعنی اس سے معاہدہ کر لیا۔**

قرآن مجید میں بھی لفظ بیعت اس طرح استعمال ہوا ہے کہ ــ "اے رسولؐ جو لوگ تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تمہاری بیعت نہیں اصل میں خدا کی بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔ اس کے بعد جو عہد کو توڑے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اور جو خدا کے عہد کو وفا کرے گا اسے خدا اجر عظیم عطا کرے گا۔

اس کے بعد سنت رسول ص سے بھی تین مواقع پیش کئے جا رہے ہیں جہاں سرکار ص نے بیعت لی ہے: ــــــــــــــــ

(۱) بیعت اولیٰ

ــــــــ اسلام میں پہلی بیعت "بیعت عقبہ اولیٰ" ہے۔ جس کے بارے میں عبادہ بن صامت کا بیان ہے کہ ــــــــ "ہم سے رسول اکرم ص نے عورتوں کی طرح بیعت لی کہ جنگ فرض ہونے سے پہلے آپ نے ہم سے عہد لیا کہ کسی کو خدا کا شریک نہیں قرار دیں گے ــــ چوری نہیں کریں گے ــــ اولاد کو قتل نہیں کریں گے ــــ کسی پر الزام اور بہتان نہیں رکھیں گے ــــ کسی نیکی میں نافرمانی نہیں کریں گے۔

پھر فرمایا کہ ــــــ اگر تم نے اس عہد سے وفا کی تو ــــ تمہارے لئے جنت ہے ــــــ اور اگر ذرا بھی خیانت کی

اور دنیا میں اس کی حد برداشت کرلی تو وہی کفارہ ہوگی اور اگر اسے چھپا دیا تو آخرت کا معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہوگا وہ چاہے گا عذاب کرے گا اور چاہے گا معاف کر دے گا۔ (سیرت ابن ہشام ۲ ص۴۰-۴۲)۔

(۲) بیعت عقبہ ثانیہ

________ کعب بن مالک کی روایت ہے کہ "ہم مدینہ سے حج کے ارادے سے نکلے اور اواسط ایام تشریق کے لئے رسول اکرم ص سے عہد کیا اور ایک تہائی رات گذرنے کے بعد آہستہ آہستہ برآمد ہوئے اور سب عقبہ کے پاس غار میں جمع ہو گئے۔ ہم سب ۷۳ مرد تھے اور دو عورتیں تھیں۔ رسول اکرم ص تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ عباس بھی تھے۔ آپ نے گفتگو کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا۔ اللہ کی طرف دعوت دی۔ اسلام کی رغبت دلائی اور فرمایا کہ ______ "تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ مجھے ان تمام باتوں سے بچاؤ گے جن سے اپنی عورتوں اور اولاد کو بچاتے ہو"

برار بن معرور نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ بیشک اس خدا کی قسم جس نے آپ کو نبی بنایا ہے کہ ہم ان تمام چیزوں سے بچائیں گے جن سے اپنی ناموس کو بچاتے ہیں۔ آپ ہماری بیعت قبول کریں۔ ہم مرد میدان ہیں۔

ابوالہیثم بن التیہان نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ص! ہمارے اور قوم کے درمیان رشتے ہیں اور ہم یہودیوں سے یہ رشتے قطع کر رہے ہیں لیکن کہیں ایسا تو نہ ہو کہ جب خدا آپ کو غلبہ عطا کر دے تو آپ اپنی قوم میں چلے جائیں اور ہمیں یوں ہی چھوڑ دیں ______ آپ نے تبسم فرمایا ______ اور فرمایا کہ خون خون کے ساتھ ہے اور ہدم ہدم کے ساتھ ہے ______ یعنی جو میرا عہد ہے وہ تمہارا عہد ہے اور جو میری حرمت ہے وہ تمہاری حرمت ہے۔

تم اپنے بارہ ذمہ دار افراد دے دو جو قوم کے ذمہ دار بنیں ______ ان لوگوں نے بارہ نقیب معین کئے ______ نو[۹] خزرج میں سے اور تین اوس میں سے۔

سرکارؐ نے فرمایا کہ تم سب اپنی قوم کے ذمہ دار ہو جس طرح حواریین نے جناب عیسیٰؑ کی کفالت کی تھی اور میں اپنی قوم یعنی مسلمانوں کا ذمہ دار ہوں ______ سب نے اقرار کیا ____ بے شک۔

اس کے بعد مورخین میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے سرکارؐ کے ہاتھ پہ کس نے بیعت کی۔ بعض لوگ اسعد بن زرارہ کا نام لیتے ہیں اور بعض لوگ ابو الہیثم بن التیہان کا۔ (سیرت ابن ہشام ۲؍۴۷-۵۶)۔

(۳) بیعت رضوان یا بیعت شجرہ

______ ۶ھ میں پیغمبر اسلامؐ نے اپنے اصحاب کو عمرہ کے لئے آمادہ کیا اور آپ کے ساتھ تیرہ سو یا سولہ سو افراد برآمد ہوئے جن کے ساتھ سات اونٹ تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم اہل اسلحہ نہیں ہیں۔ صرف عمرہ کے لئے نکلے ہیں۔ مقام ذی الحلیفہ سے سب نے احرام باندھا اور روانہ ہو گئے۔ جب مکہ سے نو میل دور حدیبیہ کے مقام پر پہونچے تو اہل مکہ کو اس کی خبر ملی اور سب دہشت زدہ ہو گئے اور اپنے اطاعت شعار قبائل کو تیار کر کے دو سو سواروں کو خالد بن الولید کی سرکردگی میں بھیج دیا۔ بعض روایات میں سردار لشکر عکرمہ بن ابی جہل تھا۔ حضورؐ نے بھی تیاری فرمائی اور فرمایا کہ اللہ نے مجھے بیعت لینے کا حکم دیا ہے۔ لوگوں نے بیعت کرنا شروع کر دی کہ ہم فرار نہیں کریں گے۔"

بعض روایات کی بنا پر مر جانے کی بیعت کی ______ قریش نے یہ سنکر ایک وفد بات چیت کے لئے بھیجا اور صورت حال دیکھ کر حضرتؐ سے صلح کر لی۔

(امتاع الاسماع مقریزی ص۲۷۴-۲۹۱)۔

زمانۂ رسول اکرمؐ میں یہ بیعت کی تین قسمیں تھیں:

۱۔ اسلام پر بیعت

۲۔ اسلامی حکومت قائم کرنے پر بیعت

۳۔ جہاد و قتال کے لئے بیعت

تیسری بیعت درحقیقت دوسری بیعت کی تجدید تھی کہ آپ نے قوم کو عمرہ کے لئے گھر سے نکالا تھا۔ اب جب صورت حال بدل گئی اور جنگ کے آثار نمایاں ہو گئے تو آپ نے دیکھا کہ کہیں میرے ہی اوپر معاہدہ کی خلاف ورزی کا الزام نہ آجائے اس لئے دوبارہ جنگ کے لئے بیعت لی اور اس کا سب سے بڑا اثر یہ ہوا کہ اہل مکہ کے دل پر رعب طاری ہو گیا اور مقصد بآسانی حاصل ہو گیا۔

بحث کو خاتمہ تک پہونچانے سے پہلے ان چھ روایات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو بیعت اور اطاعت امام کے بارے میں وارد ہوئی ہیں:

۱۔ ابن عمر راوی ہیں کہ ہم رسول اکرمؐ کی بیعت اطاعت و فرمانبرداری پر کیا کرتے تھے تو آپ فرماتے تھے کہ "جہاں تک ممکن ہو" (صحیح بخاری کتاب الاحکام باب البیعہ، صحیح مسلم کتاب الامارہ باب البیعہ علی السمع والطاعۃ فی ما استطاع حدیث ۹۰، سنن نسائی کتاب البیعہ باب البیعہ فیما یستطیع الانسان)۔

۲۔ دوسری روایت میں ہے کہ جس چیز پر تمہاری استطاعت ہو۔ (سنن نسائی باب البیعہ)۔

۳۔ تیسری روایت میں ہے کہ جریر نے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا

"جس چیز میں میری استطاعت ہو" (صحیح بخاری کتاب الاحکام)۔

۴۔ ہرماس بن زیاد راوی ہے کہ میں نے رسولؐ کی طرف بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا جب میں بچہ تھا تو آپ نے بیعت سے انکار کر دیا۔ (بخاری کتاب الاحکام باب بیعۃ الصغیر، سنن نسائی کتاب البیعہ باب بیعۃ الغلام)۔

ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اکرم ص نے فرمایا کہ مسلمان کو چاہیئے کہ میں جس چیز کو پسند کرتا ہوں اس میں میری اطاعت کرے چاہے اسے بُرا معلوم ہو البتہ اگر معصیت کا حکم دیا جائے تو ہرگز اطاعت نہ کرے۔ (صحیح بخاری کتاب الاحکام حدیث ۳۲، سنن ابن ماجہ کتاب الجہاد حدیث ۲۸۶۳، سنن نسائی کتاب البیعہ، مسند احمد ۲ ص ۱۷)

۵ ــ ابن مسعود راوی ہیں کہ سرکار ص نے فرمایا ــــــــ "عنقریب میرے بعد تمہارے امور کے ذمہ دار وہ لوگ بن جائیں گے جو میری سنت کو خاموش کر دیں گے اور بدعت پر عمل کریں گے ــــ نماز کو اس کے وقت سے ہٹا دیں گے ــــــ تو میں نے عرض کی کہ اس وقت ہمیں کیا کرنا ہو گا ــــــ فرمایا ــــــ اے فرزند ام عبد تم مجھ سے یہ سوال کرتے ہو کہ کیا کرنا ہو گا۔ یاد رکھو جو خدا کی نافرمانی کرے اس کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔ (سنن ابن ماجہ ۲ ص ۹۵۶ حدیث ص ۲۸۶۵، مسند احمد ۱ ص ۴۰۰)۔

۶ ــــ عبادہ بن صامت ایک طولانی حدیث نقل کرتے ہیں جس کا آخری حصہ یہ ہے کہ ــــــ "جو خدا کی معصیت کرے اس کی اطاعت نہیں ہوتی لہذا خبردار گمراہ نہ ہونا۔ (تہذیب تاریخ ابن عساکر ۷ ص ۲۱۵)

سیرت رسول ص کے اس مطالعہ اور تجزیہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بیعت کے تین ارکان ہوتے ہیں :

ا ــــــ بیعت کرنے والا (مبایع)

ب ــــــ بیعت لینے والا (مبایع لہ)

ج ــــــ اس امر کا معاہدہ کہ کوئی نہ کوئی عمل کرنا ہو گا۔

بیعت کا سلسلہ یوں شروع ہوتا ہے کہ پہلے وہ سمجھا جائے جس پر عمل کرنا ہو گا

اس کے بعد معاہدہ کیا جائے۔ اس طرح کہ ہاتھ پر ہاتھ مارا جائے۔ جس طرح کہ روایات میں وارد ہوا ہے اور یہ بیعت کی شرعی اصطلاح ہے لیکن ابھی تک جائز بیعت کے شرائط اکثر مسلمانوں پر واضح نہیں ہوسکے۔ لہذا ان کے لئے عرض کیا جاتا ہے کہ بیعت اسلام میں تین شرطوں سے منعقد ہوتی ہے:

ا۔ بیعت کرنے والا بیعت کرنے کے قابل ہو اور اپنے ارادہ و اختیار سے بیعت کرے۔

ب۔ بیعت لینے والا قابل بیعت ہو کہ اس کی بیعت شرعاً جائز ہو۔

ج۔ بیعت ایسے امر پر ہو جس کا انجام دینا صحیح ہو۔

بنابریں کسی بچہ یا دیوانے کا بیعت کرنا صحیح نہیں ہے کہ یہ اسلام میں احکام کے مکلف نہیں ہیں اور اسی طرح مجبور کا بیعت کرنا صحیح نہیں ہے کہ بیعت، بیع کی ایک شکل ہے اور جب بیع قہراً مال لیکر قیمت دیدینے سے نہیں ہوتی تو بیعت بھی نہیں ہوسکتی۔

اسی طرح اس کی بیعت بھی صحیح نہیں ہے جو کھلم کھلا معصیت کرتا ہو۔ یا معصیت خدا کی دعوت دیتا ہو کہ معصیت خالق میں اطاعت مخلوق نہیں ہوا کرتی۔

(۳) خلافت اور خلیفہ ۔ لغتِ عرب میں

لغتِ عرب میں خلافت کسی شخص کی نیابت کے معنی میں ہے اور خلیفہ وہ شخص ہے جو دوسرے کا قائم مقام ہو۔ (مفردات راغب مادہ خلف، نہایۃ اللغۃ ابن اثیر، لسان العرب مادہ خلف)۔

دوسری تعریف میں ۔۔۔۔ خلیفہ جو دوسرے کے بعد آئے اور اس کی جگہ پر قیام کرے ۔۔۔۔ قرآن مجید میں اس معنی میں لفظ خلیفہ استعمال ہوا ہے ۔۔۔۔

"اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے" (سورہ ص آیت ۲۶)۔

حدیث پیغمبرؐ میں وارد ہوا ہے ___ "خدایا میرے خلفاء پر رحمت نازل کرنا۔ خدایا میرے خلفاء پر رحمت نازل کرنا ___ خدایا میرے خلفاء پر رحمت نازل کرنا"

عرض کی گئی یا رسول اللہؐ ___ یہ آپ کے خلفاء کون ہیں؟

فرمایا ___ "جو لوگ میرے بعد آئیں گے اور میری حدیث اور سنت کی روایت کریں گے"

خلیفہ اول کے زمانے میں بھی لفظ خلیفہ اسی معنی میں استعمال ہوتا تھا۔ چنانچہ ابن اثیر نہایۃ اللغۃ میں بیان کرتا ہے کہ ابوبکرؓ کے پاس ایک اعرابی آیا اور اس نے سوال کیا کہ آپ خلیفہ رسولؐ ہیں؟

انہوں نے جواب دیا ___ "نہیں ___ میں ان کے بعد خالفہ ہوں"

ابن اثیر کہتا ہے کہ خالفہ وہ شخص ہے جس کے پاس استغناء نہ ہو اور اس میں کوئی خیر نہ ہو اور ابوبکرؓ نے یہ بات تواضع اور انکسار میں کہی تھی۔ (لسان العرب سے یہ قول ابن اثیر نے نقل کیا ہے۔)

اسی لغوی معنی میں لفظ خلیفہ "خلیفہ دوم" کے زمانے میں بھی استعمال ہوتا رہا ہے۔ جیسا کہ سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) کی روایت ہے "فصل ___ عمر کے چند قضایا" ___ عسکری نے "اوائل" میں اور طبرانی نے "معجم کبیر" میں اور حاکم نے "مستدرک" میں نقل کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ سے سوال کیا کہ "ابوبکر کے زمانے میں یہ کیوں لکھا جاتا تھا کہ یہ امر خلیفہ رسول اللہؐ کی طرف سے ہے اور عمر ابتداء میں لکھا کرتے تھے "ابوبکر کے خلیفہ کی طرف سے"، پھر یہ امیر المومنین کا لفظ کہاں سے رائج ہو گیا؟"

تو اس نے کہا کہ مجھ سے شفا نے بیان کیا ہے جو مہاجر خواتین میں سے تھی

کہ ابوبکر خلیفہ رسول اللہؐ لکھتے تھے اور عمر اپنے کو خلیفۂ خلیفہ رسول اللہ لکھا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے عامل عراق کو لکھا کہ دو ہوشیار آدمی بھیجے جن سے عراق کے حالات دریافت کئے جاسکیں ـــــ تو اس نے لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم کو بھیج دیا۔ یہ دونوں مدینہ وارد ہوئے تو مسجد میں آئے۔ وہاں عمرو بن العاص سے ملاقات ہوگئی اور کہا کہ ذرا امیر المومنین سے ملاقات کی اجازت لے لیجئے عمرو بن العاص نے کہا کہ واللہ تم دونوں نے بالکل صحیح نام رکھا ہے۔ عمرو نے ان کا پیغام پہونچایا اور کہا ـــــ "السلام علیک یا امیر المومنین" ـــــ

عمر نے پوچھا یہ نام کہاں سے لے آئے؟ عمرو نے روداد بیان کی اور کہا کہ آپ امیر ہیں اور ہم مومنین ہیں۔ چنانچہ اس دن سے یہی طریقہ رائج ہو گیا۔

نووی سے تہذیب میں روایت کی گئی ہے کہ عمر نے لوگوں سے کہا کہ تم سب مومن ہو اور میں تمہارا امیر ہوں اور اس کے بعد امیر المومنین کہے جانے لگے ورنہ اس کے پہلے خلیفہ خلیفہ رسول اللہؐ کہے جاتے تھے۔ (تاریخ سیوطی طبع مصر ۱۳۱۷ھ ص ۱۳۷)۔

عمر کے بعد سے عباسیوں کے دور تک یہی رواج رہا کہ سارے خلفاء امیر المومنین کہے جاتے تھے اور کبھی کبھی خلیفہ کہدیا جاتا تھا جس کا مقصد خلیفۃ اللہ ہوتا تھا۔

چنانچہ حجاج نے نماز جمعہ کے خطبہ میں کہا ـــــ "خلیفۃ اللہ عبدالملک بن مروان کے احکام سنو اور اس کی اطاعت کرو"۔ (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۱ حدیث ۴۶۴۵ باب فی الخلفاء)

مہدی عباسی کی بزم میں یہ ذکر کیا گیا کہ اموی خلیفہ ولید زندیق تھا تو مہدی نے جواب دیا کہ اس کے پاس خدائی خلافت کا ہونا اس بات سے بلند تر ہے کہ اسے زندیق کہا جائے۔ (تاریخ ابن کثیر ۱ ص ۷-۸)۔

عثمانیوں کے زمانے میں لفظ خلیفہ دوبارہ استعمال ہونے لگا اور اس

سے مراد خلیفہ رسول ﷺ لیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے بڑے بادشاہوں کا نام ہی خلیفہ ہو گیا۔ (معجم وسیط مادہ خلف)۔

٭

خلاصہ یہ ہے کہ لفظ خلیفہ قرآن مجید میں خلیفہ رسول ﷺ کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے اور حدیث رسول ﷺ میں اس لفظ سے مراد رواۃ احادیث رہے ہیں نہ کہ حکام و سلاطین۔

ابوبکر و عمر کے زمانے میں یہ لفظ لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے اور عمر بن الخطاب کو خلیفہ خلیفہ رسول اللہ کہا گیا ہے۔ امویین اور عباسیین کے دور میں اس سے مراد خلیفۃ اللہ رہا ہے۔ عثمانیوں کے دور میں خلیفہ رسول ﷺ مراد لیا گیا ہے اور اس طرح یہ صرف مسلمانوں کی اصطلاح ہے۔ شریعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۴) امیر المومنین

گذشتہ بیانات سے یہ بات بھی واضح ہو گئی ہے کہ اس لفظ کا استعمال عمر بن الخطاب کے دور سے شروع ہوا ہے اور اس سے مراد مسلمانوں کا حاکم اعلی ہوتا تھا اور یہ سلسلۂ استعمال عثمانیوں کے دور تک باقی رہا ہے۔ اس کے بعد پھر خلافت کا نام شروع ہو گیا۔

(۵) امام

امام، لغت میں اس انسان کو کہتے ہیں جس کی اقتدا کی جائے اور اُس کے پیچھے چلا جائے چاہے وہ برحق ہو یا باطل۔ قرآن مجید میں واضح لفظوں میں اعلان ہوا ہے کہ ـــــــ "ہم قیامت کے دن ہر گروہ کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ پھر

جس کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ اسے پڑھیں گے اور ان پر کوئی ظلم نہ ہوگا اور جو اس دنیا میں اندھا رہا ہے وہ وہاں بھی اندھا اور گمراہ رہے گا۔" (سورہ اسراء آیت ۷۱-۷۲)۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:۔

"ائمہ کفر سے جہاد کرو۔ ان کے لئے کوئی عہد نہیں ہے۔ شائد اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔" (سورۂ توبہ آیت ۱۲)۔

اسلام میں امام وہ شخص ہوتا ہے جو حکم خدا سے راہ خدا کی طرف ہدایت کرے چاہے انسان ہو جیسا کہ اس آیت میں وارد ہوا ہے ——— "جب ابراہیم کا امتحان ان کے رب نے چند کلمات کے ذریعہ لیا اور انہوں نے کلمات کو تمام کر دیا تو خدا نے کہا کہ ہم تم کو لوگوں کا امام بنانے والے ہیں۔ ابراہیم نے کہا کہ یہ عہدہ میری ذریت میں بھی رہے گا ——— جواب ملا کہ ——— میرا عہدہ ظالمین تک نہیں پہونچے گا۔" (سورہ بقرہ آیت ۱۲۴)۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے ——— "ہم نے ان کو امام بنایا ہے اور وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں۔" (سورۂ انبیاء آیت ۷۳)۔

یا امام بشکل کتاب ہو جیسا کہ قصہ موسیٰ میں وارد ہوا ہے ——— "اس سے پہلے کتاب موسیٰ تھی جو امام بھی تھی اور رحمت بھی۔" (سورۂ ہود آیت ۱۷)۔

ان دونوں طرح کی آیتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں امام کی شرط یہ ہے کہ اگر وہ کتاب کی شکل میں ہو تو خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہو جیسے کہ رسولِ اکرمؐ کی کتاب قرآن مجید کی شان تھی اور اس سے پہلے کتاب موسیٰ اور باقی انبیاء کی کتابوں کا حال تھا۔ (معجم مفہرس مادہ کتاب)۔

اور اگر امام انسان کی شکل میں ہو تو اسے اللہ کی طرف سے معین ہونا چاہیئے

جیسا کہ "انی جاعلک" اور "عہدی" کے الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے ـــــــــــ اور پھر امام کو ظالم نہ ہونا چاہیئے کہ ظالم کو عہدہ الٰہی نہیں مل سکتا ہے۔

اور اس کا ماحصل یہ ہے کہ اسلامی اصطلاح میں امام اس کتاب کا نام ہے جو خدا کی طرف سے نازل ہو اور اس انسان کا نام ہے جو خدا کی طرف سے ہدایت بشر کے لئے معین ہو اور ایسا معصوم ہو کہ اس کی زندگی میں کسی طرح کا ظلم شامل نہ ہونے پائے۔

(۶) امر اور اولی الامر

امر اور اولوالامر کی صحیح نوعیت معلوم کرنے کے لیے کہ ان کی کوئی اصطلاح ہے یا نہیں۔ ہم پہلے لغت عرب میں ان الفاظ کے استعمالات کا تذکرہ کریں گے اور پھر قرآن و سنت کے ساتھ مسلمانوں کے استعمالات کا جائزہ لیں گے۔

(۱) امر لغت عرب میں:۔ سیرت ابن ہشام۔ طبری وغیرہ میں وارد ہوا ہے کہ رسول اکرمؐ اپنے کو مختلف مواسم میں قبائل عرب کے سامنے پیش کر کے انہیں اسلام کی دعوت دیتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ وہ اللہ کی طرف سے نبی مرسل ہیں۔ پھر ان سے مطالبہ کرتے تھے کہ ان کی تصدیق کریں اور انہیں بچائیں تاکہ وہ اپنے پیغام کو بیان کر سکیں۔

ایک مرتبہ آپ قبیلہ بنی عامر بن صعصعہ کے پاس آئے اور انہیں خدا کی طرف دعوت دی تو ان میں سے ایک شخص بحیرہ بن فراس ابن عبداللہ بن سلمہ بن قشیر بن کعب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ نے کہا کہ خدا کی قسم اگر میں اس جوان کو قریش سے لیلوں تو سارے عرب پر قبضہ ہو سکتا ہے اور پھر حضرت سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہ بتائیے اگر ہم آپ کے امر میں آپ کا اتباع کریں اور آپ کامیاب ہو جائیں تو کیا اس "امر" میں ہمارا

بھی کوئی حصہ ہوگا؟

آپ نے فرمایا کہ امر خدا کے اختیار میں ہے جہاں چاہے گا قرار دے گا ــــــ تو اس نے کہا کہ ہم اپنی گردنوں کو آپ کے آگے عربوں کا نشانہ بنائیں اور پھر جب آپ کو غلبہ مل جائے تو امر دوسروں کے پاس چلا جائے۔ ہمیں ایسے امر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (سیرت ابن ہشام ۲/۳۱-۳۴، طبری)۔

٭

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کی نظر میں امر سے مراد سیادت و ریاست اور حکومت تھی اسی لئے اس نے چاہا کہ روز اول اس امر (حکومت) میں اپنے قبیلہ کا حصہ طے کر لے لیکن رسول اکرم ص نے منع کر دیا کہ امر صرف خدا کے اختیار میں ہے اور وہ اس کی منزل طے کرے گا حالانکہ اس وقت آپ کو اعوان و انصار کی شدید ضرورت تھی۔

یہی قصہ ہوذہ بن علی الحنفی کے ساتھ پیش آیا جب آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی جیسا کہ ابن سعد نے طبقات ا ق ا/۱۸ میں نقل کیا ہے کہ رسول اکرم ص نے ہوذہ بن علی الحنفی کو دعوت اسلام کے لئے خط لکھا تو اس نے آپ کے جواب میں لکھا کہ ــــــ "آپ کی دعوت انتہائی حسین و جمیل ہے۔ میں اپنی قوم کا شاعر اور خطیب ہوں۔ عرب میرا احترام کرتے ہیں لہٰذا آپ کچھ امر میرے لئے بھی قرار دیں تاکہ میں آپ کا ساتھ دے سکوں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر بنجر زمین کا تقاضا کیا جائے تو وہ بھی میں نہیں دے سکتا ہوں۔

اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہوذہ نے کسی زمین یا قبیلہ پر حکومت کا مطالبہ کیا تھا اور آپ نے بنجر زمین پر بھی حکومت دینے سے انکار کر دیا تھا ــــــ جس طرح کہ اہل کوفہ یا بصرہ کے بارے میں مشہور ہے کہ جب آپ نے ہر شخص پر سیر

ذمہ داری عائد کی کہ تھوڑی ریت لاکر فرش مسجد بنانے میں مدد کرے اور ایک شخص کو نگرانی کے لئے معین کر دیا تو لوگوں نے کہا گیا کہنا امارت کا چاہیے حجارہ ہی پر کیوں نہ ہو ——— یہی بات اس روایت میں ہے کہ ہوذہ نے گویا کہ حجارہ پر امارت طلب کی لیکن آپ نے اس سے بھی انکار کر دیا۔

(ب) مسلمانوں کی اصطلاح :۔ سقیفہ اور اس کے بعد مسلمانوں کی زبان میں امر بے حد استعمال ہوا ہے۔ سقیفہ کے دن سعد بن عبادہ نے کہا کہ "ان لوگوں نے تن تنہا امر پر قبضہ کر لیا"۔

انصار نے جواب دیا "ہم آپ کو اس امر کا ذمہ دار بناتے ہیں"۔

اس کے بعد کافی ردوبدل کے بعد یہ کہا گیا کہ اگر مہاجرین ضد کرتے ہیں اور اپنے کو عشیرہ وقبیلہ رسول ؐ کہکر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم سے اس امر میں کیسے مقابلہ ہو سکتا ہے؟

ابوبکر نے بھی انصار کے خلاف استدلال میں یہی لفظ استعمال کیا کہ "عرب ہمارے قبیلہ کے علاوہ کسی کا امر قبول نہ کریں گے"، ——— رسول اکرم ؐ کے بعد قریش اس امر کے زیادہ حقدار ہیں اور ان سے جھگڑا کرنے والا ظالم ہے"۔

عمر نے روز سقیفہ کہا کہ "کون ہے جو ہم سے محمدؐ کی سلطنت اور امارت کے بارے میں جھگڑا کر سکتا ہے جبکہ ہم ان کے اہل وعشیرہ سے ہیں"۔

حباب بن منذر نے اس کے جواب میں کہا کہ "عمر اور اس کے ساتھیوں کی بات نہ سنو کہ اس امر میں سے تمہارا حصہ نکل جائے گا۔ خدا کی قسم تم اس امر کے زیادہ حقدار ہو۔

بشیر بن سعد نے مداخلت کرتے ہوئے قریش کی وکالت کی "خدا مجھے اس عالم میں نہ دیکھے کہ میں ان سے کبھی اس امر میں جھگڑا کروں"۔ (طبری طبع یورپ ۴؍۱۸۴۷ - ۱۸۵۱)۔

(ج) اسلامی روایات میں امر:۔ حدیث رسولؐ میں امر کا تذکرہ بکثرت وارد ہوا ہے جیسا کہ آئندہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔ اس وقت صرف ایک جملہ نقل کیا جاتا ہے جو آپ نے عامری کے جواب میں فرمایا تھا کہ ــــــــــــ

"امر خدا کے ہاتھ میں ہے جہاں چاہتا ہے قرار دیتا ہے اور قرآن مجید میں ہے کہ ایمان والو اللہ، رسول اور صاحبان امر کی اطاعت کرو۔" (سورۂ نساء آیت ۵۹)۔

٭

قرآن، حدیث، مسلمانوں کے محاورات اور عرب کے استعمالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر جگہ امر ریاست اور حکومت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امر شریعت اور لغت میں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتا رہا ہے اور اس بنیاد پر ہم "اولی الامر" کو شرعی اصطلاح بھی کہہ سکتے ہیں اور اس کا مفہوم رسول اکرمؐ کے بعد امت کا امام ہوگا۔ اور اس میں کسی طرح کا اختلاف بھی نہیں ہے۔ اختلاف صرف یہ ہے کہ وہ شخص کون ہے جسے رسولؐ کے بعد صاحب امر کہا جائے۔ مدرسہ اہل بیتؑ کا خیال یہ ہے کہ جب اولی الامر سے مراد ائمہ ہیں تو ان کا خدا کی طرف سے معین ہونا اور معصوم ہونا ضروری ہے جیسا کہ اس کے بعد تفصیلات میں ذکر کیا جائے گا۔

اور مدرسہ خلافت کی رائے یہ ہے کہ اولی الامر وہ افراد ہیں جن کی مسلمان بیعت کرلیں اور اسی لئے وہ صاحب بیعت کی اطاعت واجب جانتے ہیں اور اسی بنا پر یزید بن معاویہ کی بھی اطاعت کی ہے اور اس کے نتیجہ میں کربلا میں اہل بیتؑ و اولاد رسولؐ کو قتل وقید کیا ہے اور تین دن تک مدینہ رسولؐ کو غارتگری کے لئے مباح رکھا ہے اور خانۂ کعبہ کو منجنیق کا نشانہ بنایا ہے جیسا کہ اس کے تفصیلات کے ذیل میں بیان کیا جائے گا۔

مدرسہ خلافت کی رائے کا تجزیہ

گذشتہ چھ اصطلاحات کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات آسان ہو جاتی ہے کہ اسلام کے دونوں مکاتب فکر مدرسۂ خلافت و امامت کے افکار اور دلائل کا تجزیہ کیا جائے اور دیکھا جائے کہ امامت و خلافت کے بارے میں ان کے نظریات کی حیثیت کیا ہے۔ فی الحال مدرسۂ خلافت سے گفتگو کا آغاز کیا جا رہا ہے۔

مدرسۂ خلافت کا نظریہ اور اس کے دلائل

(۱) حضرت ابو بکر نے فرمایا:۔

"یہ امر قریش کے اس قبیلہ کے علاوہ کسی کے لئے پسند نہ کیا جائے گا۔ یہ نسب کے اعتبار سے اعلیٰ اور وطن کے اعتبار سے افضل ہیں۔ میں نے تمہارے لئے ابو عبیدہ اور عمر کو پسند کیا ہے تم ان میں سے جس کا جی چاہے بیعت کر لو۔" (بخاری کتاب الحدود باب رجم الحبلیٰ)۔

(۲) حضرت عمر کا فرمان:۔

"خبردار کوئی اس دھوکہ میں نہ رہے کہ یہ کہکر نکل جائے گا کہ ابو بکر کی بیعت ایک ناگہانی بیعت تھی اور تمام ہو گئی۔ بے شک وہ بیعت ایسی ہی تھی اور اللہ نے اس کے شر سے بچا لیا لیکن اب تم میں ابو بکر جیسا کوئی شخص نہیں ہے جس کی طرف گردنیں اٹھتی ہوں لہٰذا اگر کوئی شخص بغیر مسلمانوں کے مشورہ کے کسی کی بیعت کرے گا تو بیعت کرنے والا اور لینے والا دونوں قتل کر دیئے جائیں گے۔" (بخاری کتاب الحدود)۔

دونوں دلائل کا تجزیہ

ہم پہلے ابو بکر کی دلیل کا جائزہ لیں گے۔ اس کے بعد عمر کے اپنے بعد کے لئے شوریٰ کے نعرہ کا تجزیہ کریں گے۔ جہاں تک سقیفہ میں ابو بکر کے استدلال کا تعلق ہے ——— اس دن سارے دلائل قبائلی

ذہنیت کے گرد گھوم رہے تھے۔ انصار جنازۂ پیغمبرؐ کو گھر والوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر سقیفہ میں سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنانے گئے تھے تو انہوں نے بھی نہ کہا کہ سعد دوسرے لوگوں سے افضل ہیں بلکہ اپنی قوم کو یہی سمجھایا کہ لوگ تمہارے زیر سایہ ہیں لہذا خبردار تمہارے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ کر سکیں۔

اور قریش کے مہاجرین نے جب ان کا ساتھ دیا تو اسی منطق کے ساتھ کہ قریش خاندان کے اعتبار سے سارے عرب سے بہتر ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ ہم سے محمدؐ کی حکومت میں کون مقابلہ کرے گا۔ ہم ان کے گھر والے اور عشیرہ والے ہیں ــــــ پھر مرد انصاری نے جب یہ نعرہ دیا کہ ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک تم میں سے ــــ اور مرد مہاجر نے جواب دیا کہ ہم میں سے امیر ہوگا اور تم میں سے وزیر ــــــ تو سب "ہم اور تم" کی بات کر رہے تھے۔

یہی جذبہ اسد بن حضیر اور اس کی جماعت کے دل میں انگڑائیاں لے رہا تھا جب انہیں یہ خطرہ پیدا ہوا کہ سعد کی حکومت سے خزرج کو اوس پر برتری حاصل ہو جائے گی اور اس طرح جنگ بعاث کا انتظام ہو جائے گا جس کو بھی زیادہ زمانہ بھی نہیں گذرا ہے اور اسی بنیاد پر ان لوگوں نے یہ نعرہ دیا کہ خزرج کی حکومت اور افضلیت سے بہتر ہے کہ ابوبکر کی بیعت کر لی جائے۔

اور اس طرح قریش کے مہاجرین کو غلبہ حاصل ہو گیا کہ قبیلہ اسلم نے آکر مدینہ کی گلیوں کو بھر دیا اور سب نے ابوبکر کی بیعت کر کے مہاجرین کو انصار پر غالب بنا دیا اور عمر کو یہ حق پیدا ہو گیا کہ اس بیعت کو ایک حادثہ سے تعبیر کریں۔

بہر حال استدلال کے کتنے ہی رنگ بدلے جائیں۔ حقیقت امر یہ ہے کہ سقیفہ کا سارا فیصلہ قبائلی روح کے تحت ہوا ہے اور اس کے پیچھے قومیت کے علاوہ کوئی عنصر کارفرما نہیں تھا۔

اس کے بعد عمر کے استدلال کا تجزیہ اتباع مدرسہ خلافت کے دلائل کے ذیل میں کیا جائے گا اور اس کی واقعی حیثیت کا حساب لگایا جائے گا۔

(۳) مدرسہ خلافت کے افکار:۔

خلافت و حکومت کے بارے میں مدرسہ خلافت کے افکار کا خلاصہ ان نقاط میں بیان کیا جا سکتا ہے:۔

(۱) (الف) خلافت شوریٰ سے قائم ہوتی ہے۔
(ب) خلافت بیعت سے قائم ہوتی ہے۔
(ج) خلافت صحابہ کے طرز عمل کو اپنانے سے قائم ہوتی ہے۔
(د) خلافت قہر و غلبہ سے قائم ہوتی ہے۔

(۲) بیعت کے بعد خلیفہ کی اطاعت بہر حال واجب ہے چاہے وہ پروردگار کی معصیت ہی کیوں نہ کرے۔

(۴) شوریٰ سے استدلال کا تجزیہ:۔

سب سے پہلے خلافت کے قیام کے سلسلہ میں شوریٰ کا نام عمر بن الخطاب نے لیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ انہوں نے اس کی کوئی دلیل نہیں بیان کی کہ اسلام میں خلافت کا قیام شوریٰ سے ہو سکتا ہے۔

ان کے بعد مدرسہ خلافت کے پیروکاروں نے قرآن مجید کی دو آیتوں سے استدلال کیا ہے اور سرکار دو عالمؐ کے اس طرز عمل کو دلیل میں پیش کیا ہے کہ اکثر معاملات میں آپ اصحاب سے مشورہ فرمایا کرتے تھے اور پھر حضرت علیؑ کے ایک جملہ کا بھی سہارا لیا ہے۔

ہم پہلے ان دلائل کا جائزہ لیں گے۔ اس کے بعد عمر کے شوریٰ کا تجزیہ کریں گے۔

(ا) کتاب وسنت کے دلائل

(ا) قرآن مجید نے مومنین کے بارے میں فرمایا ہے کہ ــــــ "ان کے امور باہمی مشورہ سے طے ہوتے ہیں" (شوریٰ ۳۸)

(ب) رب العالمین نے رسول ص کو حکم دیا ہے کہ ــــــ "لوگوں سے امر میں مشورہ کرو" (آل عمران ۱۵۹)۔

(ج) رسول اکرم ص نے اہم امور میں اصحاب سے مشورہ کیا ہے۔

پہلے استدلال کے بارے میں گذارش ہے کہ سورہ شوریٰ میں اس جملہ کے بعد دوسرا جملہ ہے "وممارزقناھم ینفقون" ــــــــــــ

اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کام اچھے ہیں۔ ان میں وجوب کا کوئی اشارہ نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مشورہ وہاں صحیح ہے جہاں خدا ورسول ص کی طرف سے کوئی حکم نہ ہو ورنہ خداوند عالم نے صاف کہدیا ہے کہ کسی مومن یا مومنہ کو حق نہیں ہے کہ وہ خدا ورسول ؐ کے فیصلے کے بعد اپنے امر میں اپنا اختیار صرف کرے اور جو خدا ورسول ؐ کی نافرمانی کرے گا وہ کھلا ہوا گمراہ ہوگا۔ (احزاب ۳۵)۔

اور ہم عنقریب ذکر کریں گے کہ مسئلہ امامت میں خدا ورسول ؐ کا فیصلہ صادر ہو چکا ہے لہذا مشورہ کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔

دوسری آیت کے بارے میں عرض ہے کہ یہ آیت سورہ آل عمران کی ۱۵۹ آیت ہے اور اس سے پہلے اور بعد ۱۳۹ سے ۱۶۶ تک کے سلسلہ آیات کے درمیان وارد ہوئی ہے جس میں رسول اکرم ص کے غزوات اور آپ کی نصرت کا تذکرہ ہے اور بعض آیتوں میں عام مسلمانوں یا مجاہدوں سے خطاب کر کے انھیں موعظہ کیا گیا ہے اور بعض میں رسول اکرم ص سے خطاب ہے جس کے ذیل میں یہ فقرہ ہے ــــــ "یہ اللہ کی رحمت

ہے کہ آپ ان کے حق میں نرم ہیں ورنہ سخت مزاج ہوتے تو یہ سب چھوڑ کر بھاگ جاتے۔ اب انہیں معاف کر دیں اور ان کے حق میں استغفار کریں اور معاملات میں ان سے مشورہ کریں پھر جب آپ ارادہ کر لیں تو خدا پہ بھروسہ کریں۔ خدا توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

اس سلسلہ آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مشورہ صرف نرمی اور رحمت کے اظہار یعنی تالیف قلب کے لئے ہے اور اس میں ان کی رائے پر عمل کرنے کا کوئی حکم نہیں ہے بلکہ یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ جب آپ عزم کر لیں تو خدا پر بھروسہ کر کے اپنی رائے پر عمل کریں ——— اور مجموعی طور پر یہ واضح کیا گیا ہے کہ مشورہ کا رجحان غزوات میں ہے اور سرکارؐ نے مشورہ پر عمل بھی غزوات ہی کے معاملہ میں کیا ہے اور وہیں اصحاب سے مشورہ کیا ہے جیسا کہ آئندہ ذکر کیا جائے گا۔

رسول اکرمؐ کے اصحاب سے مشورہ کرنے کے بارے میں گذارش ہے کہ یہ سب مقامات جنگ کے ہیں اور ان میں نمایاں ترین موقع جنگ بدر کا ہے جس کا قصہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ ——— رسول اکرمؐ نے اصحاب کو دعوت دی کہ ابوسفیان کی قیادت میں شام سے واپس آنے والے قافلہ کا راستہ روکیں اور آپ صرف ۳۱۳ افراد کے ساتھ نکلے تھے جنہوں نے پورے قافلہ سے مقابلہ کرنے کی ہمت کا اظہار کیا تھا۔ اس وقت جنگ کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ ابوسفیان کو یہ خبر ملی تو اس نے قافلہ کا راستہ بدل دیا اور مکہ پہونچکر قریش سے فریاد کی۔ وہ لوگ ایک ہزار کا مسلح لشکر لے کر نکل پڑے۔ ابوسفیان اور قافلہ تو بچ کر نکل گیا۔ رسول اکرمؐ کے سامنے دو راستے رہ گئے یا سلامتی کے ساتھ مدینہ واپس چلے جائیں یا قریش کے اس مسلح لشکر سے مقابلہ کریں۔

ابن ہشام اپنی سیرت ۲، ۲۵۳ میں رقمطراز ہے کہ آپ کو قریش اور ان کی حرکت

کی اطلاع ملی تو آپ نے لوگوں سے مشورہ کیا۔ سب سے پہلے ابو بکر صدیق بولے اور خوب بولے۔ پھر عمر بن الخطاب بولے اور خوب بولے۔ پھر مقداد اٹھے اور انہوں نے کہا۔۔۔،،

واضح رہے کہ ابن ہشام نے مقداد اور انصار کی تقریر تو نقل کی ہے لیکن دونوں حضرات کیا خوب بولے اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔

صحیح مسلم میں واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ ابو بکر نے کچھ کہا تو آپ نے منہ پھیر لیا۔ پھر عمر نے کہا تو ان کی طرف بھی توجہ نہیں فرمائی تو مقداد اٹھ کھڑے ہوئے۔ (صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر غزدہ بدر ۳ ص ۱۴۰۳)۔

مسلم نے بھی روایت ناقص نقل کی ہے اور ابو بکر کا ارشاد نہیں نقل کیا ہے۔ ہم پورا واقعہ مغازی واقدی اور امتاع الاسماع مقریزی سے نقل کرتے ہیں۔ الفاظ واقدی کے ہیں۔

،،عمر نے کہا یا رسول اللہ! یہ قریش ہیں اور ان کی عزت ہے۔ یہ کبھی ذلیل نہیں ہوئے اور کفر کے بعد سے کبھی ایمان بھی نہیں لائے۔ یہ کبھی اپنی عزت کو نہیں گنوائیں گے اور آپ سے جنگ کریں گے لہذا پوری تیاری کیجیے اور سامان فراہم کیجیے اس طرح کا مقابلہ اچھا نہیں ہے ______ تو مقداد بن عمر اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ حکم خدا کے مطابق چلیں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم ہم بنی اسرائیل کی طرح نہ کہیں گے کہ موسیٰ اور ہارون جنگ کریں اور ہم بیٹھ کر تماشہ دیکھیں گے۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ آپ جہاد کریں ہم آپ کے ساتھ جہاد کریں گے۔ خدا کی قسم اگر آپ ہمیں برک الغماد تک لے چلیں گے تو ہم آپ کے ساتھ چلیں گے (برک الغماد مکہ سے ساحل کی طرف پانچ راتوں کا راستہ ہے اور یمن کی طرف آٹھ راتوں کا)۔

رسول اکرمؐ نے یہ سن کر مقداد کو دعائے خیر دی اور فرمایا کہ ،،ایہا الناس اب مجھے مشورہ دو،، گویا اب انصار مخاطب تھے۔ خیال یہ تھا کہ انصار گھر کے باہر مدد نہیں کر سکتے کہ

انہوں نے روزِ اول یہ شرط کی تھی کہ جس طرح اپنے نفوس اور اپنی اولاد کا تحفظ کرتے ہیں سرکار کا بھی تحفظ کریں گے۔ اس میں علاقہ سے باہر جہاد شامل نہیں تھا ـــــــ لیکن جب آپ نے مشورہ طلب کیا تو سعد بن معاذ کھڑے ہو گئے اور عرض کی کہ میں انصار کی طرف سے جواب دے رہا ہوں۔ شاید آپ کے مخاطب ہمیں لوگ ہیں تو سنئے ہم آپ پر ایمان لائے ہیں۔ آپ کی تصدیق کی ہے۔ آپ کے ہر پیغام کو حق مانا ہے۔ آپ سے عہد و پیمان کیا ہے کہ اطاعت کرتے رہیں گے تو پھر آپ آگے بڑھیں خدا کی قسم اگر آپ سمندر میں داخل ہو جائیں گے تو ہم بھی چھلانگ لگا دیں گے۔ آپ جس سے چاہیں تعلق پیدا کریں جس سے چاہیں قطع تعلق کریں۔ ہمارے اموال لے لیں۔ جو مال آپ نے لیں گے وہ اس سے بہتر ہو گا جو ہمارے پاس رہ جائے گا۔ اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں ہماری جان ہے ہم کبھی اس راستہ پر نہیں چلے اور نہ ہمیں اس کا علم ہے اور نہ یہ چاہتے ہیں کہ کل دشمن ہم سے ملاقات کرے۔ ہم جنگ میں صبر کرنے والے، مقابلہ میں ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ شائد ہمارے اعمال سے خدا آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک عطا کرے۔

محمد نے واقدی کے حوالے سے اور اس نے محمد بن صالح۔ عاصم بن عمر بن قتادہ۔ محمود بن لبید کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ سعد نے کہا ـــــــ "یا رسول اللہ! ہم اپنی قوم میں ایسے افراد کو چھوڑ کر آئے ہیں جن کی محبت آپ سے ہم سے بھی زیادہ ہے اور وہ زیادہ اطاعت گذار ہیں۔ جہاد کی رغبت اور نیت بھی رکھتے ہیں۔ انہیں اندازہ ہو جائے کہ آپ دشمن سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں تو کبھی پیچھے نہ رہیں گے۔ ان کا تو صرف یہ خیال تھا کہ خالی قافلہ کو روکنا ہے ہم آپ کے لئے ایک پناہ گاہ تیار کئے دیتے ہیں آپ وہاں تشریف رکھیں اور آپ کے لئے سواری بھی مہیا کئے دیتے ہیں کہ جانا چاہیں گے تو چلے بھی جائیں گے۔ ہم دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اگر خدا نے ہمیں کامیابی دی تو یہی ہمارا مدعا اور مقصد تھے۔

اور اگر ہم شکست کھا گئے تو آپ سواری پر سوار ہو کر چلے جائیں اور دوسرے افراد قوم آپ کی خدمت میں رہیں گے۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: انشاءاللہ خیر ہے " خدا اس سے بہتر فیصلہ کرے گا اے سعد ——— ! "

مورخین کا بیان ہے کہ جب سعد بن معاذ کا مشورہ تمام ہو گیا تو رسول اکرمؐ نے فرمایا ——— خدا کی برکت کے سہارے آگے بڑھو خدا نے مجھ سے دو میں سے ایک گروہ کا وعدہ کیا ہے۔ میں گویا قوم کا مقتل دیکھ رہا ہوں۔ بلکہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ آپ نے ہمیں ان کا مقتل دکھا بھی دیا اور فرمایا یہ فلاں کا مقتل ہے ——— یہ فلاں کی جگہ ہے۔ اور پھر ویسا ہی نکلا ——— آپ کے اس ارشاد کے بعد اندازہ ہوا کہ جنگ کرنا ہو گی اور قافلہ نکل جائے گا لیکن آپ کے قول کے مطابق نصرت الٰہی کی امید بھی قائم ہو گئی۔

(مغازی واقدی طبع آکسفورڈ ۱؍۴۸۔۴۹، امتاع الاسماع ۷۴۔۷۵)۔

یہ ہے رسول اللہ کا استشارہ جس میں اصحاب سے یہ مشورہ لیا جا رہا ہے کہ وہ کیا کریں گے اور رب العالمین خبر دے رہا ہے کہ عنقریب جنگ ہو گی اور انہیں کامیابی بھی حاصل ہو گی یہاں تک کہ دشمنوں کے مقاتل بھی بتا دیئے گئے اور جب قوم نے جہاد پر آمادگی ظاہر کی تو رسول اکرمؐ نے اصحاب کو ان قتل گاہوں کا مشاہدہ بھی کرا دیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اکرمؐ ان کی رائے سے استفادہ نہیں کرنا چاہتے ہیں بلکہ ایک طرح کی نرمی اور تالیف قلب کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور بتانا چاہتے ہیں کہ قافلہ جا چکا ہے اور اب مال تجارت پر قبضہ کرنے کے بجائے میدان جنگ میں اترنے کا معاملہ ہے اور تمہیں اس کے لئے آمادہ ہونا چاہیئے۔

اس کے بعد دوسرا قصہ میدان احد میں پیش آیا جہاں بقول مورخین سرکار نے اصحاب کی رائے پر عمل کیا اور اس کی تفصیل مغازی واقدی اور امتاع الاسماع

مقریزی میں اس انداز سے نقل کی گئی ہے کہ حضور منبر پر تشریف لے گئے اور حمد و ثنائے الہی کے بعد فرمایا ——— "ایہا الناس! میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ میں ایک مضبوط زرہ پہنے ہوں اور میری ذوالفقار کی دھار ٹوٹ گئی ہے اور ایک گائے ذبح ہو رہی ہے اور میں ایک دنبہ کا پیچھا کر رہا ہوں"

لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ اس کی تعبیر کیا ہے؟

فرمایا ——— مستحکم زرہ تو مدینہ ہے لہذا اس میں توقف کرو۔ تلوار کے ٹوٹنے کا مطلب یہ ہے کہ میرے نفس پر کوئی مصیبت آنے والی ہے۔ گائے ذبح ہونے کا مطلب میرے اصحاب کا قتل ہے اور دنبہ کا پیچھا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے سردار کو انشاءاللہ میں قتل کروں گا" (ایک روایت میں ذوالفقار ٹوٹنے کی تعبیر اپنے اہل بیتؑ میں سے ایک آدمی کا قتل مذکور ہے)۔

پھر آپ نے فرمایا ——— اب مجھے مشورہ دو ——— خود حضرت کی رائے تھی کہ مدینہ سے باہر نکلا جائے۔ عبداللہ بن ابیٔ اور اکابر صحابہ نے بھی اس سے اتفاق کیا تھا اور آپ نے فرمایا تھا کہ مدینہ میں توقف کرو۔ عورتوں اور بچوں کو مکانات میں محفوظ رکھو۔ اس کے بعد اگر دشمن گھر میں داخل ہوں گے تو ان سے مقابلہ کیا جائے گا۔ ویسے مدینہ کے مکانات آپس میں متصل ہونے کے اعتبار سے ایک قلعہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ گلیوں میں جنگ ہو گی تو چھتوں سے بھی حملہ کیا جا سکے گا۔

لیکن چند نوجوانوں نے جو بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اور انہیں شہادت کا شوق تھا اور دشمن سے مقابلہ کرنا چاہتے تھے یہ مطالبہ کیا کہ آپ وطن سے باہر نکلیں جناب حمزہ، سعد بن عبادہ، نعمان بن مالک بن ثعلبہ اور انصار کے ایک گروپ نے کہا کہ ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ دشمن ہمیں بزدل نہ سمجھ لے اور اس کے حوصلے بلند نہ ہو جائیں۔ بدر میں آپ صرف ۳۱۳ تھے اور خدا نے آپ کو کامیاب بنایا۔

آج تو ماشاء اللہ اچھی خاصی تعداد ہے۔ ہم آج کے دن کی آرزو کر رہے تھے۔ اب یہ موقع ہمارے گھر ہی میں آگیا ہے ؟

رسول اکرم ﷺ اگر چہ خروج کو پسند نہ کرتے تھے لیکن جب آپ نے مسلح افراد کا اصرار دیکھا اور حمزہ نے یہاں تک کہدیا کہ جس خدا نے آپ پر کتاب نازل کی ہے اس کی قسم اب اس وقت تک کھانا نہ کھاؤں گا جب تک مدینہ سے باہر ان سے جہاد نہ کر لوں۔ چنانچہ جمعہ اور ہفتہ دو دن روزہ رہا۔ ادھر ابو سعید خدری کے والد مالک بن سنان، نعمان بن مالک بن ثعلبہ، ایاس بن اوس بن عَتیکہ نے بھی باہر نکلنے کی بات کی تو اس اصرار شدید کو دیکھ کر حضرت نے نماز جمعہ کے بعد موعظہ فرمایا اور قوم کو صبر کے بعد کامیابی کی خبر سنائی۔ لوگ خروج سے خوش ہوئے لیکن بہت سے لوگوں کو یہ بات ناگوار گذری ——— پھر آپ نے نماز عصر پڑھائی اور عوالی تک کے لوگ جمع ہو گئے۔ عورتیں مکانات کی چھت پر چلی گئیں۔ حضرت بیت الشرف میں داخل ہوئے۔ آپ کے ساتھ ابو بکر و عمر بھی تھے۔ دونوں نے آپ کے سر پر عمامہ باندھا۔ لباس پہنایا۔ قوم نے حجرہ سے منبر تک صفیں باندھیں تو سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر نے لوگوں سے کہا کہ بالآخر تم لوگوں نے سرکار کو خروج پر مجبور کر دیا۔ حالانکہ حکم آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ اب معاملہ کو انہیں پر چھوڑ دو اور جس طرح کہیں اس طرح عمل کرو اور جو ان کی رائے یا خواہش ہو اسی کا اتباع کرو۔ ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ آپ لباس جنگ میں ملبوس، زرہ پہنے، کمر میں پٹکا باندھے، عمامہ سر پر، تلوار کمر میں، برآمد ہو گئے اب جو لوگ اصرار کر رہے تھے انہوں نے کہنا شروع کیا کہ ہم آپ کی مخالفت نہیں کر سکتے۔ آپ اپنی ہی رائے پر عمل فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہی بات میں نے کہی تھی تو تم نے انکار کر دیا اور اب میں نے لباس جنگ پہن لیا ہے اور نبی یہ لباس پہن کر اتارا نہیں کرتا جب تک خدا اس کے اور دشمنوں کے درمیان فیصلہ

نہ کر دے۔ اب میرے حکم کی اطاعت کرو اور نام خدا لے کر آگے بڑھو۔ تم نے صبر سے کام لیا تو کامیابی تمہاری ہے۔

رسول اکرم ﷺ کے قوم کے اصرار کو قبول کر لینے کی مصلحت یہ ہو سکتی ہے کہ آپ نے دیکھا کہ انکار میں خاطر شکنی اور حوصلہ شکنی ہے اور اس کے اثرات برے ہونگے۔ دلوں میں خوف وضعف کا احساس پیدا ہو جائے گا اور پھر کبھی آگے نہ بڑھیں گے۔ اس کے بعد دوبارہ مشورہ کو رد کر دیا کہ نبی ﷺ لباس جنگ پہنکر اتارا نہیں کرتا۔

تیسری مثال!

اصحاب کے مشورہ پر عمل کرنے کی جنگ خندق کی ہے

جس کے بارے میں واقدی اور مقریزی رقمطراز ہیں کہ دس سے زیادہ دن تک رسول اکرمؐ اصحاب سمیت محصور رہے یہاں تک کہ جب زحمت شدید ہو گئی تو آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ "پروردگار! ___ میں تیرے عہد کا حوالہ دیتا ہوں تو اگر چاہتا تو عبادت بھی نہ ہوتی"۔

اس کے بعد عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف جو قبیلہ غطفان کے سردار تھے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ مدینہ کی کھجور ایک تہائی لے لیں اور اپنے ساتھیوں سمیت واپس جائیں۔ ان لوگوں نے نصف کا مطالبہ کیا۔ آپ نے انکار کیا اور بالآخر تہائی پر راضی ہو گئے اور اپنے دس ساتھیوں کے ساتھ آئے۔ کاغذ اور روشنائی فراہم ہوئی اور عثمان بن عفان صلح نامہ لکھنے بیٹھے۔ عباد بن بشر آپ کے سرہانے تلوار لئے کھڑا تھا۔ اسید بن حضیر آگے بڑھے تو دیکھا کہ عیینہ دونوں پیر حضرت کی طرف پھیلائے بیٹھا ہے۔ اسید نے کہا لومڑی کے بچے! پیر سمیٹ لے۔ یہ سرکار ﷺ کی طرف پیر کیوں پھیلائے ہے ___ اگر یہ موجود نہ ہوتے تو میں نیزہ تیرے پہلوؤں میں چبھو دیتا ___

اے سرکار! اگر حکم خدا ہے تو مجبوری ہے عمل کریں ورنہ اگر حکم نہیں ہے تو ان سے تلوار ہی سے فیصلہ ہوگا۔ دشمنو! تمہیں یہ طمع کہاں سے پیدا ہوگئی؟

رسول اکرمؐ نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کو بلا کر خفیہ طور سے مشورہ کیا دونوں نے کہا کہ اگر صلح کے لئے امر خدا ہے تو خیر ——— اور آپ کی کوئی ذاتی خواہش ہے تو خیر ——— ورنہ رائے تو صرف تلوار کی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ سارے عرب ایک کمان سے تیر اندازی کر رہے ہیں تو میں نے چاہا کہ انہیں راضی کرلوں اور جنگ کی نوبت نہ آئے۔

دونوں نے عرض کی کہ جاہلیت میں جب یہ ذلیل ترین غذا کھایا کرتے تھے اس وقت ان میں ایک کھجور لینے کی ہمت نہ تھی جب تک قیمت نہ دیں یا مہمان نہ بن جائیں اور آج جب پروردگار نے ہم لوگوں کو آپ کے طفیل میں کرامت عطا کر دی ہے تو ہم اس پستی کو گوارا کرلیں۔ انہیں تلوار کے علاوہ کچھ نہیں دیا جاسکتا۔

آپ نے فرمایا کہ پھر صحیفہ چاک کر دیا جائے ——— سعد نے اسے چاک کر دیا۔ عیینہ اور حارث اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ اب تلوار سے فیصلہ ہوگا اور یہ بات باآواز بلند فرمائی۔

اس واقعہ میں سرکار دو عالمؐ کی گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ دشمنوں کے درمیان افتراق پیدا کرنا چاہتے تھے اس لئے آپ نے بلند آواز سے فرمایا کہ جاؤ اب تلوار درمیان میں رہے گی تاکہ یہ خبر قریش تک پہونچے اور ان میں اختلاف ہو جائے۔

اس کے بعد آپ نے نعیم بن مسعود کو اس کام پر مامور کیا اور انہوں نے بنی قریظہ اور قریش کے درمیان پھوٹ ڈال دی اور اس کا نتیجہ تھا کہ ان کے حوصلے پست ہوگئے اور وہ شکست کھا گئے۔

(مغازی ۱/ ۲۳۵ ۔ ۲۳۷، امتاع الاسماع ص ۲۳۵ ۔ ۲۳۶)۔

ان تمام مشوروں کی داستان پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ کسی مشورہ میں سرکار دو عالمؐ اصحاب کی رائے سے استفادہ نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ کہیں انہیں مشورہ کا سلیقہ تعلیم کر رہے تھے کہ وہ اس کے مطابق عمل کریں جیسا کہ بدر میں ہوا کہ پروردگار نے انہیں انجام سے باخبر کر دیا تھا اور آپ نے یہی بات مشورہ کے بعد اصحاب کو بتا دی اور انہیں قریش کے مقتل تک دکھلا دیئے جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ آپ مسلمانوں کو مشاورت کے ذریعہ وہ کام سکھانا چاہتے تھے جس پر انہیں عمل کرنا تھا اور اپنی بات سلاطین و امراء کے حکم کے طور پر نہیں بیان کرنا چاہتے تھے کہ میں اس ملک کا حاکم ہوں۔ اور یہ فرمان شاہی ہے ____ آپ نے اپنے فرمان کو مشورہ کے انداز سے پیش فرمایا جس پر آیت کا ابتدائی حصہ واضح دلیل ہے کہ خدا کی رحمت سے آپ ان کے لئے نرم ہیں ورنہ اگر آپ سخت مزاج ہوتے تو سب آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔ اب انہیں معاف کر دیں۔ ان کے لئے استغفار کریں اور ان سے امر میں مشورہ کریں۔

گویا مشورہ نرمی کے مصادیق میں سے ایک مصداق ہوگا جس سے ظاہر ہوگا کہ آپ قوم کے لئے ایک رحمت ہیں۔

کبھی مشورہ کا مقصد نرمی کے اظہار کے علاوہ نفوس کی تربیت ہوتا ہے جیسا کہ جنگ احد میں ہوا کہ پہلے مشورہ کیا اور لباس جنگ پہن لیا اور اس کے بعد جب وہ اصرار پر نادم ہو گئے اور رسولؐ ہی کی رائے پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ پہلے تم نے نہیں مانا۔ اب میں لباس جنگ نہیں اتار سکتا۔

یعنی پہلے تمہاری بات صرف اس لئے مان لی تھی کہ تمہارے نفوس پر برا اثر نہ پڑے اور تم میں ضعف و تردد نہ پیدا ہو جائے کہ آئندہ اقدام جنگ بھی نہ کر سکو۔

☆

(۲) بیعت سے استدلال کا تجزیہ

سابق میں بیان کیا جا چکا ہے کہ بیعت بیع و شرا کے مانند طرفین کی رضامندی اور اختیار سے ہوتی ہے۔ اس میں جبر یا تلوار کی دھار کا دخل نہیں ہوتا ہے۔

بیعت معصیت میں نہیں ہوتی۔

بیعت مخالفت حکم خدا میں نہیں ہوتی۔

بیعت گنہگار اور عاصی کی نہیں ہوتی۔

اور یہ بھی واضح کیا جا چکا ہے کہ سب سے پہلی بیعت رسول اکرمؐ کے بعد ابوبکر کی خلافت کی بیعت تھی اور اسی بیعت پر عمر کی بیعت کی صحت کا دارومدار ہے کہ ان کی بیعت ابوبکر ہی کے حکم سے ہوئی ہے اور پھر عثمان کی بیعت کی صحت کا دارومدار عمر کی بیعت پر ہے کہ انہوں نے عبدالرحمٰن کے ذریعہ عثمان کی بیعت کا انتظام کیا تھا اور مخالف کے قتل کا حکم دیا تھا۔

اور یہ دیکھا جا چکا ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں ابوبکر کی بیعت کس دھوکا دھڑی سے ہوئی ہے اور اس کی تقویت مدینہ کی گلیوں میں قبیلہ بنی اسلم کی موجودگی سے کس طرح ہوئی ہے۔ پھر در سیدہؑ پر کس طرح آگ لگانے کا انتظام ہوا ہے صرف اس لئے کہ بیعت کے منکروں نے وہاں پناہ لے لی تھی اور پھر بنی ہاشم میں کسی نے بھی حیات جناب سیدہؑ تک بیعت نہیں کی۔

مدینہ کے باہر بھی بیعت کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جس نے انکار کیا اور عمال کو زکوٰۃ دینے سے منع کر دیا اسے قتل کر دیا گیا۔ اموال چھین لئے گئے۔ عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ جس طرح کہ مالک بن نویرہ اور ان کے قبیلہ تمیم کے ساتھ برتاؤ ہوا کہ خالد بن ولید نے راتوں رات دھاوا بول دیا اور یہ کہا کہ ہم مسلمان ہیں۔ مالک کے خاندان نے کہا کہ ہم بھی مسلمان ہیں۔ خالد کے لشکر نے کہا کہ اگر مسلمان ہو تو اسلحہ رکھدو۔

ان لوگوں نے اسلحے رکھ دیئے اور خالد کے لشکر کے ساتھ نماز بھی ادا کی۔ (طبری طبع یورپ ۱/۲۷۔۱۹۲۸، یعقوبی طبع بیروت ۲/۱۱۰)۔

اس کے بعد خالد کے سامنے پیش کیے گئے اور اس نے مالک کے قتل کا حکم دیدیا۔ مالک نے اپنی زوجہ کی طرف دیکھ کر خالد سے کہا کہ اصل میں میرے قتل کا سبب اس کا حسن وجمال ہے۔ خالد نے جواب دیا کہ سبب تمہارا اسلام سے پلٹ جانا ہے۔ مالک نے کہا کہ میں بالکل اسلام پر ہوں ________ لیکن انہیں قتل کر دیا گیا اور ان کے سر کو چولہے کی جگہ استعمال کیا گیا اور خالد نے اسی رات ان کی زوجہ ________ جبکہ مالک کی لاش دفن بھی نہیں ہوئی تھی (عدت کا کیا ذکر ہے)۔ (ابوالفداء ص۱۵۸ وفیات الاعیان ترجمہ وثیمہ۔ فوات الوفیات، عبداللہ بن سبا طبع بیروت ۱۴۰۳ھ ج ۱ ص۱۸۵-۱۹۱)

۴

یہی حال کندہ کے قبائل کا ہوا کہ زیاد بن لبید البیاضی عامل ابوبکر نے کندہ کے ایک شخص کے اونٹ پر قبضہ کر کے اس پر صدقہ کی مہر لگا دی۔ اس نے فریاد کی کہ دوسرا لے لیجئے زیاد نے کہا کہ اب تو مہر لگ چکی ہے (فتوح البلدان ردہ بنی ولیعہ)۔ اس نے کندہ کے سرداروں میں ایک شخص جس کا نام حارثہ بن سراقہ تھا، اس سے فریاد کی کہ زیاد نے میرے اونٹ پر قبضہ کر کے اس پر صدقہ کی مہر لگا دی ہے۔ مجھے اس اونٹ سے بڑی محبت ہے۔ آپ میری سفارش کر دیں کہ اسے چھوڑ دے چاہے دوسرا اونٹ لے لے۔ حارثہ نے زیاد سے گفتگو کی کہ اس کو واپس کر کے دوسرا لیلو بڑی مہربانی ہوگی؟ زیاد نے کہا کہ اب مہر لگ چکی ہے۔ گفتگو آگے بڑھ گئی اور حارثہ نے اونٹ پکڑ کر اس جوان کے حوالے کر دیا اور کہا جاؤ۔ اب کوئی بولے گا تو تلوار سے ناک کاٹ لوں گا۔ ہم نے زندگی بھر سرکار دو عالم ص کی اطاعت کی ہے ان کے بعد ان کے خاندان کا کوئی شخص ہوتا تو اطاعت کرتے۔ ابوبکر کی کوئی بیعت ہماری گردن پر نہیں ہے۔ اس کے بعد چند اشعار پڑھے۔

"ہم نے رسول اللہ کی اطاعت کی جب تک ہمارے درمیان رہے۔ اب وہ دنیا سے جا چکے ہیں۔ خدا ان پر رحمت نازل کرے۔ انہوں نے اپنا جانشین نامزد نہیں کیا۔"

زیاد نے صدقہ کا اونٹ مدینہ روانہ کر دیا اور اس کے بعد خود بھی جا کر ابو بکر کو رپورٹ پیش کی۔ انہوں نے چار ہزار سپاہی تیار کر کے زیاد کے ساتھ روانہ کر دیئے۔ زیاد حضر موت جا رہا تھا اور راستہ میں کندہ کے قبائل کو قتل کرتا اور قیدی بناتا جا رہا تھا جس طرح کہ بنی ہند پر حملہ کر کے ایک جماعت کو تہ تیغ کر دیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔ یہاں تک کہ کندہ کے قبیلہ بنی عاقل تک پہونچے اور اچانک حملہ کر دیا۔ عورتوں کی صدائے فریاد بلند ہو گئی اور مردوں سے تھوڑی دیر معرکہ رہا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ شکست خوردہ ہو گئے اور زیاد نے عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔ یہی حال بنی حجر کا ہوا کہ ان پر راتوں رات شبخون مارا اور دو سو افراد کو قتل کر کے پچاس کو قیدی بنا لیا۔ باقی افراد فرار کر گئے اور عورتیں اور بچے اسیر ہو گئے۔

اس کے بعد اشعث بن قیس نے مقابلہ کیا اور شہر تیم میں لشکر کا محاصرہ کر کے تمام عورتوں اور بچوں کو چھڑا کر ان کے گھر واپس کر دیا۔ جس کے بعد ابو بکر نے اشعث کو راضی کرنے کے لئے ایک خط بھیجا۔ جسے پڑھ کر اشعث نے قاصد سے کہا کہ "تمہارا صاحب ابو بکر ہمیں اپنی مخالفت کے اوپر کافر قرار دیتا ہے اور خود میری قوم اور برادری کو قتل کر کے اپنے کو کافر نہیں سمجھتا۔"

قاصد نے جواب دیا: بے شک اشعث! تم پر کفر لازم آتا ہے اس لئے کہ تم نے مسلمانوں کی جماعت سے اختلاف کیا ہے اور ایسے آدمی کو خدا کافر کہتا ہے۔

یہ سننا تھا کہ اشعث کی برادری کے ایک جوان نے قاصد پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا اور اشعث نے اس عمل کی تعریف کی جس سے ان کے اصحاب برگشتہ ہو گئے اور اب صرف دو ہزار سپاہی باقی رہ گئے۔ زیاد نے ابو بکر کو صورت حال کی اطلاع

دی کہ قاصد قتل ہو چکا ہے اور باقی سب محاصرہ میں ہیں۔

ابوبکر نے مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ ابوایوب انصاری نے کہا کہ قوم کے افراد زیادہ ہیں اور وہ جمع کرنا چاہیں تو بہت بڑی تعداد جمع کر سکتے ہیں لہذا مناسب یہ ہے کہ اس سال لشکر کو واپس بلالیا جائے۔ انشاء اللہ آئندہ سال وہ لوگ خود زکوٰۃ ادا کریں گے۔

ابوبکر نے کہا کہ اگر یہ لوگ رسول ص کے مقرر کردہ نصاب میں سے ایک رسی بھی کم کریں گے تو میں ان سے تاحیات جنگ کروں گا اور یہ کہکر عکرمہ بن ابی جمیل کو لکھا کہ اہل مکہ کا ایک لشکر لے کر زیاد کی حمایت کو نکل پڑے اور راستہ میں افراد جمع کرتا رہے۔

عکرمہ قریش کے دو ہزار سپاہیوں سمیت نکل پڑا اور جب مارب کے قریب پہونچا تو اہل دبا نے راستہ روکا کہ ہم اپنی برادری سے جنگ کے لئے نہ جانے دیں گے اور ابوبکر کے عامل کو نکال باہر کیا۔ ابوبکر نے پھر لکھا کہ سفر جاری رہے اور کسی طرح کی کوتاہی نہ کی جائے اور قیدیوں کو یہاں بھیج دیا جائے۔

عکرمہ نے اوامر پر عمل کیا۔ لوگوں سے جنگ کی اور ان کا محاصرہ کر لیا۔ ان لوگوں نے صلح کر کے زکوٰۃ ادا کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ عکرمہ نے حکم قبول کرنے کی شرط لگائی۔ ان لوگوں نے اسے بھی منظور کر لیا۔

عکرمہ قلعہ میں داخل ہوا اور تمام اشراف کو باندھ کر تہ تیغ کر دیا۔ عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا، اموال پر قبضہ کر لیا اور باقی ماندہ افراد کو ابوبکر کے پاس بھیج دیا۔

ابوبکر نے چاہا کہ مردوں کو قتل کر کے عورتوں اور بچوں کو تقسیم کر دیا جائے۔ عمر نے اعتراض کیا کہ ——— "قوم دین اسلام پر ہے اور قسم کھا رہی ہے کہ ہم نے دین سے انحراف نہیں کیا ہے لہذا قتل نہ کیا جائے۔"

ابوبکر نے سب کو قید کر دیا۔ یہاں تک کہ ان کے انتقال کے بعد عمر نے آزاد کر دیا۔

عکرمہ جب زیاد تک پہونچا تو اشعث کے بارے میں معلوم ہوا۔ اس نے قلعہ "بخیر" میں سب کو جمع کر دیا اور قلعہ بند ہو گیا۔ کندہ کے قبائل جو اشعث سے منحرف ہو گئے تھے۔ انہیں صورت حال کی اطلاع ہوئی تو قومی غیرت بیدار ہو گئی اور کہا کہ ہم اپنی قوم کو محاصرہ میں نہ رہنے دیں گے اور زیاد کے مقابلے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے زیاد یہ دیکھ کر پریشان ہو گیا ـــــــ عکرمہ نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آپ محاصرہ کئے رہیں اور میں مقابلہ کے لئے آگے بڑھتا ہوں ـــــــ زیاد نے کہا رائے بہت مناسب ہے لیکن اس کا خیال رکھنا کہ جب کامیابی حاصل ہو جائے تو ایک ایک فرد کا خاتمہ کر دینا۔

عکرمہ نے کہا کہ میں اپنے امکان تک کسی طرح کی کوتاہی نہ کروں گا۔

یہ کہکر عکرمہ روانہ ہوا اور قوم تک پہونچ گیا۔ مقابلہ سخت رہا اور اشعث حالات سے بالکل بے خبر رہا۔ یہاں تک کہ اشعث کی قوم کا محاصرہ اتنا طویل ہو گیا کہ لوگ بھوک پیاس سے مرنے لگے اور اشعث نے زیاد سے امان طلب کی۔ اپنے اپنے گھر والوں اور قوم کے دس نمایاں افراد کے لئے ـــــــ زیاد نے اس تحریر کو عکرمہ کے پاس بھیجدیا۔ عکرمہ نے قبائل کندہ کو خبر کی اور انہیں وہ تحریر دکھادی جس کے بعد مقابلہ ختم ہو گیا اور سب واپس چلے گئے۔

زیاد قلعہ میں داخل ہوا اور سب کو باندھ باندھ کر قتل کر دیا۔ اسی درمیان ابوبکر کا حکم پہونچا کہ جو لوگ اطاعت کے لئے تیار ہو گئے ہیں انہیں مدینہ بھیج دیا جائے۔

زیاد نے باقی ماندہ افراد کو لوہے میں جکڑ کر مدینہ روانہ کر دیا۔ (فتوح البلدان بلاذری معجم البلدان حموی مادہ حضرموت، فتوح اعثم ۱؍۵۷۔۸۵)۔

اس طرح ابوبکر کی بیعت کی داستان مکمل ہو گئی جسے عمر نے ناگہانی

بیعت سے تعبیر کیا اور جس پر تمام خلافتوں کا دار و مدار ہے اور اسی بیعت کو خلافت کی صحت کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

(۳) عمل اصحاب سے استدلال کا تجزیہ

عمل اصحاب سے استدلال اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب یہ طے ہو جائے کہ اصحاب کا عمل بھی قرآن و سنت کے مقابلہ میں ایک مستقل مدرک احکام شریعت ہے اور ان کے بارے میں بھی قرآن مجید کی کوئی ویسا ہی ارشاد ہے جیسا کہ خود رسول اکرمؐ کے بارے میں ہے ـــــــ "تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے" ـــــــ "جو کچھ رسول تمہیں دے دے اسے لے لینا اور جس چیز سے منع کر دے اس سے رک جانا" ـــــــ اور اگر ایسا نہیں ہے تو ان کا عمل کسی قیمت پر حجت اور سند نہیں ہو سکتا ـــــــ پھر ایک دشواری یہ بھی ہے کہ ہم اصحاب میں سے کس کے عمل کو سند قرار دیں۔ ان میں تو آپس میں بھی شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔

پھر علماء میں بھی نظام اسلام کے قیام کے بارے میں بے پناہ اختلافات پائے جاتے ہیں کہ وہ ایک آدمی کی بیعت سے قائم ہو سکتا ہے جس طرح عباس نے حضرت علیؑ سے کہا تھا کہ آپ ہاتھ بڑھایئے میں بیعت کئے لیتا ہوں ـــــــ یا ناگہانی حادثہ سے قائم ہوتا ہے جیسا کہ عمر نے کہا کہ ابوبکر کی بیعت ایک حادثہ تھی ـــــــ یا معاویہ کی طرح تلوار کھینچنے سے قائم ہوتا ہے کہ اس نے جائز خلیفہ کے خلاف قیام کو بھی جائز قرار دے لیا۔

اس سے زیادہ اس موضوع پر تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ حضرت علیؑ کے اس ارشاد کا تجزیہ کیا جائے جس سے شوریٰ بیعت

اور عمل اصحاب کی شرعی حیثیت پر استدلال کیا جاتا ہے۔

سید شریف رضی نے نہج البلاغہ کے حصہ مکتوبات میں حضرت علیؑ کے ایک خط کا ذکر کیا ہے جو آپ نے معاویہ کے نام لکھا تھا ——— "یاد رکھ، میری بیعت اس قوم نے کی ہے جس نے ابو بکر و عمر و عثمان کی بیعت کی تھی اور اسی انداز پر کی ہے کہ نہ حاضر کو رائے دینے کا حق ہو اور نہ غائب کو رد کرنے کا اختیار ہو۔ شوریٰ صرف مہاجرین اور انصار کے لئے ہے۔ اگر وہ کسی شخص پر اجماع کر لیں اور اسے امام کہدیں تو یہی اللہ کی پسند ہو جاتا ہے کہ اس کے بعد کوئی شخص اعتراض کرے یا بدعت ایجاد کرے تو اسے مرکز کی طرف واپس لایا جائے گا اور انکار کرے گا تو اس سے جنگ کریں گے کہ اس نے مومنین کے راستہ کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کیا ہے۔"

کہا جاتا ہے کہ امام علیہ السلام نے اس خط میں معاویہ کے مقابلہ میں بیعت شوریٰ اور اجماع مہاجرین و انصار سے استدلال کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اقامت حکم اسلامی کے لئے ان اصولوں کو جائز سمجھتے تھے۔

لیکن اس کا واضح سا جواب یہ ہے کہ سید رضی علیہ الرحمۃ نے اکثر مقامات پر امام علیہ السلام کے خطبوں اور مکتوبات کے مختصر اقتباسات نقل کئے ہیں اور مکمل خطبہ یا خط نقل نہیں کیا اس لئے کہ ان کا موضوع نہج البلاغہ تھا لہذا جن فقرات کو بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر محسوس کیا ان کا انتخاب کر لیا اور باقی حصہ کو ترک کر دیا۔ اور یہی صورت حال اس خط کے ساتھ ہوئی ہے جس کا مکمل متن نصر بن مزاحم کی کتاب صفین میں اس طرح درج کیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اما بعد

میری بیعت مدینہ میں تیرے لئے لازم القبول ہے اگرچہ تو شام میں ہے

اس لئے کہ میری بیعت اسی قوم نے کی ہے جس نے ابوبکر و عمر و عثمان کی بیعت کی تھی......

یاد رکھ طلحہ و زبیر نے میری بیعت کر کے اسے توڑ دیا ہے اور ان کا توڑ دینا مثل رد کر دینے کے ہے لہذا میں نے ان سے جہاد کیا یہاں تک کہ حق نمایاں ہو گیا اور امر الٰہی غالب آگیا۔ اگرچہ یہ بات ان لوگوں کو ناگوار تھی۔ اب تو بھی اسی زمرہ بیعت میں داخل ہو جا جس میں سارے مسلمان داخل ہو چکے ہیں اس لئے کہ میری نظر میں بہترین بات عافیت ہے مگر یہ کہ تو بلاء کے لئے آمادہ ہو جائے تو اس کے بعد تجھ سے بھی جنگ کرونگا اور خدا سے طالب امداد رہوں گا۔ تو نے عثمان کے قاتلوں کے بارے میں بڑا ہنگامہ کر رکھا ہے۔ پہلے مسلمانوں کی طرح میری بیعت میں داخل ہو جا اس کے بعد مقدمہ دائر کر۔ میں تجھے اور انہیں دونوں کو حکم خدا پر عمل کرنے پر آمادہ کروں گا۔ لیکن جو تو چاہتا ہے وہ بچہ کو دودھ کا دھوکہ ہے۔ خدا کی قسم اگر تو خواہشات کے بجائے عقل کی نظر سے دیکھتا تو قریش میں سب سے زیادہ قتل عثمان سے پاکدامن مجھے پاتا۔ یہ بھی یاد رکھ کہ تو طلقاء (آزاد کردہ) میں سے ہے اور ان کے لئے خلافت رسول ؐ جائز نہیں ہے اور نہ ان میں شوریٰ ہو سکتا ہے۔ میں نے تیرے دیار کی طرف جریر بن عبد اللہ کو بھیجا جو صاحب ایمان اور مہاجر ہیں۔ تیرا فرض ہے کہ ان کی بیعت کرے اور ساری قوت کا سرچشمہ ذات واجب ہے۔"

اس عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام معاویہ پر ان اصولوں سے استدلال کرنا چاہتے ہیں جنہیں اس کی برادری کے لوگ تسلیم کر چکے ہیں۔ اور اسی لئے آپ نے سابق حکومتوں اور بیعتوں کی پوری کیفیت اور اس کے احکام کا تذکرہ کر دیا ہے کہ اس کے بعد مدینہ اور شام کا مسئلہ بھی نہ رہ جائے اور یہ طریقہ استدلال اہل علم کے نزدیک رائج و جاری ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے انصار و مہاجرین کے اجتماع کو رضا کی سند قرار دیا ہے جس کے ساتھ بعض کتابوں میں خدا کی رضا کا ذکر بھی ہے اور بعض میں صرف رضا کا ذکر ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ امام عوام کا پسندیدہ ہو گا اگر بیعت رضامندی سے ہو اور اس میں کسی طرح کا جبر و قہر شامل نہ ہو اور خدا کا پسندیدہ ہو گا اگر تمام انصار و مہاجرین اجتماع و اتفاق کر لیں جن میں خود حضرت علیؑ، حضرات حسنؑ و حسینؑ اور تمام بنی ہاشم بھی شامل ہیں تو ان کے اتفاق کے بعد رضائے الٰہی کا تصور بعید نہیں ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ ان حضرات کو نہج البلاغہ کے یہ چند فقرات یاد رہ گئے اور وہ سارے خطبات و کلمات و مکتوبات فراموش ہو گئے جن میں آپ نے حکومت پر سخت تنقید کی ہے اور انہیں صراحتاً ناجائز قرار دیا ہے جیسا کہ باب الحکم میں پایا جاتا ہے کہ جب آپ کے پاس سقیفہ کی خبریں آئیں تو آپ نے پوچھا کہ آخر انصار نے کیا کہا تو لوگوں نے بتایا کہ ان کا مطالبہ تھا کہ ایک امیر ہمارا ہو گا اور ایک تمہارا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ سرکار دو عالمؐ کی وصیت ہے کہ انصار کے نیک کردار کے ساتھ احسان کیا جائے اور بدکردار کو معاف کر دیا جائے۔"

لوگوں نے عرض کی کہ اس میں کون سا استدلال ہے؟

فرمایا اگر حکومت ان کا حق ہوتا تو ان سے وصیت کی جاتی۔ ان کے بارے میں وصیت نہ کی جاتی۔

اس کے بعد فرمایا کہ پھر قریش نے کیا جواب دیا؟

لوگوں نے عرض کی کہ انہوں نے شجرۂ رسولؐ سے استدلال کیا کہ ہم لوگ سرکار کے شجرہ سے تعلق رکھتے ہیں؟

فرمایا: افسوس! شجرہ سے استدلال کیا اور ثمرات کو ضائع کر دیا۔

اس کے بعد باب الحکم ہی میں فرمایا ہے ــــــــ "انتہائی تعجب خیز ہے یہ بات کہ خلافت صحابیت اور قرابت سے طے کی جائے" ــــــــ جس کے ذیل میں سید رضیؒ نے حضرت کے ان اشعار کا حوالہ دیا ہے کہ ــــــــــــــــــــ

"اگر تم لوگوں نے حکومت شوریٰ کے ذریعہ حاصل کی ہے تو یہ شوریٰ کیسا تھا جس کے اصلی مشیر حاضر نہ تھے اور اگر قرابت کے ذریعہ استدلال کیا ہے تو تمہارا غیر (میں) نبی سے کہیں زیادہ اولی اور اقرب ہے"

اور اس کا سب سے زیادہ واضح بیان خطبہ شقشقیہ ہے۔ جس میں خلافت کی پوری صورت حال واضح کر دی گئی ہے کہ ــــــــــــــــــــ

"خدا کی قسم ابن ابی قحافہ نے خلافت کی قمیص کو کھینچ تان کر پہن لیا ہے حالانکہ اسے معلوم ہے کہ خلافت میں میری جگہ مرکز و محور کی ہے۔ سیلاب علم کا سرچشمہ میری ذات ہے اور طائر فکر میری بلندی تک نہیں پہونچ سکتے۔ میں نے حالات دیکھ کر خلافت پر پردہ ڈال دیا اور اس سے پہلو تہی کر لی اور اب یہ سوچنے لگا کہ کٹے ہاتھوں سے مقابلہ کروں یا تاریک ترین حالات پر صبر کروں تو میں نے یہ فیصلہ کیا کہ صبر ہی مطابق عقل ہے۔ حالانکہ یہ تاریکی اتنی طویل تھی کہ بچے بوڑھے ہو جائیں اور بوڑھے بالکل ناکارہ ہو جائیں اور صاحب ایمان زحمتیں برداشت کر کے اللہ کی بارگاہ میں پہونچ جائیں۔ پھر بھی میں نے صبر کیا حالانکہ میری آنکھوں میں کھٹک تھی اور میرے حلق میں گویا ایک ہڈی پھنس گئی تھی۔ میں دیکھ رہا تھا کہ میری میراث لٹ رہی ہے۔ یہاں تک کہ پہلا اپنے راستے چلا گیا اور اس نے معاملہ کو دوسرے کے حوالہ کر دیا۔ بقول اعشیٰ۔

"ایک یہ دن تھا جب میں اونٹ کی پشت پر حیران و سرگرداں پھرتا تھا اور ایک حیان برادر جابر کا دن ہے کہ وہ عیش کر رہا ہے"

(حیان بنی حنیفہ کا سردار تھا اور اعشیٰ یعنی ابوبصیر میمون بن قیس بن جدل اس کا مصاحب تھا۔ جابر حیان کا چھوٹا بھائی تھا۔)

حیرت کی بات ہے کہ یا تو وہ خود استعفا دے رہا تھا کہ میں اس قابل نہیں ہوں یا اپنے بعد کا انتظام بھی کر دیا۔ دونوں نے خوب مل کر دُوہا ہے۔ اول نے خلافت کو ایسی سخت طبیعت والے کے حوالے کیا جس کا زخم کاری۔ ظاہر درشت، لغزش زیادہ، معذرت بے پناہ اب صورت حال یہ ہو گئی کہ جیسے کوئی انسان سرکش اونٹ پر سوار ہو کہ اگر نکیل کھینچ لے تو ناک زخمی ہو جائے اور ڈھیلی چھوڑ دے تو بھی ہلاکت میں کود پڑے۔ خدا کی قسم لوگ عجیب بے راہ روی، سرکشی، نیرنگی، کجروی کا شکار ہو گئے۔ میں نے ایک طویل مدت اور شدید زحمت کے باوجود صبر کیا ــــ یہاں تک کہ وہ بھی اپنے راستے سدھار گیا تو اس نے کام کو ایک جماعت کے حوالے کیا۔ جس کی ایک فرد اس کے خیال میں بھی تھا۔ اے خدا یہ کیسا مشورہ ہے؟ ان کے پہلے کے مقابلہ میں مجھ میں کیا شک و شبہ تھا کہ اب مجھے ان لوگوں کے ساتھ ملا یا جا رہا ہے۔ لیکن میں نے بلند و پست سب میں ہمراہی سے کام لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک (سعد) اپنی عداوت کا شکار ہو گیا اور دوسرا (عبدالرحمٰن) اپنے کمر بندی رشتہ کی طرف چلا گیا اور ایسے دیگر اسباب بھی سامنے آئے اور تیسرا شخص پیٹ پھلائے۔ مغرور و متکبر شکم پُری کی ہوس لیئے ہوئے اٹھا اور اس کے ساتھ اس کا خاندان اٹھا جس نے مال خدا کو بہار کی گھاس کی طرح منہ بھر کر کھایا۔ یہاں تک کہ سب تانے بانے بکھر گئے اور اپنی ہی بدعملی الٹی پڑ گئی، بد ہضمی نے ٹھوکر لگائی اور انجام خراب ہو گیا۔ اب لوگ میری طرف ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ میرے فرزند یا انگوٹھے کچل گئے۔ ردا پارہ پارہ ہو گئی اور جیسے ہی میں نے ان کی درخواست قبول کر کے قیام کیا۔ ایک جماعت نے بیعت توڑ دی۔ دوسری دین سے خارج ہو گئی۔ تیسری نے ظلم و ستم کی ٹھان

لی اور گویا کسی نے قرآن کی یہ آیت نہیں سنی ـــــــ یہ دارِ آخرت انہیں لوگوں کے لئے ہے جو زمین میں بلندی اور فساد نہیں چاہتے اور انجام کار صاحبان تقویٰ کے لئے ہے ـــــــ ہاں ـــــ بے شک ان لوگوں نے آیت سنی ہے اور اسے سمجھا بھی ہے لیکن دنیا ان کی نظروں میں سما گئی اور اس کی زینت و زیبائش پر ریجھ گئے ـــــــ قسم اس خدائے پاک کی جس نے دانہ کو شگافتہ کیا ہے اور جاندار کو پیدا کیا ہے۔ اگر حاضرین کی موجودگی نہ ہوتی اور مددگاروں کی وجہ سے حجت تمام نہ ہو جاتی تو میں خلافت کی رسی اس کی گردن پر ڈال دیتا اور آخر کو اول ہی کے پیالے سے سیراب کرتا اور تم دیکھتے کہ تمہاری دنیا ایک بکری کی چھینک کے برابر بھی قیمت نہیں رکھتی۔

مورخین کا بیان ہے کہ اس منزل پر پہونچ کر ایک دیہاتی کھڑا ہو گیا اور اس نے آپ کو ایک کاغذ دیا۔ آپ اسے پڑھنے میں مشغول ہو گئے ـــــــ ابن عباس نے عرض کی حضور کلام تو مکمل کیجئے ـــــــ فرمایا ـــــ افسوس ابن عباس! یہ ایک آہ تھی جو منھ سے نکلی اور پھر ٹھہر گئی۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ مجھے زندگی میں کسی بات کا اتنا صدمہ نہیں ہوا ہے جتنا امیر المومنینؑ کے اس خطبہ کا نامکمل رہ جانے پر ہوا ہے کہ وہ اپنی بات کو آخری منزل تک نہیں پہونچا سکے۔

کیا قوم نے ان تمام کلمات اور ارشادات کو نظر انداز کر دیا ہے کہ انہیں صرف وہ خط نظر آیا جسے آپ نے معاویہ پر اتمام حجت کرنے کے لئے اس کی برادری کے افکار و خیالات و نظریات کی روشنی میں تحریر فرمایا تھا۔

(۴) قہر و غلبہ سے خلافت کے قیام کا تجزیہ

ـــــــــــــــ اسلام کی

تاریخ کا مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ خلافت روز اول سے عثمانی دور تک صرف قہر و غلبہ اور جبر و طاقت کے سہارے چلتی رہی ہے۔ صرف ایک امیر المومنینؑ کا دور تھا جس میں قوم نے اپنی خواہش اور مرضی سے آپ کی بیعت کی تھی ورنہ ہر جگہ زور اور زبردستی سے کام چل رہا تھا اور اس حقیقت کے بارے میں ہماری کوئی بحث بھی نہیں ہے۔

بحث صرف اس نظریہ میں ہے کہ ـــــــ "جو تلوار کے ذریعہ غالب آکر خلیفہ بن جائے اور اس کا لقب امیر المومنین ہو جائے کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ایک رات بھی اس کی بیعت کے بغیر زندگی بسر کرے چاہے وہ خلیفہ نیک کردار ہو یا فاسق و فاجر۔"

مجھے نہیں معلوم کہ علماء اسلام نے یہ نظریہ قانون الٰہی سے لیا ہے یا یہ بھیڑیوں اور شیروں کے جنگل کا قانون ہے ـــــــ مجھے یہ خطرہ ہے کہ گذشتہ اقوال کے پیش کرنے پر میرے اوپر یہ الزام لگایا جائے گا کہ میں نے دور قدیم کی داستانوں کو دوہرا کر آج کے مسلمانوں پر منطبق کرنا چاہا ہے حالانکہ اب مسلمان بیدار ہو چکا ہے اور ہمیں اسلام کے موجودہ دور کے بارے میں گفتگو کرنا چاہیئے ـــــــ

اس لئے میں آپ کے سامنے ایک کتاب کے ٹائٹل کی تصویر پیش کر رہا ہوں جو اس ملک کے مدارس کے لئے شائع ہوئی ہے جس میں خانہ کعبہ جیسا مقدس مکان اور حرم رسولؐ جیسا مقدس شہر بھی ہے۔ اس کتاب میں اس یزید کی مدح و ثنا کی گئی ہے اور اس کی شان میں روایتیں نقل کی گئی ہیں جس نے خانہ کعبہ پر منجنیق سے آگ اور پتھر برسائے تھے۔ مسجد رسولؐ کو اصطبل بنوا دیا تھا اور سارے مدینہ کو تین دن کے لئے مباح کرا دیا تھا کہ جس شخص کو چاہیں قتل کر دیں اور جس عورت کی چاہیں عصمت دری کریں جس کی تفصیل آئندہ ابواب میں نقل کی جائے گی۔

خلاصۂ بحث

سقیفہ کے اقوال و افعال کے جائزہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس دن مہاجرین و انصار سب صرف قبائلی منطق استعمال کر رہے تھے اور ابو بکر کی خلافت ایک ناگہانی حادثہ کے طور پر سامنے آئی تھی۔ (بقول عمر)

اس کے بعد عمر نے بھی اپنے شوریٰ کے بارے میں کسی آیت یا حدیث کا حوالہ نہیں دیا بلکہ اپنے ذاتی اجتہاد پر اعتماد کیا ہے جس کے زیر اثر ولایتِ امر کو چھ آدمیوں کے درمیان قرار دیا ـــــ ان سب کو مہاجرین میں سے رکھا ـــــ نامزدگی عبدالرحمٰن بن عوف کے ہاتھ میں رکھی ـــــ اور ووٹ برابر ہونے کی صورت میں حکم عبدالرحمٰن کو قرار دیا ـــــ اور پھر فرمایا کہ عبدالرحمٰن جس کے ہاتھ پر ہاتھ مار دے اس کا اتباع کرنا۔

اب اگر کوئی شخص کتاب و سنت کے مقابلہ میں حضرت عمر کے اجتہاد کو بھی شریعت کا مدرک سمجھتا ہے تو اس کا نظریہ ہوگا کہ امامت چھ آدمیوں کے مشورہ سے طے ہوتی ہے جن میں سے پانچ کسی ایک کی بیعت کریں گے۔

اس کے بعد "امرہم شوریٰ بینہم" وغیرہ سے استدلال واقعہ کے بعد کی تاویل ہے جس میں شوریٰ کے رجحان کا ذکر کیا گیا ہے۔ وجوب و عزم کا ذکر نہیں ورنہ دیگر مقامات کی طرح "کتب اللہ علیکم" ـــــ فرض ـــــ جعل ـــــ وصی وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوتے۔

آیت "شاورہم فی الامر" میں خطاب رسول اکرمؐ سے ہے اور موضوع غزوات میں مشورہ ہے تاکہ مومنین کے نفوس کی تربیت کی جا سکے اور مشرکین کے درمیان شک اور اختلاف پیدا کیا جا سکے یعنی حکم الٰہی کے نفاذ کا راستہ معین کیا جا سکے

نہ یہ کہ حکم الٰہی معلوم کیا جا سکے۔

اس کے بعد مکتب خلافت نے آج تک یہ نہ طے کیا کہ شوریٰ کی کیفیت اور نوعیت کیا ہوگی اور اس کے قواعد وضوابط کیا ہوں گے۔ خلافت عثمان کے لئے جو شوریٰ ہوا تھا اس کا انجام دیکھا جا چکا ہے۔

بیعت کے لئے بھی یہ طے ہے کہ وہ جبر وقہر اور تلوار کے زور پر نہیں ہو سکتی، اور نہ معصیت کے لئے ہو سکتی ہے اور نہ اس شخص کے لئے ممکن ہے جو معصیت کار اور گنہگار ہو۔

سیرت اصحاب کو بھی قرآن وسنت کی طرح کا مدرک تسلیم کیا جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس سے استدلال کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کے جن کلمات سے استدلال کیا گیا ہے وہ قوانین و قواعد کا بیان نہیں ہے حزب اختلاف کے مانے ہوئے قوانین سے اس کے خلاف استدلال ہے جس کی مثالیں عقلاء کے کلمات میں بے شمار پائی جاتی ہیں اور یہ مستقل طریقہ استدلال والزام ہے پھر جملہ صحابہ کا اجماع ہو جائے تو رضائے خدا بھی حاصل ہو سکتی ہے بشرطیکہ اس میں خود حضرت علیؑ۔ امام حسنؑ۔ امام حسینؑ جیسے افراد بھی شامل ہوں۔

رہ گیا یہ نظریہ کہ جو تلوار سے قبضہ کر لے اس کی مخالفت حرام ہے تو یہ اصل میں خلافت کی تاریخ ہے جس سے کوئی صاحب عقل وانصاف اتفاق نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد مدرسہ اہلبیتؑ میں مسئلہ امامت وخلافت کا جائزہ لیا جائے گا۔

بحث دوم

فصل سوم

امامت کے بارے میں

مدرسہ اہلبیتؑ کی بحثیں

گذشتہ بحث میں مدرسہ خلافت کے آراء وافکار کا جائزہ لیا جاچکا ہے۔ مدرسہ اہلبیتؑ میں امامت کیلئے بنیادی شرط عصمت اور نص کی ہے کہ جب تک انسان گناہوں سے پاک اور خدا اور رسولؐ کی طرف سے منصوب نہ ہوگا امام نہیں ہو سکتا ہے۔

انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لاینال عهدی الظالمین

امامت ایک عہد الہی ہے جو عبد و معبود کے درمیان ہوتا ہے اور اس کی نشاندہی پیغمبرؐ کرتا ہے جس طرح سارے احکام کی خبریں اس کے ذریعہ واصل ہوتی ہیں یہ عہد ظالموں سے نہیں ہو سکتا اور جو ظلم سے یکسر پاک ہوگا وہی معصوم ہوگا۔

عصمت اہلبیتؑ علیہم السّلام

پروردگار عالم کا اعلان ہے کہ اہلبیت یعنی محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ اور حسینؑ تمام گناہوں سے معصوم اور پاک و پاکیزہ ہیں۔

"انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔"

عبداللہ[1] بن جعفر بن ابی طالب راوی ہیں کہ جب پیغمبرؐ نے مسلسل رحمت کا نزول دیکھا تو فرمایا کہ بلاؤ بلاؤ!

صفیہ[2] نے کہا کہ حضور کس کو؟

---

[1] عبداللہ ــــ حضرت جعفر طیار کے فرزند جنہیں ذوالجناحین کہا جاتا ہے اور جو پیغمبرؐ کے چچا حضرت ابو طالبؑ کے فرزند ہیں۔ ان کی مادر گرامی کا نام اسماء بنت عمیس خثعمیہ تھا ــــ عبداللہ اپنے والدین کی ہجرت کے دوران حبشہ میں پیدا ہوئے اور پھر باپ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آگئے۔ اس قدر کریم تھے کہ انہیں بحرالجود کہا جاتا تھا۔ مدینہ میں سیلاب کے دوران ۸۰ھ ہجری میں انتقال فرمایا۔ جب سیلاب میں سارا شہر مکہ تقریباً بہہ گیا تھا۔ اصحاب صحاح نے آپ سے ۲۵ حدیثیں روایت کی ہیں (اسدالغابہ ــــ جوامع السیرہ ص۲۸۲)۔

[2] صفیہ بنت حی بن اخطب ــــ بنی اسرائیل میں ہارون بن عمران کی اولاد میں تھیں۔ ان کی ماں کا نام برہ بنت السموال قبیلہ قریظہ سے تھیں جو پہلے ایک یہودی کی زوجہ تھیں۔ جب وہ خیبر میں قتل ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم اسلام قبول کر لو گھر میں اپنے ساتھ رکھوں گا ورنہ تمہارے قبیلہ کی طرف واپس کر دوں گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں آپ کی خدمت میں آنے سے پہلے ہی اسلام پسند کر چکی ہوں۔ اور آپ کی تصدیق کر چکی ہوں

فرمایا میرے اہلبیت علیؑ۔ فاطمہؑ[۱]، حسنؑ[۳] اور حسینؑ[۴] کو!

چنانچہ سب کو بلایا گیا اور آپ نے ان پر ایک چادر ڈال دی اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائیے۔ پروردگار یہ میرے اہل بیت ہیں محمد و آل محمد پر رحمت نازل فرما۔ اور اس کے بعد یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔ (مستدرک الصحیحین ۳؍۱۴۷)۔

مجھے یہودیت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اب نہ کوئی میرا باپ ہے نہ بھائی۔ جب آپ نے اسلام اور کفر کا اختیار دیا ہے تو خدا و رسول مجھے آزادی اور اپنی قوم کی معصیت سے زیادہ عزیز ہیں۔ اس کے بعد عدہ کا زمانہ گذار کر سرکار کے عقد میں آگئیں اور ۵۲ھ ہجری میں انتقال فرمایا۔ اصحاب صحاح نے آپ سے ۔ احدیثیں روایت کی ہیں۔ (طبقات ابن سعد ۸؍۱۲۰، جوامع السیرۃ ص ۲۸۰)

[۱] فاطمہ بنت رسول اللہ ـــ آپ کی والدہ گرامی جناب خدیجہ علیہما السلام تھیں۔ اسد الغابہ اور اصابہ میں آپ کے حالات میں درج کیا گیا ہے کہ آپ کی کنیت "ام ابیہا" تھی اور آپ کے علاوہ کسی سے نسل پیغمبرؐ نہیں چلی۔ پیغمبر اسلامؐ نے آپ کے بارے میں فرمایا ہے کہ "اللہ تمہارے غضب سے غضبناک اور تمہاری رضا سے راضی ہوتا ہے"۔ اس روایت کو مستدرک ۳؍۱۵۳، میزان الاعتدال ۲؍۷۲، تہذیب التہذیب ۱۲؍۴۴۱ میں بھی نقل کیا گیا ہے اور بخاری باب مناقب فاطمہ ۴؍۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۵ میں حضرت کا یہ ارشاد بھی درج ہے کہ "فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جس نے اسے غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا"۔

دوسری روایت بخاری کے لئے کتاب النکاح ۳؍۱۷۷ میں اور مسلم و ترمذی کے باب فضائل فاطمہؑ میں اور مسند احمد ۴؍۱۴۱، ۳۲۸، مستدرک ۳؍۱۰۳ میں اس انداز سے ہے کہ "جس چیز سے فاطمہؑ کو اذیت ہوتی ہے مجھے بھی اذیت ہوتی ہے"۔

پیغمبرؐ جب سفر میں جاتے تھے تو سب سے آخر میں فاطمہؑ سے رخصت ہوتے تھے اور جب واپس آتے تھے تو سب سے پہلے فاطمہؑ سے ملاقات کرتے تھے (مستدرک ۳؍۱۵۶، ۱۵۵۔ ۱؍۴۸۹، مسند احمد ۵؍۲۷۵، سنن بیہقی ۱؍۲۶۔

بخاری کے باب فرض الخمس ۲ ۱۲۴ میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جناب فاطمہؑ نے ابوبکر سے وفات پیغمبرؐ کے بعد میراث کی تقسیم کا سوال کیا تو ابوبکر نے کہا کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ "ہم وارث نہیں بناتے جو چھوڑتے ہیں صدقہ ہے" جس پر فاطمہؑ اس قدر غضبناک ہوئیں کہ ابوبکر سے قطع تعلق کر لیا اور اسی عالم میں دنیا سے رخصت ہو گئیں جبکہ پیغمبرؐ کے بعد چھ مہینے زندہ رہیں۔

بخاری ہی کے باب غزوہ خیبر ۳ ۳۸ میں یہ روایت ہے کہ فاطمہؑ کے انتقال کے بعد ان کے شوہر علیؑ نے راتوں رات دفن کر دیا اور ابوبکر کو اطلاع نہیں دی۔ خود ہی نماز جنازہ بھی پڑھی۔ فاطمہؑ کی حیات تک لوگوں کی نگاہ میں علیؑ کا احترام تھا۔ اس کے بعد صورت حال تبدیل ہو گئی اور انہوں نے چاہا کہ ابوبکر سے صلح کر لیں ــــ؟

مسلم نے اس روایت کو کتاب الجہاد ۵ ۱۵۴ پر مسند احمد نے ۱ ۹، سنن بیہقی نے ۶ ۳۰۰ نقل کیا ہے۔ اسد الغابہ میں آپ کے حالات میں لکھا گیا ہے کہ آپ نے اسماء کو وصیت کی کہ وہ آپ کو غسل دیں اور کسی اور کو داخل نہ ہونے دیں۔ چنانچہ انتقال کے بعد عائشہ آئیں تو اسماء نے انہیں روک دیا۔

عسکری کا بیان ہے کہ آج تک آپ کی قبر کا پتہ نہیں ہے۔

اصحاب صحاح نے آپ سے ۱۸ احادیثیں روایت کی ہیں (جوامع السیرۃ ص ۲۸۳)۔

۲، ۳ حسنین علیہما السلام ـــــ پیغمبر اسلامؐ کے نواسے اور علیؑ و فاطمہؑ کے فرزند تھے ـــــ

امام حسنؑ ۱۵ رمضان المبارک ۳ھ کو پیدا ہوئے اور امام حسینؑ ۳ شعبان ۴ھ کو۔

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا ہے کہ "حسنؑ و حسینؑ جوانان اہل جنت کے سردار ہیں اور ان کے باپ ان سے بھی بہتر ہیں" (سنن ابن ماجہ باب فضائل اصحاب رسول اللہؐ، مستدرک ۳ ۱۶۷)۔

مسلمانوں نے حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد ۴۰ھ میں امام حسنؑ کی بیعت کی اور چھ ماہ سے زیادہ یہ خلافت قائم رہی اس کے بعد اسلام کے عظیم ترین مصالح کے تحت آپ نے معاویہ سے صلح کر لی۔ اور جب معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کے لئے بیعت لینے کا ارادہ کیا تو آپ کو زہر دلوا کر ۵۰ھ میں شہید کرا دیا۔ (احادیث عائشہ ۱ ۲۵۱ ـ ۲۶۶)۔

اس کے بعد ۶۰ھ میں امام حسینؑ نے یزید بن معاویہ کی بیعت سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ "اگر امت یزید جیسے حاکم اور نگراں کے ہاتھوں مبتلا ہو جائے تو اسلام پر سلام" جس کے نتیجہ میں لشکر یزید نے دس محرم ۶۱ھ کو آپ کو کربلا کے میدان میں شہید کر دیا (لہوف ابن طاؤس)۔

اصحاب صحاح نے بخاری اور مسلم کے علاوہ امام حسنؑ سے ۱۳۔ اور امام حسینؑ سے ۸ حدیثیں روایت کی ہیں (جوامع السیرۃ ص۲۸۴، ۲۸۶، تقریب التہذیب ا، ۱۶۸)۔

حضرت عائشہ راوی ہیں کہ وہ چادر اونی اور رنگین تھی اور سیاہ بالوں سے بُنی گئی تھی۔

(عائشہ بنت ابی بکر کی ماں کا نام ام رومان تھا۔ بعثت کے چار سال کے بعد پیدا ہوئیں۔ ہجرت کے ۱۸ ماہ بعد سرکارؐ سے رابطہ قائم ہوا۔ ۵۷ھ یا ۵۸ھ یا ۵۹ھ میں انتقال کیا۔ ابوہریرہ نے نماز جنازہ پڑھی۔ اصحاب صحاح نے ۲۲۱۰ حدیثیں روایت کی ہیں۔ آیت تطہیر کے نزول کے بارے میں آپ کی روایت صحیح مسلم ۷، ص۱۳۰ پر باب فضائل اہل بیت النبیؐ میں اور مستدرک ۳، ص۱۴۷، تفسیر ابن جریر در منثور سیوطی آیت تطہیر کے ذیل میں۔ اور تفسیر زمخشری ورازی میں آیت مباہلہ کے ذیل میں اور سنن بیہقی ۲، ص۱۴۹ پر درج ہے۔)

صحابی رسول واثلہ بن الاسقع راوی ہے کہ رسول اللہ نے علیؑ و فاطمہؑ کو بلا کر سامنے بٹھایا۔۔۔ حسنؑ و حسینؑ کو اپنے زانوں پر بٹھایا تب آیت نازل ہوئی۔

(واثلہ بن الاسقع اللیثی۔ اس وقت اسلام لائے جب رسول اکرمؐ جنگ تبوک کی تیاری فرما رہے تھے۔ بروایتِ تین سال رسول اکرمؐ کی خدمت کی اور آخر میں ۸۳ھ یا ۸۵ھ میں دمشق یا بیت المقدس میں انتقال کیا۔ اصحاب صحاح نے ان سے ۵۶ حدیثیں نقل کی ہیں۔ ان کے حالات اسد الغابہ اور جوامع السیرۃ ص۲۷۹ پر پائے جاتے ہیں۔ اور آیت تطہیر کے بارے میں ان کی روایت سنن بیہقی ۲، ص۱۵۲ مسند احمد ۴، ص۱۰۷، مستدرک ۲، ص۴۱۶۔ ۳، ص۱۴۷، مجمع الزوائد ۹، ص۱۶۷، ابن جریر تفسیر، تفسیر در منثور، اسد الغابہ ۲، ص۲۰ پر پائی جاتی ہے۔)

حضرت ام المومنین ام سلمہ کا بیان ہے کہ یہ آیت میرے گھر میں نازل ہوئی ہے جس وقت گھر میں سات افراد تھے۔ جبریل، میکائیل، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ۔ میں گھر کے دروازہ پر تھی۔ میں نے

ان حضرات کے علاوہ اس آیت کی شان نزول بیان کرنے والوں کے اسماء یہ ہیں:

ا ـــــــ عبداللہ بن عباس۔

ب ـــــــ عمر بن ابی سلمہ پروردۂ رسول اکرمؐ۔

ج ـــــــ ابو سعید خدری

رسول اکرمؐ سے عرض کی کیا میں اہل بیتؑ میں سے نہیں ہوں۔ فرمایا "تمہارا انجام بخیر ہے۔ تم ازواج نبی میں ہو" (تفسیر سیوطی ۵ ۱۹۸ ـ ۱۹۹، صحیح ترمذی ۱۳ ؍ ۲۴۸، مسند احمد ۶ ؍ ۳۰۶، اسد الغابہ ۴ ؍ ۲۹ ؍ ۲۹۷، تہذیب التہذیب ۲ ؍ ۲۹۷، تیسری روایت مستدرک ۲ ؍ ۴۱۶، ۳ ؍ ۱۴۷، سنن بیہقی ۲ ؍ ۱۵۰ اسد الغابہ ۵ ؍ ۵۲۱ و ۵۸۹، تاریخ بغداد ۹ ؍ ۱۲۶۔ اور ایک روایت مسند احمد ۶ ؍ ۱۹۲ پر درج ہے)

(ا) روایت ابن عباس مسند احمد ۱ ؍ ۳۳۰۔ خصائص نسائی ص۱۱۔ الریاض النضرہ ۲ ؍ ۲۶۹۔ مجمع الزوائد ۹ ؍ ۱۱۹ و ۲۰۷، درمنثور)۔

(ب) عمر بن ابی سلمہ بن عبدالاسد ابو حفص المخزومی۔ رسول اکرمؐ کے پروردہ تھے۔ ان کی ماں جناب ام سلمہ ہیں۔ حبشہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت علیؑ کے ساتھ جمل میں شریک ہوئے۔ آپ نے انہیں بحرین و فارس کا عامل بنایا۔ ۸۳ھ میں انتقال کیا۔ اصحاب صحاح نے ان سے ۱۲ حدیثیں نقل کی ہیں۔ ان کے حالات اسد الغابہ، جوامع السیرۃ ص۲۸۴۔ اور آیت تطہیر کے بارے میں روایت الریاض النضرہ ۲ ؍ ۲۶۹، مجمع الزوائد ۹ ؍ ۱۱۹، ۲۰۷۔ اور درمنثور میں درج ہے۔

(ج) ابو سعید خدری کی روایت آیت تطہیر کے ذیل میں تفسیر ابن جریر، سیوطی، تاریخ بغداد ۱۰ ؍ ۲۷۸، مجمع الزوائد ۹ ؍ ۱۶۷

پر درج ہے۔

د ـــــــ سعد بن ابی وقاص

ھ ـــــــ انس بن مالک وغیرہ[۱]

امام حسنؑ نے اس آیت سے منبر[۲] پر استدلال کیا ہے اور حضرت علیؑ بن الحسینؑ نے دربار[۳] شام میں رسول اکرمؐ اس آیت کے نزول کے بعد چند ماہ تک درِ علیؑ و فاطمہؑ پر آکر اس آیت کی تلاوت فرماتے تھے جیسا کہ ابن عباس کا بیان ہے کہ میں نے ۹ ماہ تک ہر نماز کے وقت درِ علیؑ پر آکر حضرت کو یہ فرماتے سنا ہے "السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اھل البیت انما یرید اللہ۔۔۔۔۔ الصلوٰۃ یرحمکم اللہ" ـــــــ روزانہ پانچ مرتبہ۔ (تفسیر آیت وأمر اہلک در منثور)۔

(د) سعد بن ابی وقاص مالک بن اہیب القرشی الزہری۔ ان کی ماں حمنہ بنت سفیان بن امیہ تھیں۔ اسلام لانے کے بعد رسولؐ کے ساتھ معرکوں میں شریک رہے۔ جلولاء تک عراق کو فتح کیا۔ کوفہ کو آباد کیا اور حضرت علیؑ کی بیعت سے انکار کر دیا۔ معاویہ سے سبِّ علیؑ کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ معاویہ نے یزید کے لئے بیعت کا پروگرام بنایا تو انہیں بھی زہر دلوا دیا اور انتقال کر گئے۔ اصحاب صحاح نے ۲۷۱ روایتیں نقل کی ہیں۔ حالات اسد الغابہ، صحیح مسلم ۷، ۱۲۰ پر درج ہیں اور آیت تطہیر کی شان نزول کی روایت خصائص نسائی ص۴۔۵، صحیح ترمذی ۱۳، ۱۷۱۔۲۷۲ پر درج ہے۔

(ھ) انس بن مالک کی روایت صحیح ترمذی ۱۳، ۲۴۸، مجمع الزوائد ۹، ۲۰۶ پر درج ہے۔

۱؎ قتادہ کی تفسیر ابن جریر، درمنثور میں آیت تطہیر کے ذیل میں اور عطیہ کی روایت ان کے حالات میں اسد الغابہ میں اور معقل بن یسار کی روایت صحیح ترمذی ۳، ۲۴۸ پر درج ہے۔

۲؎ مستدرک ۳، ۱۷۲، مجمع الزوائد ۹، ۱۴۶، ۱۷۲۔

۳؎ تفسیر طبری در ذیل آیت تطہیر۔

ابوالحمراء[1] کا بیان ہے کہ میں نے مدینہ میں آٹھ ماہ تک دیکھا ہے کہ آپؐ جب بھی نمازِ صبح کے لئے نکلتے تھے تو علیؑ کے دروازے پر آکر چوکھٹ بازو پہ ہاتھ رکھکر فرماتے تھے "الصلوٰۃ ــــــــ انمایرید اللّٰہ ....."

ابوبرزہ[2] کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللّٰہ کے ساتھ ۷ ماہ تک نماز پڑھی ہے۔ جب آپ گھر سے نکل کر درِ زہراؑ پر آکر فرماتے تھے ....

انس[3] بن مالک نے چھ ماہ کی روایت کی ہے ــــــــ ان کے علاوہ دیگر حضرات نے بھی واقعہ کو بیان کیا ہے۔

گویا خدا نے زمانہ رسولؐ میں اہل بیت کا اعلان کر دیا اور رسولؐ نے چادر اوڑھاکر اور بار بار اصحاب کے سامنے آیت کی تلاوت کر کے واضح کر دیا کہ یہی اہلبیت ہیں اور یہی معصوم ہیں اور آیت کے ساتھ سرکار دو عالمؐ کا مسلسل عمل عصمت کے اثبات کے لئے بہت کافی ہے۔

عملی اعتبار سے بھی تاریخ نے کوئی ایک واقعہ بھی نقل نہیں کیا جو ائمہ اہلبیتؑ کی عصمت کے خلاف ہو جبکہ تاریخ مدرسۂ خلافت کی مرتب کی ہوئی ہے اور عام طور سے

---

[1] ابوالحمراء رسول اکرمؐ کے غلام تھے۔ ان کا نام ہلال بن الحارث یا ابن ظفر تھا۔ ان کے حالات استیعاب ۲/۵۹۸، اسد الغابہ ۵/۱۷۴، مجمع الزوائد ۹/۱۶۸ میں درج ہیں۔

[2] ابوبرزہ الاسلمی۔ ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ بصرہ میں ۶۰ھ یا ۶۴ھ میں انتقال کیا ہے۔ اصحاب صحاح نے ۲۰ یا ۴۶ حدیثیں روایت کی ہیں۔ حالات اسد الغابہ، جوامع السیرہ صفحہ ۲۸۰، ۲۸۳ میں درج ہیں اور حدیث مذکور مجمع الزوائد ۹/۱۶۹ پہ درج ہے جس میں ۷ کی بجائے ۷ الکھا ہے۔

[3] انس کی روایت مسند احمد ۳/۲۵۲۔ طیالسی ۷/۲۷۴ حدیث ۲۰۵۹، اسد الغابہ ۵/۵۲۱ اور تفسیر ابن جریر و سیوطی میں آیت کے ذیل میں درج ہے۔

انہیں باتوں کو درج کیا گیا ہے جس سے حکام کی خوشنودی حاصل ہو سکتی تھی اور حکام وخلفاء کا ہر دور میں ایک ہی منشاء تھا کہ نور اہلبیتؑ کو خاموش کر دیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان ان کی طرف متوجہ ہو جائیں اور ان کی بیعت کر لیں۔ اسی وجہ سے کتنوں کو قتل کیا۔ کتنوں کو زندانوں کے حوالے کر دیا اور کتنوں کو ملک بدر کر دیا۔ خاص طور سے بنی امیہ جن کا شعار تھا کہ نماز جمعہ کے خطبہ میں حضرت علیؑ پر لعنت کریں اور پھر ان کے مظالم و مصائب سے محبان اہلبیتؑ میں کوئی بھی محفوظ نہیں رہ سکا۔ اس کے باوجود تاریخ میں ایک بھی قولی یا عملی لغزش کا ذکر درج نہیں ہو سکا جو اس بات کی واضح ترین دلیل ہے کہ مکتب خلافت نے بھی مدرسہ امامت کے رہنماؤں کی عصمت کردار کا اقرار کیا ہے۔ اب اس کے بعد امامت کے چند نصوص کا تذکرہ باقی رہ جاتا ہے جو ذیل میں رسول اکرمؐ کی زبان مبارک سے نقل کیا جاتا ہے جو وحی الٰہی کے بغیر کلام نہیں کرتے۔

اولی الامر کی تعیین میں رسول اکرمؐ کا اہتمام

اولی الامر کی تعیین کے بارے میں سرکار دو عالمؐ کی طرف سے وارد ہونے والے نصوص کا جائزہ لینے سے پہلے یہ دیکھنا مناسب ہے کہ آپ اس مسئلہ کو کسقدر اہمیت دیتے تھے۔

حالات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ مسئلہ امامت کسی وقت بھی سرکار

دوعالمؐ کے ذہن سے نہیں نکل سکا بلکہ اصحاب بھی اس کی اہمیت کی طرف متوجہ رہے اور اس کے بارے میں سوچتے رہے یہاں تک کہ بجیرۂ بن عامر بن صعصعہ نے اپنے اسلام ہی میں یہ شرط لگا دی تھی کہ انہیں اس امر میں سے ایک حصہ ملنا چاہیئے۔ اور ہوذہ الحنفی نے بھی اسی طرح کا مطالبہ سرکار دوعالمؐ سے کیا تھا۔

پیغمبر اسلامؐ بھی روز اول سے اس مسئلہ کی طرف متوجہ تھے اور اس کے لئے زمین ہموار کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب پہلے دن اسلام کی دعوت دی اور اسلامی معاشرہ قائم کرنے کے لئے بیعت لینا چاہی تو اس وقت بھی اس مسئلہ کو نگاہ کے سامنے رکھا جیسا کہ بخاری اور مسلم نے اپنی صحیح میں اور نسائی و ابن ماجہ نے سنن میں اور مالک نے موطا میں اور احمد نے مسند میں اور دیگر افراد نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے جس میں بخاری کے الفاظ یہ ہیں۔

"عبادہ بن صامت کا بیان ہے کہ ہم نے رسول اکرمؐ کی بیعت احکام سننے اطاعت کرنے، سختی، نرمی، تکلیف، آرام سب میں ساتھ دینے اور امر خلافت میں ان کے اہل سے جھگڑا نہ کرنے پر کی تھی۔ (بخاری کتاب الاحکام حدیث ۱، مسلم کتاب الامارہ باب وجوب طاعۃ الامیر فی غیر معصیۃ وتحریمہا فی المعصیۃ حدیث ۴۱-۴۲، سنن نسائی کتاب البیعہ باب البیعۃ علی ان لا ننازع الامر اہلہ، سنن ابن ماجہ کتاب الجہاد باب البیعہ الحدیث ۲۸۶۶، موطا مالک کتاب الجہاد باب الترغیب فی الجہاد الحدیث ۵، مسند احمد ۵/۳۱۴، ۳۱۶، ۳۱۹، ۳۲۱-۴/۴۱۱)

عبادہ[1] بن صامت کا شمار ان بارہ افراد میں ہوتا ہے جن کو بیعت عقبہ کبریٰ کے دن نقیب کا درجہ دیا گیا تھا جب حضرت نے ۷۰ سے زیادہ انصار سے فرمایا تھا کہ بارہ افراد منتخب کرو جو قوم کی نقابت و نمائندگی کر سکیں تو انصار نے بارہ افراد نکالے

---

[1] عبادہ کے مفصل حالات سیر اعلام النبلاء ۲/۳، تہذیب ابن عساکر ۷/۲۰۷، ۲۰۹، استیعاب ۲/۴۱۲، اسد الغابہ ۳/۱۰۶ میں پائے جاتے ہیں

اور حضرت نے ان سب سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا ——— "تم اپنی قوم کے اسی طرح کفیل ہو جس طرح حضرت عیسیٰ کے حواریین اپنی قوم کے کفیل تھے"۔
اور عبادہ نے بیعت کے شرائط میں سے یہ شرط مذکور بیان کی ہے۔

سرکار دو عالمؐ کی مراد اس امر سے جس کے بارے میں گھر والوں سے اختلاف نہ کرنے کا عہد ۷۲ مردوں اور دو عورتیں سے لیا تھا وہی امر تھا جس کے بارے میں سقیفہ بن ساعدہ میں اختلاف کیا گیا تھا اور اہل امر وہی افراد تھے جن کا ذکر آیت اولی الامر میں کیا گیا تھا۔

رسول اکرمؐ نے اگرچہ اس وقت ولی امر کا نام نہیں لیا تھا اور نہ یہ مصلحت تھی کہ اس ولی امر کا نام معین کر دیا جائے جو انصار میں سے بہر حال نہیں تھا کہ شائد بعض بیعت کرنے والوں کے نفس اس کا تحمل بھی نہ کر سکتے لیکن اس امر کی صراحت ضرور کر دی تھی کہ جب ولی امر کی تعین کا اعلان کر دیا جائے گا تو کسی کو اختلاف کرنے کا حق نہ ہوگا ——— اور اس کی تعین روز اول اس سے مختصر مجمع میں دعوت ذوالعشیرہ میں ہو چکی تھی جب آپ نے قبیلہ والوں کو اسلام کی دعوت دی تھی جیسا کہ طبری ابن عساکر، ابن اثیر، ابن کثیر، ملا متقی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ بالفاظ طبری ——— "حضرت علیؑ بن ابی طالب سے منقول ہے کہ جب آیت "انذر عشیرتک الاقربین" نازل ہوئی تو حضرت نے مجھے بلا کر فرمایا کہ یا علیؑ مجھے قرابت داروں کو ڈرانے کا حکم دیا گیا ہے اور میری طاقت کمزور ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ جب اس کام کو شروع کروں گا تو ناخوشگوار حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میں یہ سوچکر خاموش تھا کہ جبریل نے آکر یہ پیغام سنایا کہ اگر حکم الٰہی پر عمل نہ ہوگا تو عذاب کا خطرہ ہے لہٰذا اب ایک صاع

۱ے طبری طبع یورپ ۱؍۱۲۲۱۔

کھانے کا بندوبست کرو۔ ایک ران گوشت فراہم کرو اور ایک پیالہ دودھ لاؤ اور پھر اولاد عبدالمطلب کو مدعو کرو تاکہ میں ان سے بات کر سکوں اور انہیں پیغام الٰہی پہنچاؤں۔ میں نے حضور کے حکم کے مطابق انتظام کیا اور چالیس افراد کو جمع کیا۔ شائد ایک آدھ کم یا زیادہ رہے ہوں۔ ان میں پیغمبرؐ کے چچا ابو طالب، حمزہ، عباس، ابولہب وغیرہ بھی تھے۔ جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے کھانا طلب کیا۔ میں نے کھانا پیش کیا۔ آپ نے ایک ٹکڑا گوشت اپنے دندان مبارک سے کاٹ کر پیالے میں ڈال دیا اور فرمایا بسم اللہ ______ قوم نے خوب سیر ہو کر کھایا اور کھانے پر سوائے انگلیوں کے نشان کے کوئی اثر نہ ہوا ______ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں علیؑ کی جان ہے کہ یہ کھانا ایک نفر کے لئے بھی کافی نہیں تھا۔ پھر آپ نے سب کو سیراب کرنے کا حکم دیا۔ میں نے دودھ کا پیالہ حاضر کیا، سب نے سیراب ہو کر پیا جبکہ یہ دودھ ایک نفر کے لئے بھی کافی نہ تھا۔

کھانے پینے کے بعد جب آپ نے تقریر کا ارادہ کیا تو ابولہب نے کہا بھائیو! تمہارے ساتھی نے کیا جادو کیا ہے۔ قوم یہ سنکر منتشر ہو گئی اور آپ کی تقریر نہ ہو سکی تو آپ نے پھر دوسرے دن انتظام کرنے کا حکم دیا اور میں نے پھر انتظام کیا اور سب کو جمع کیا۔ پھر کھانا پیش کیا گیا اور سب نے سیر ہو کر کھایا پیا۔ اس کے بعد آپ نے تقریر شروع کی ______ "اے اولاد عبدالمطلب خدا کی قسم میرے علم میں عرب میں کوئی جوان ایسا نہیں ہے جو اپنی قوم کے پاس مجھ سے اچھا پیغام لے کر آیا ہو۔ میں خیر دنیا اور خیر آخرت لے کر آیا ہوں اور اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں اس کی طرف دعوت دوں۔ اب کون ہے جو اس امر میں میرا بوجھ بٹائے گا تاکہ میرا بھائی وصی اور خلیفہ قرار پائے؟

قوم پر ایک سناٹا چھا گیا۔ میں اس وقت سب سے کمسن اور بظاہر کمزور

وناتوان تھا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہؐ میں آپ کا وزیر بنوں گا۔ آپ نے گردن پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ یہ میرا بھائی وصی اور تم میں میرا جانشین ہے۔ اس کی بات سُنو اور اطاعت کرو۔

یہ سنکر قوم نے ہنسنا شروع کیا اور ابو طالب سے کہنے لگے لو تمہیں بھی حکم دیا گیا ہے کہ اپنے فرزند کی اطاعت کرو ـــــ (طبری طبع یورپ ۱/۱۱۷۱-۲/۱۱۷، ابن عساکر۔ حالات حضرت علیؑ۔ تاریخ ابن اثیر ۲/۲۲۲، شرح ابن ابی الحدید ۳/۲۶۳، ابن کثیر ۳/۳۹، کنز العمال ۱۵/۱۰۰، ۱۱۵، ۱۱۶، صہ ۱۳۰ پر مرقوم ہے کہ میرا مددگار میرا بھائی، ساتھی اور میرے بعد تمہارا ولی ہو گا۔ سیرت حلبیہ نشر بیروت ۱/۲۸۵)۔

یہ دعوت بعثت کے تیسرے سال انجام پائی ہے جب پہلے پہل سرکارؐ کو اظہار دعوت کا حکم دیا گیا ہے اور آپ نے اپنے بعد کے لئے امام مقرر کر کے اپنے قرابت داروں کے درمیان روشناس کرا دیا۔

حضرت نے یہ کام روز اول انجام دے دیا اور اس کے بعد دس سال تک سکوت اختیار کیا۔ یہاں تک کہ انصار سے بیعت لیتے ہوئے اس کا اظہار نہیں فرمایا۔ اس لئے کہ ان کے ذہن میں حکومت ایک قبائلی مسئلہ تھی اور علیؑ انصار کے قبیلہ سے نہ تھے لہذا آپ نے اتنا ہی کافی سمجھا کہ ان سے بیعت لیتے ہوئے یہ واضح کر دیں کہ اس امر میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے اور انہیں اصل اہل سے اختلاف کرنے کا حق نہیں ہے۔

ذوالعشیرہ میں سرکارؐ کا طرز عمل بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ جنگ بدر میں دیکھا گیا کہ آپ کو انجام کار معلوم تھا اور آپ نے آخر میں مشرکین کے مقتل کی بھی نشاندہی کر دی تھی لیکن پہلے اصحاب سے مشورہ کیا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے اسی طرح ذوالعشیرہ میں آپ کو معلوم تھا کہ علیؑ کے علاوہ کوئی بوجھ ہٹانے والا نہ ہو گا لیکن اس کے باوجود آپ نے مسئلہ کو مشروط بیان کیا کہ جو میرا بوجھ ہٹائے گا وہ میرا وزیر ہو گا ـــــ

اس کے بعد جب کسی نے وعدہ نہ کیا اور حضرت علیؑ نے نصرت کا وعدہ کر لیا تو ان کی وصایت و وزارت کا وعدہ کر لیا اور اعلان فرما دیا۔

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سرکار دو عالمؐ کی نگاہ میں روز اول سے اس مسئلہ کی اہمیت تھی اور آپ نے ایک مرتبہ علیؑ کو معین کیا۔ دوسری مرتبہ انصار کو اختلاف سے روکا۔ تیسری جگہ طمع حکومت رکھنے والوں کے مطالبہ کو روک دیا۔ اور اس طرح واضح کر دیا کہ اسلام میں یہ مسئلہ اسقدر اہم ہے کہ اس سے کسی وقت بھی غفلت نہیں برتی جا سکتی۔

اس کے بعد عملی طور پر بھی مدینہ سے چند دن بھی غزوات کے لئے باہر گئے تو کسی نہ کسی کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تاکہ مسئلہ کی اہمیت قوم کی نگاہ میں واضح رہے۔

غزوات کے موقع پر مدینہ میں سرکار دو عالمؐ کے جانشین

سنہ ۲ھ

سنہ ۲ھ کے ماہ صفر میں سرکار کو جہاد کی اجازت دی گئی اور آپ نے مہاجرین کے ایک لشکر کے ساتھ ودّان اور ابواء میں قریش کے قافلہ کو روکنے کا انتظام کیا (ابواء مدینہ سے ۲۳ میل کے فاصلہ پر ہے جہاں پیغمبرؐ کی والدہ جناب آمنہ کی قبر ہے اور ودّان ابواء سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے)۔

۱ــــــ اس موقع پر پندرہ دن کے لئے سید الخزرج سعد بن عبادہ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا۔

۲ــــــ غزوہ بواط میں اوس کے سردار سعد بن معاذ کو ربیع الاول میں جانشین بنایا۔

(بواط مدینہ سے ۹۶ میل کے فاصلہ پر ہے) واضح رہے کہ ان دونوں مواقع پر سرکار نے انصار کی ذہنیت کا خاص لحاظ رکھا ہے کہ صفر میں ایک قبیلہ کو عہدہ دیا تو ربیع الاول میں دوسرے قبیلہ کو۔

۳۔۔۔ کرز بن جابر فہری کے مدینہ کے اطراف پر حملہ کے بعد اس کی تلاش میں لشکر نکلا تو اپنے غلام زید بن حارثہ کو جانشین بنایا۔ یہ واقعہ بھی ربیع الاول ہی کا ہے۔

۴۔۔۔ جمادی الاولیٰ یا جمادی الثانیہ میں جب قریش کا قافلہ شام جارہا تھا اور آپ نے اسے روکنے کا انتظام فرمایا تو ابوسلمہ مخزومی کو جانشین بنایا اور جنگ قافلہ کی شام سے واپسی پر مقام بدر میں پیش آئی۔

۵۔۔۔ ابن ام کلثوم نابینا کو بدر کبریٰ کے موقع پر نائب بنایا جب آپ مدینہ سے ۱۹ دن باہر رہے (آپ جنگ بدر کے لئے ۳ ؍ رمضان کو مدینہ سے برآمد ہوئے اور جنگ ۱۷ ؍ رمضان کو واقع ہوئی)۔

۶۔۔۔ غزوہ بنی قنیقاع کے موقع پر ابولبابہ انصاری کو جانشین بنایا (ابولبابہ بیعت عقبہ کے نقباء میں سے تھے)۔

۷۔۔۔ دوبارہ ابولبابہ کو غزوۃ السویق کے موقع پر جانشین بنایا۔ جب آپ ابوسفیان کی تلاش میں نکلے جس نے دوسو سواروں کے ساتھ اپنی نذر پوری کرنے کا ارادہ کیا تھا کہ جب تک مقتولین بدر کا بدلہ نہ ہو جائے گا نہ عورتوں کو ہاتھ لگائے گا نہ خوشبو کو ۔۔۔۔ ابوسفیان کو حضرت کے حملہ کی خبر مل گئی تو سب نے مشکیزے خالی کر لئے اور سویق کو پھینک دیا تاکہ بوجھ ہلکا ہو جائے اور جنگ کا نام غزوۃ السویق ہو گیا)۔

پ

سنہ ۳ھ

٨ــــ غزوہ قرقرۃ الکدر میں سلیم و غطفان کی طلب میں نصف محرم میں برآمد ہوئے تو ابن ام کلثوم کو خلیفہ بنا دیا ان لوگوں نے فرار اختیار کیا اور آپ مال غنیمت لے کر واپس آ گئے۔

٩ــــ غزوۃ بفران میں دس دن مدینہ سے باہر رہے اور ابن ام کلثوم کو جانشین بنایا۔ یہ اور بات ہے کہ مقابلہ کی نوبت نہیں آئی۔

١٠ــــ غزوہ ذی امر کے موقع پر عثمان بن عفان کو جانشین بنایا اور بنی غطفان سے مقابلہ کرنے کے لئے مدینہ سے باہر نکلے یہ اور بات ہے کہ قبیلہ والے مقابلہ پر نہیں آئے اور کوئی نقصان نہیں ہوا۔ اس سلسلہ میں آپ دس روز مدینہ سے باہر رہے۔

١١ــــ غزوہ احد میں ابن ام کلثوم کو جانشین بنایا۔ اگرچہ یہ جنگ مدینہ سے صرف ایک میل کے فاصلے پر ہو رہی تھی اور آپ مدینہ سے صرف ایک روز باہر رہے۔

١٢ــــ ابن ام کلثوم ہی کو غزوہ حمراء الاسد کے موقع پر بھی جانشین بنایا۔ جو جگہ مدینہ سے دس میل کے فاصلے پر ہے۔ آپ کو خبر ملی تھی کہ ابو سفیان دوبارہ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ آپ وہاں تک تشریف لے گئے لیکن ابو سفیان اپنے ساتھیوں سمیت فرار کر چکا تھا۔ آپ اس سلسلے میں تین دن وہاں مقیم رہے اور پھر مدینہ واپس آ گئے۔

١٣ــــ ابن ام کلثوم ہی کو غزوہ بنی النضیر کے موقع پر بھی نائب بنایا۔ جب آپ نے مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر قبا سے قریب عرس کے مقام پر یہودیوں کا محاصرہ کیا اور پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد انہیں مدینہ سے نکال باہر کیا۔

١٤ــــ عبداللہ بن رواحہ انصاری کو غزوہ بدر ثالث میں ١٦ دن کے واسطے جانشین

بنایا۔ ۸ دن وہاں قیام فرمایا، جہاں ابوسفیان نے اگلے سال جنگ کا چیلنج کیا تھا۔

۱۵۔۔۔۔غزوہ ذات الرقاع میں عثمان بن عفان کو ۱۵ دن کے لئے نائب بنایا۔ جب آپ ۱۰ محرم کو برآمد ہوئے اور عرب بھاگ کر پہاڑوں اور وادیوں میں پناہ گزین ہوگئے۔

۱۶۔۔۔۔ابن ام کلثوم ہی کو غزوہ دومتہ الجندل میں بھی نائب بنایا جب آپ نے دیکھا کہ اکیدر بن عبدالملک نصرانی مدینہ والوں کا راستہ روک رہا ہے اور انہیں بہت پریشان کر رہا ہے اور اس کے مقابلہ کے لئے نکلے لیکن وہ فرار کر گیا اور وہاں کوئی نہ ملا۔ آپ نے چند دن قیام فرمایا اور پھر مدینہ واپس آگئے۔ یہاں روم سے پہلی جنگ تھی۔

(دومتہ الجندل ایک طویل وعریض پندرہ میل تک پھیلا ہوا قصر تھا۔ جو دمشق سے سات مرحلوں پر واقع تھا اور مدینہ سے پندرہ راتوں کا فاصلہ تھا)۔

۱۷۔۔۔۔اپنے غلام زید بن حارثہ کو غزوہ بنی المصطلق میں مریسیع کے چشمہ پر ۱۸ دن کے لئے جانشین قرار دیا جس کے لئے آپ دوسری شعبان کو برآمد ہوئے تھے۔

۱۸۔۔۔۔جنگ خندق کے موقع پر بھی ابن کلثوم کو جانشین بنایا اور آپ شوال یا ذی قعدہ کے مہینے میں خود مدینہ کے اندر احزاب سے مصروف جہاد تھے۔

۱۹۔۔۔۔ابورہم انصاری کو غزوہ بنی قریضہ میں نائب بنایا جبکہ اس کا فاصلہ مدینہ سے صرف چند گھنٹوں کا تھا۔ ۲۳ ذی قعدہ سے ان لوگوں کا محاصرہ شروع کیا اور ۱۵ دن تک یہ محاصرہ برقرار رہا۔

ابورہم کا نام کلثوم بن الحصین تھا۔ سرکار کے مدینہ آنے کے بعد مسلمان ہوا اور جنگ احد میں شریک رہا۔

سنہ ۶ھ

۲۰۔۔۔۔۔ ہذیل کی شاخ بنی لحیان کے معرکہ میں ابن ام کلثوم کو ۱۴راتوں کے لئے نائب بنایا اور پھر بلا مقابلہ واپس آ گئے۔

۲۱۔۔۔۔۔ غزوہ ذی قرد میں ابن ام کلثوم کو ۵ راتوں کے لئے جانشین بنایا جہاں تک فاصلہ مدینہ سے دو راتوں کا تھا۔

۲۲۔۔۔۔۔ غزوہ حدیبیہ میں بھی ابن ام کلثوم کو جانشین بنایا۔

۲۳۔۔۔۔۔ سباع بن عرفطہ کو جنگ خیبر میں جانشین بنایا جس کا فاصلہ مدینہ سے ۹۶ میل کا تھا۔ خیبر کے قلعے فتح کرنے کے بعد آپ نے وادی القریٰ کا محاصرہ کر کے اسے بھی فتح فرمایا۔ اس کے بعد اہل تیماء سے مصالحت کر لی جس کا فاصلہ شام سے ۸ مرحلوں کے برابر تھا اور وادی القریٰ تیماء اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔

۲۴۔۔۔۔۔ سباع بن عرفطہ ہی کو عمرۃ القضاء کے موقع پر بھی جانشین بنایا جب آپ ۶ ذی قعدہ کو مدینہ سے برآمد ہوئے۔

۲۵۔۔۔۔۔ ابورہم انصاری کو غزوہ مکہ کے موقع پر مدینہ میں جانشین بنایا۔

۲۶۔۔۔۔۔ غزوہ مکہ کے بعد غزوہ حنین کے لئے ہوازن کا رخ کیا اور اس موقع پر بھی ابورہم انصاری مدینہ میں نائب رہے۔

۲۷۔۔۔۔۔ غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت علیؑ بن ابی طالب کو جانشین بنایا۔ تبوک مدینہ سے ۹۰ فرسخ کے فاصلہ پر ہے۔

یہ پیغمبرؐ کا آخری غزوہ تھا کہ اگر خیبر اور وادی القریٰ کو دو شمار کیا جائے تو غزوات کی تعداد ۲۸ ہوتی ہے ورنہ ۲۷۔۔۔۔۔ ان تمام نیابتوں کی تفصیل مسعودی کی کتاب التنبیہ والاشراف میں ۲ سنہ ھ سے ۹ سنہ ھ تک کے واقعات میں موجود

ہے جس میں بعض مقامات پر جانشین کے نام میں بھی اختلاف ہے لیکن تبوک کے موقع پر حضرت علیؑ کی جانشینی کا تذکرہ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں سعد بن ابی وقاص کے حوالے سے کیا ہے کہ جب رسول اکرمؐ تبوک کے لئے نکلنے کا ارادہ کیا تو مدینہ میں حضرت علیؑ کو جانشین بنا دیا۔ حضرت علیؑ نے عرض کی کہ میری خواہش یہی تھی کہ آپ کو تنہا نہ چھوڑوں تو آپ نے فرمایا کہ کیا تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ تمہارا مرتبہ وہی ہو جو موسیٰ کے لئے ھارون کا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

اس کی تائید بخاری کی کتاب بدء الخلق باب غزوہ تبوک سے ہوتی ہے جس میں سعد بن ابی وقاص کی یہ روایت ہے کہ رسول اکرمؐ غزوہ تبوک میں علیؑ کو مدینہ میں جانشین بنا کر نکلے تو انہوں نے عرض کی کہ حضور مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جا رہے ہیں ——— فرمایا کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تمہاری منزلت وہی ہو جو ہارون کو موسیٰ سے حاصل تھی فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد نبی نہیں ہوگا۔

مسلم نے اپنی صحیح میں سعد بن ابی وقاص سے یوں نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہؐ سے سُنا جب انہوں نے بعض غزوات میں حضرت علیؑ کو نائب بنایا اور حضرت علیؑ نے عرض کی کہ آپ نے مجھے عورتوں اور بچوں میں نائب بنایا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تمہارا مرتبہ وہی ہو جو ہارون کا موسیٰ کے لئے تھا۔ بس میرے بعد نبوت نہیں ہے (صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب فضل علی بن ابی طالب الحدیث ۳۲، مسند ابو داؤد والطیالسی ۱/۲۹، حلیۃ الاولیاء ۷/۱۹۵، ۱۹۶، مسند احمد ۱/۱۷۳، ۱۸۲، ۱۸۴، ۴/۱۵۳، تاریخ بغداد ۱۱/۴۳۲، خصائص نسائی ۸/۱۶، طبقات ابن سعد ۳ ق ۱/۱۵)۔

یہ تھی سرکار دو عالمؐ کی سیرت کہ جب بھی مدینہ سے باہر نکلے۔ مدینہ کو جانشین کے بغیر نہیں چھوڑا۔ یہانتک کہ ایک دن یا چند گھنٹوں کے لئے بھی باہر نکلے تو کسی نہ کسی کو اپنا جانشین مقرر کر دیا جو مسلمانوں کے لئے مرجع بنا رہے جیسا کہ غزوہ احد میں دیکھنے میں آیا جو کہ مدینہ سے صرف ایک میل کے فاصلہ پر تھا بلکہ غزوہ خندق میں دیکھنے میں آیا جو مدینہ کے اندر ہی تھا اور صرف ایک خندق کا فاصلہ تھا اور آپ نے نائب بنا دیا تاکہ مسائل جنگ پر مکمل توجہ دے سکیں اور مسلمانوں کے تازہ ترین مسائل حل کرنے کا کوئی وسیلہ رہے۔ ایسی صورت میں کیا یہ ممکن ہے کہ آپ امت کو ہمیشہ کے لئے لاوارث چھوڑ کر چلے جائیں اور ان کے لئے کوئی مرجع معین نہ کریں؟ یہی وہ سوال ہے جس کا جواب کتاب کی آئندہ فصلوں میں دیا جائے گا۔

☙

ولی امر کی تعیین میں

سرکار دو عالمؐ کے ارشادات

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سرکار دو عالمؐ نے اپنے بعد کے لئے امام اور قائد کی تعیین کی ہے اور اس کے لئے مختلف لہجے اختیار فرمائے ہیں اور یہ کام مختلف مواقع پر انجام دیا ہے ـــــــ بعض مقامات پر صرف ایک امام کا ذکر کیا ہے اور بعض مقامات پر جملہ ائمہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جن مقامات پر صرف حضرت علیؑ کی امامت کا ذکر کیا ہے ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

☙

۱۔ وزیر و ولی عہد و خلیفہ

دعوت ذوالعشیرہ کا واقعہ بیان کیا جا چکا ہے۔

اس موقع پر بنی ہاشم کی موجودگی میں آپ نے حضرت علیؑ کے لئے فرمایا تھا کہ —— "یہ میرا بھائی، میرا وصی اور تم میں میرا خلیفہ ہے۔ اس کے احکام سُنو اور اطاعت کرو"

اس ارشاد گرامی سے آپ نے وصی اور خلیفہ کا تعین کر کے اس کی اطاعت کا بھی حکم دے دیا ہے اور قرآن مجید کا فیصلہ ہے کہ —— "جو رسول تمہیں دیدے اسے لیلو" اور یہ بات صدر اول میں مشہور بھی تھی کہ رسول اکرمؐ کے وصی حضرت علیؑ ہیں۔ یہانتک کہ صحابہ نے اس بات کو نظم بھی کیا ہے۔

حسان بن ثابت نے سرکار دو عالمؐ کے بعد جب آپ کی شان میں قصیدہ لکھا ہے تو اس میں اس حقیقت کو درج کیا ہے: ——

"خدا ابوالحسن اور ابوالحسن جیسے افراد کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے کہ جزا اسی خدا کے اختیار میں ہے"

"یا ابوالحسن آپ نے رسول اللہ کے عہد کی حفاظت کی ہے اور آپ سے زیادہ اس بات کا حقدار کون ہے؟"

"کیا آپ ہی ہدایت میں ان کے بھائی، وصی اور کتاب وسنت کے سب سے بہتر جاننے والے نہیں ہیں"

—— اسی طرح سرکارؐ کے بعد نعمان بن عجلان نے سرکار کا قصیدہ لکھا ہے کہ

"اے عمرو ہماری خواہش تھی کہ علیؑ کو اقتدار ملے اس لئے کہ وہی اسکے اہل تھے"

"وہ رسول مصطفےٰ کے وصی اور ابن عم تھے اور انہوں نے ضلالت وکفر کے شہسواروں سے جہاد کیا ہے"

—— یہ اشعار اس وقت کہے تھے جب اس نے انصار کی غیرت کو چیلنج

کیا اور سقیفہ کے مسائل کی طرف توجہ دلائی۔

زبیر بن بکار نے موفقیات صـ۵۹۱۔۵۹۸ میں عبداللہ بن عباس کی مدح میں بعض شعراء قریش کا یہ شعر نقل کیا ہے:

"خدا کی قسم وصی رسول علیؑ کے بعد ابن عباس کی طرح کسی نے اقوام سے گفتگو نہیں کی ہے"

ب۔ ولی المسلمین بعد الرسول

مختلف مقامات پر آپ نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ علیؑ مسلمانوں کے ولی ہیں۔ مثلاً:

حدیث شکایت

مسند احمد، خصائص نسائی، مستدرک حاکم وغیرہ میں یہ روایت درج ہے جو بالفاظ مسند یوں ہے "بریدہ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے دو لشکر یمن کی طرف روانہ کئے۔ ایک کا سربراہ علیؑ بن ابی طالبؑ کو بنایا اور دوسرے کا خالد بن الولید کو ـــــ اور پھر فرمایا کہ تم دونوں الگ رہنا تو ہر ایک اپنے لشکر کا سردار ہے اور ایک جگہ جمع ہو جانا تو علیؑ سب کے سردار ہوں گے۔

بریدہ کا بیان ہے کہ ہم نے بنی زید کا مقابلہ کیا اور ان سے جنگ کی جس کے نتیجہ میں مسلمان مشرکین پر غالب آئے۔ ہم نے سپاہیوں کو قتل کر دیا۔ عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا۔ علیؑ نے قیدیوں میں سے ایک عورت کا انتخاب کر لیا تو خالد نے اس کی شکایت رسول اکرمؐ کو لکھ کر بھیجی۔ میں نے وہ خط حضرت کو دیا تو پڑھ کر چہرے سے غضب کے آثار نمودار ہو گئے۔ میں نے معذرت کی کہ اس خط میں میرا کوئی دخل نہیں ہے۔ آپ نے مجھے خالد کے ساتھ بھیجا۔ میں نے اس کی اطاعت کی اور اب

اس کے حکم سے یہ خط لے کر آیا ہوں ــــــ فرمایا ــــــ "خبردار علیؑ کے بارے میں کوئی اعتراض نہ کرنا۔ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ وہ میرے بعد تم سب کا ولی ہے (مسند احمد ۵ صـ۳۵۶، خصائص نسائی صـ۲۴، مستدرک ۳ صـ۱۱۱، مجمع الزوائد ۹ صـ۱۲۷، کنز العمال ۱۲ صـ۲۰۷، کنز الحقائق مناصری صـ۱۸۶)۔

دوسری روایت میں ہے کہ بریدہ نے لرز کر کہا ــــــ "یارسول اللہؐ آپ کو اس صحابیت کا واسطہ ہاتھ بڑھایئے میں دوبارہ آپ کی بیعت کروں گا ــــــ اور پھر بیعت کئے بغیر محفل سے باہر نہیں نکلے (مسند احمد ۵ صـ۳۵۰، مجمع الزوائد ۹ صـ۱۲۸)۔

صحیح ترمذی، مسند احمد، مسند طیالسی وغیرہ میں بالفاظ ترمذی یوں نقل کیا گیا ہے

ــــــ عمران بن حصین راوی ہے کہ ــــــ "اس جنگ میں چار صحابہ نے سازش کی کہ علیؑ کے خلاف شکایت کریں گے اور پھر جب حضور کی خدمت میں آئے تو ایک نے کھڑے ہو کر کہا حضور دیکھئے علیؑ نے ایسا ایسا کیا ہے۔ آپ نے منہ پھیر لیا۔ پھر دوسرے۔ تیسرے۔ چوتھے نے ایسا ہی بیان دیا اور ہر مرتبہ آپ نے منہ پھیر لیا۔ یہانتک کہ ایک مرتبہ متوجہ ہوئے۔ جب چہرہ سے غضب کے آثار نمودار تھے ــــــ فرمایا ــــــ آخر تم علیؑ سے کیا چاہتے ہو؟ کیا چاہتے ہو؟ کیا چاہتے ہو؟ ــــــ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں ــــــ وہ میرے بعد ہر مومن کا ولی ہے" ــــــ

(ترمذی ۱۳ صـ۱۶۵، مسند احمد ۴ صـ۴۳۷، مسند طیالسی ۳ صـ۱۱۱ حدیث صـ۸۲۹، مستدرک ۳ صـ۱۱۰، نسائی صـ۱۹ حلیۃ الاولیا ۶ صـ۲۹۴)

دوسری شکایت

اسد الغابہ اور مجمع الزوائد وغیرہ میں بالفاظ اول یہ واقعہ درج ہے کہ:ــ

"وہب بن حمزہ کا بیان ہے کہ میں مدینہ سے مکہ تک حضرت علیؑ کے ساتھ رہا تو مجھے بعض باتیں ناگوار ہوئیں اور میں نے طے کیا کہ واپسی پر رسول اکرمؐ سے شکایت کروں گا۔ اس کے بعد جب واپس آ کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان باتوں کا

تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا ——— "خبردار یہ سب نہ کہنا وہ میرے بعد تمام انسانوں سے اولیٰ ہے" (اسد الغابہ ۵ ؍ ۹۴، مجمع الزوائد ۹ ؍ ۱۰۹)۔

زمانۂ شکایت

مورخین اور سیرت نگاروں نے حضرت علیؑ کے یمن کی طرف دو سفر بیان کئے ہیں اور یہ غالباً تیسرا سفر ہے جیساکہ آئندہ ذکر کیا جائے گا۔ لیکن بہر حال کوئی سفر ہو۔ آخری سفر ہجرت کے دسویں سال پیش آیا تھا جب حضرت وہاں سے واپس آکر حجۃ الوداع میں یوم الترویہ سے پہلے حضور اکرمؐ کی خدمت میں پہونچ گئے تھے تو اگر یہ شکایت دونوں سفروں میں کی گئی ہے تو پہلی مدینہ میں سنہ ۱۰ھ سے پہلے کی ہے اور دوسری مکہ میں سنہ ۱۰ھ کی ہے۔ جب اصحاب نے ۸ ذی الحجہ سے پہلے آپ سے ملاقات کی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے یہ افسانہ تراشا ہے کہ غدیر کا اعلان اسی شکایت کا ردعمل تھا وہ تاریخ سے بالکل اندھے ہو گئے ہیں۔ یہ شکایت حج سے پہلے کی ہے جس کا جواب دیا جا چکا ہے اور غدیر کا واقعہ حج کے بعد کا ہے جو جحفہ میں تمام مسلمانوں کے مجمع میں پیش آیا جب کہ یمن کے سفر کی شکایت چند افراد کی تھی اور ان کا جواب اسی وقت دے دیا گیا تھا۔

دوسری شکایت کے بارے میں تو صراحت ہے کہ وہ مدینہ واپس آنے کے بعد کی گئی ہے تو اس کا تو غدیر خم سے کوئی تعلق ہی نہیں ہو سکتا ہے۔

کچھ اور ارشادات ہیں جن کے زمانہ کی تعیین نہیں ہو سکی ہے۔ مثلاً ———

(الف) ابن عباس کی روایت کہ حضور نے حضرت علیؑ سے فرمایا ——— "تم میرے بعد ہر مومن کے ولی ہو" (مسند طیالسی ۱۱ ؍ ۳۶۰ حدیث ۲۷۵۲، الریاض النضرہ ۲ ؍ ۲۰۳)

(ب) خود حضرت علیؑ کی روایت کہ رسول اکرمؐ نے مجھ سے فرمایا ——— "تم میرے بعد تمام مومنین کے ولی ہو" (تاریخ بغداد ۴ ؍ ۳۳۹، کنز العمال ۱۵ ؍ ۱۱۴، ۱۲، ۲۲۱)۔

ج۔ اعلان روز غدیر

حاکم حسکانی راوی ہے کہ ______ "ابن عباس اور جابر نے بیان کیا ہے کہ اللہ نے حضرت محمدؐ کو حکم دیا کہ علیؑ کو لوگوں کا ولی بنا کر انہیں باخبر کر دیں تو حضرت کو خوف محسوس ہوا کہ لوگ ابن عم کی محبت کا الزام لگائیں گے اور طعنے دیں گے تو وحی نازل ہوئی۔ اے رسول جو پیغام خدا کی طرف سے نازل ہو چکا ہے اسے پہونچا دیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو پیغام الٰہی کو نہیں پہونچایا۔ اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے۔" (مائدہ آیت ۶۷)۔

یہ سنکر آپ نے روز غدیر خم حضرت علیؑ کی ولایت کا اعلان کر دیا (شواہد التنزیل حسکانی حنفی ۱/۱۹۲ حدیث ۲۴۹)۔

زیاد بن المنذر سے روایت ہے کہ میں امام محمد باقرؑ کی خدمت میں تھا اور آپ لوگوں سے گفتگو کر رہے تھے کہ اہل بصرہ کا ایک شخص کھڑا ہو گیا جس کا نام تھا عثمان عشیٰ جو حسن بصری سے روایت کیا کرتا تھا۔ اس نے کہا یا ابن رسول اللہ میری جان قربان ______ حسن بصری نے بتایا ہے کہ یا ایہا الرسول بلغ ...... ایک شخص کی وجہ سے نازل ہوئی ہے اور اس شخص کا نام نہیں بتایا ہے کیا آپ بتا سکتے ہیں؟ ______ فرمایا وہ اگر بتانا چاہتے تو بتا سکتے تھے۔ لیکن انہیں خوف لاحق تھا ______ قصہ یہ ہے کہ جبریل امین رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ حکم خدا ہے کہ آپ لوگوں کو بتا دیں کہ ان کا ولی کون ہے جس طرح آپ نے نماز، روزہ و زکوٰۃ، حج وغیرہ کے احکام بتائے ہیں تاکہ ان پر حجت تمام ہو جائے تو آپ نے فرمایا کہ جبریل! میری قوم نو مسلم ہے۔ ان میں آپس میں مقابلے اور چشمکیں ہیں۔ مجھے خطرہ ہے کہیں یہ سب پلٹ نہ جائیں تو جبریل یہ آیت لیکر آئے کہ اگر یہ نہ کیا تو گویا رسالت کی تبلیغ نہیں کی یعنی تبلیغ مکمل نہیں

ہوئی تو اس ضمانت کے بعد آپ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر ان کی ولایت کا اعلان کر دیا۔ (شواہد التنزیل ۱، ۱۹۱)۔

حاکم حسکانی ہی کی روایت معراج کے ذیل میں ہے کہ پروردگار نے پیغمبرؐ سے فرمایا کہ میں نے جس نبی کو بھیجا ہے اس کا ایک وزیر بھی بنایا ہے تم اللہ کے رسول ہو اور علیؑ تمہارے وزیر ہیں۔

ابن عباس کا بیان ہے کہ معراج سے واپس آنے کے بعد رسول اکرمؐ نے ہمت نہیں کی کہ اس بات کا تذکرہ کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ نئے نئے مسلمان جاہلیت کے زیر اثر گمراہ ہو جائیں۔ یہانتک کہ جب ۱۸ ذی الحجہ آئی تو یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے فرمایا ـــــ ایہا الناس ـــ اللہ نے مجھے ایک پیغام دے کر تمہاری طرف بھیجا ہے اور میں بہت پریشان ہوں کہ کہیں تم لوگ متہم نہ کرو اور تکذیب نہ کرنے لگو اب قدرت نے لہجہ بدل دیا ہے۔ لہذا میں یہ اعلان کرتا ہوں۔ (شواہد التنزیل ۱، ۱۹۲-۱۹۳)۔

حسکانی اور ابن عساکر کی روایت ابو ہریرہؓ سے ہے کہ "بلغ ما انزل الیک من ربک،، سے مراد "فی علی بن ابی طالب،، ہے۔ (شواہد التنزیل ۱، ۱۸۷۔ ابن عساکر حالات حضرت علیؑ، تاریخ دمشق حدیث ۲، ۴۵۲)۔

حسکانی نے عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اکرمؐ سے سنا ہے کہ آپ نے روز غدیر خم آیۃ بلغ کی تلاوت کی اور پھر علیؑ کو ہاتھوں پر بلند کر کے فرمایا ـــــ "آگاہ ہو جاؤ جس کا میں مولیٰ ہوں۔۔۔۔"

(عبداللہ بن ابی اوفیٰ کا نام علقمہ بن خالد الخارث الاسلمی۔ صحابی رسولؐ تھے۔ حدیبیہ میں حاضر ہوئے۔ نبیؐ کے بعد زندہ رہے ۸۶ھ یا ۸۷ھ میں انتقال کیا اور صحابہ میں کوفہ میں آخری آدمی تھے۔ ان کی حدیث تمام اصحاب صحاح نے نقل کی ہے۔ ان کے حالات تقریب التہذیب ۱، ۴۰۲، اسد الغابہ ۳، ۱۲۱ میں درج ہیں)۔

واحدی نے اسباب النزول میں اور سیوطی نے در منثور میں ابو سعید خدری سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت علیؑ بن ابی طالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (اسباب النزول ص ۱۳۵، در منثور ۲ ص ۲۹۸، فتح القدیر ۲ ص ۵۷، تفسیر نیشاپوری ۶ ص ۱۹۴)۔

تفسیر سیوطی میں ابن مسعود کا یہ قول درج ہے کہ ہم زمانہ پیغمبرؐ میں آیت کی تلاوت اس انداز سے کیا کرتے تھے ــــــ بلغ ما انزل الیک من ربک ــــــ ان علیا مولی المومنین ــــــ (در منثور ۲ ص ۲۹۸)

اس طرح پڑھا کرتے تھے یعنی آیت کی یوں تفسیر کیا کرتے تھے اور یہی سرکارؐ کی تعلیم تھی۔

واقعہ غدیر

مجمع الزوائد ۹ ص ۱۶۳ ۔ ۱۶۵ پر یہ واقعہ اس طرح درج کیا گیا ہے کہ جب رسول اکرمؐ حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر چلے تو ۱۸ ذی الحجہ کو آیت بلغ نازل ہوئی اور آپ نے جحفہ[1] میں مقام غدیر خم پر نزول (جلال) فرمایا۔ جحفہ سے مدینہ، شام اور مصر کے راستے الگ ہوتے تھے۔ آپ نے اتنی دیر توقف فرمایا کہ پیچھے رہ جانے والے پہونچ گئے اور جو آگے بڑھ گئے تھے انہیں واپس بلا لیا۔ اصحاب کو متفرق طور پر قیام کرنے سے بھی روک دیا اور کانٹے صاف کرلنے کے بعد نماز جماعت[2] کا اعلان کر دیا ایک درخت کے قریب سایہ کر کے نماز ظہر[3] ادا فرمائی اس کے بعد خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے۔

---

[1] شواہد التنزیل ۱ ص ۱۹۲ — [2] تاریخ ابن کثیر ۵ ص ۲۰۹ ۔ ۲۱۳

[3] مسند احمد ۴ ص ۲۸۱ ۔ ابن کثیر ۵ ص ۲۰۹۔ — [4] مسند احمد ۴ ص ۲۸۱

حمد وثنائے الٰہی، وعظ ونصیحت وغیرہ کے بعد فرمایا کہ قریب ہے کہ مجھے اس کی بارگاہ میں طلب کر لیا جائے اور میں چلا جاؤں اور میں مسئول ہوں اور تم بھی ذمہ دار ہو تو میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ سب نے عرض کی کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے تبلیغ کی ہے، نصیحت کی ہے۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔

فرمایا کیا تم گواہی نہیں دیتے کہ خدا وحدہٗ لاشریک ہے۔ محمدؐ اس کے رسول ہیں جنت وجہنم حق ہے؟ سب نے عرض کی بے شک گواہی دیتے ہیں۔ فرمایا ـــــ خدایا گواہ رہنا۔

اس کے بعد فرمایا کیا میری بات سن نہیں رہے ہو؟ سب نے عرض کی ـــــ بے شک سن رہے ہیں ـــــ

فرمایا ـــــ ایہا الناس ـــــ میں جا رہا ہوں اور تم بھی میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہو گے۔ کوثر کا عرض مقام بصریٰ (شام) سے صفار تک کا ہے جس میں آسمان کے ستاروں کے برابر چاندی کے پیالے ہوں گے۔ میں تم سے ثقلین کے بارے میں سوال کروں گا۔ ہوشیار رہنا کہ تم میرے بعد ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرو گے۔

ایک آواز بلند ہوئی یا رسول اللہ یہ ثقلین کیا ہیں؟

فرمایا ایک کتاب اللہ جس کا ایک سرا قدرت کے ہاتھ میں ہے اور ایک تمہارے ہاتھ میں۔ لہذا اس سے متمسک رہنا نہ گمراہ ہونا نہ تبدیلی پیدا کرنا ـــــ دوسرے میری عترت اور اہلبیت ہیں۔ خدائے لطیف وخبیر نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں آپس میں جدا نہ ہوں گے یہانتک کہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں۔

یہ بات میں نے ان دونوں کے بارے میں اپنے پروردگار سے طلب کی ہے خبردار ان سے آگے نہ بڑھ جانا کہ ہلاک ہو جاؤ گے اور ان کے بارے میں تقصیر نہ کرنا کہ ہلاکت کا خطرہ ہے۔ انہیں تعلیم دینے کی فکر نہ کرنا کہ یہ تم سے زیادہ اعلم ہیں۔ (ابن کثیر ۵ ۲۰۹)

پھر فرمایا ــــ کیا تمہیں نہیں معلوم ہے کہ میں مومنین کے نفوس سے اولیٰ ہوں؟ ــــ سب نے عرض کی بے شک۔ (مسند احمد ۱؍۱۱۸)۔

فرمایا ــــ کیا تم نہیں جانتے اور گواہی نہیں دیتے ہو کہ میں ہر مومن سے اس کے نفس کی نسبت سے اولیٰ بالتصرف ہوں؟ سب نے عرض کی بے شک۔ (مسند احمد ۴؍۲۸۱، ۳۶۸، ۳۷۰، ۳۷۲)

اس کے بعد آپ نے علی بن ابی طالب کا بازو پکڑ کر بلند کیا۔ یہاں تک کہ سفیدی بغل نمودار ہوگئی۔ (شواہد ۱؍۱۹۰)۔

اور فرمایا ــــ ایہا الناس ــــ اللہ میرا مولا ہے اور میں تمہارا مولا ہوں[1]۔ اور جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی مولا ہے[2] ــــ خدایا جو اسے دوست رکھے اسے تو دوست رکھنا اور جو اس سے دشمنی کرے اس سے دشمنی کرنا۔ جو اس کی مدد کرے اس کی مدد کرنا اور جو اسے چھوڑ دے اسے چھوڑ دینا۔ جو اس سے محبت کرے اس سے محبت کرنا اور جو اس سے دشمنی کرے اس سے عداوت رکھنا۔ (مسند احمد ۱؍۱۱۸، ۱۱۹۔ ۴؍۲۸۱، ۳۷۰، ۳۷۲، ۳۷۳، ۵؍۳۴۷، ۳۷۰۔ مستدرک ۳؍۱۰۹)۔

خدایا! گواہ رہنا۔ (شواہد التنزیل ۱؍۱۹۰)۔

اس کے بعد نبی اور علی جدا نہیں ہونے پائے کہ آیت نازل ہوئی: "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا"

رسول اکرمؐ نے فرمایا ــــ اللہ اکبر ــــ اکمال دین ــــ اتمام نعمت اور خدا کے میری رسالت اور علی کی ولایت سے رضامندی پر (حاکم حسکانی از ابو سعید خدری ۱؍۱۵۷، ۱۵۸ حدیث ۲۱۱، ۲۱۲ و از ابو ہریرہ ص ۱۵۸ حدیث ۲۱۳، تاریخ ابن کثیر ۵؍۲۱۴)۔

تاریخ یعقوبی میں باب "ما انزل من القرآن بالمدینہ" میں درج ہے کہ آخری آیت

---

[1] شواہد التنزیل ۱؍۱۹۱، ابن کثیر ۵؍۲۰۹ [2] جملہ مصادر روایت مذکورہ۔

الیوم اکملت لکم .... ________ اور یہ روایت صحیح ثابت ہے۔ اس کا نزول اس دن ہوا ہے جس دن حضورؐ نے مقام غدیر خم میں امیر المومنین علی بن ابی طالب کی ولایت پر نص فرمائی تھی۔ (یعقوبی ۲، ۴۳)

جس کے بعد عمر بن الخطاب نے ملاقات کر کے مبارکباد دی تھی کہ فرزند ابوطالب مبارک ہو۔ آپ تمام مومنین و مومنات کے مولا ہو گئے۔ (شواہد التنزیل ۱، ۱۰۷۔ مسند احمد ۴، ۲۸۱۔ سنن ابن ماجہ باب فضائل علی۔ الریاض النضرہ ۲، ۱۶۹)۔

حضرت علیؑ کی تاج پوشی

پیغمبر اسلامؐ کے پاس ایک عمامہ تھا جس کا نام سحاب اور اس کا رنگ سیاہ تھا۔ آپ اسے خاص دنوں میں پہنا کرتے تھے ________ روز فتح مکہ بھی وہ عمامہ آپ کے سر اقدس پر تھا۔ آپ نے اسے حضرت علی کے سر پر رکھ دیا۔ (زاد المعاد ابن قیم بحاشیہ شرح زرقانی بر مواہب لدنیہ ا، ۱۲۱)۔

نوٹ :۔ فتح مکہ کے موقع پر اس عمامہ کا تذکرہ صحیح مسلم کتاب الحج حدیث ۴۵۱۔۴۵۲، سنن ابی داؤد ۴، ۵۴ باب فی العمائم۔ شرح المواہب ۵، ۱۰ پر بھی مذکور ہے۔

تاج پوشی کے بارے میں عبدالاعلیٰ بن عدی البہرانی کی روایت ہے کہ آپ نے حضرت علی کو روز غدیر خم قریب بلا کر ان کے سر پر عمامہ رکھا اور اس کا سرا پیچھے کی طرف ڈال دیا۔ (الریاض النضرۃ ۲، ۲۸۹، اسد الغابہ ۳، ۱۱۴)۔

حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے مجھے روز غدیر خم سیاہ عمامہ پہنایا اور اس کا سرا میرے کاندھے پر ڈال دیا۔ (اصابہ حالات عبداللہ بن بشر ۲، ۲۷۴)۔

مسند طیالسی اور سنن بیہقی کی روایت ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ رسول اکرمؐ

نے روز غدیر خم میرے سر پر عمامہ رکھا اور اس کا سرا پشت کی طرف لٹکا دیا اور فرمایا کہ خدا وند عالم نے روز بدر و حنین ملائکہ کے ذریعہ میری امداد کی ہے اور سب کے عمامہ کا انداز یہی تھا۔ پھر فرمایا کہ عمامہ مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان حائل بن جاتا ہے۔ (کنز العمال ۲۰، ۴۵، مسند طیالسی ۱، ۲۳، سنن بیہقی ۱۰، ۱۴)۔

حضرت علی ہی سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے اپنے دست مبارک سے عمامہ پہنایا اور اس کا ایک سرا سامنے رکھا اور دوسرا پشت کی طرف۔ اس کے بعد فرمایا پیچھے ہٹو۔ آپ پیچھے ہٹے ــــــــــ پھر فرمایا آگے بڑھو ــــــ آپ آگے بڑھے پھر اصحاب کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ ملائکہ کے تاج ایسے ہی ہوتے ہیں۔ (کنز العمال ۲۰، ۴۵)

ابن عباس کا بیان ہے کہ جب حضور نے حضرت علی کے سر پر عمامہ سحاب رکھا تو فرمایا کہ عمامے عرب کے تاج ہیں۔ (کنز العمال)۔

عبداللہ بن بشر کی روایت ہے کہ روز غدیر خم رسول اکرمؐ نے حضرت علی کو عمامہ پنہایا اور اس کے سرے کاندھوں کے درمیان ڈال دئے اور فرمایا کہ روز حنین خدا نے اس طرح معمم ملائکہ کے ذریعہ میری امداد کی ہے اور یہ عمامے مشرکین اور مسلمین کے درمیان حائل ہو گئے۔ (اصابہ ۲، ۲۷۲)

واضح رہے کہ اصابہ میں غدیر خم کا ذکر نہیں ہے۔

مناشدہ

حضرت علی نے لوگوں کو مسجد کوفہ کے صحن میں جمع کر کے فرمایا ــــــ دو میں ہر مسلمان کو خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ جس نے غدیر خم میں رسول اکرمؐ کا اعلان سنا ہو اور اپنی آنکھ سے دیکھا ہو وہ کھڑا ہو جائے۔

یہ سُنکر ۳۰ افراد اٹھ کھڑے ہوئے یا بروایتے بہت سے افراد اُٹھے۔ (مسند احمد ۴ ص ۳۷۰)

عبدالرحمان کا بیان ہے کہ بارہ اہل بدر اُٹھ کھڑے ہوئے اور جیسے کہ میں یہ منظر آج بھی دیکھ رہا ہوں کہ انہوں نے اس بات کی گواہی دی کہ رسول اکرم حضرت علی کا ہاتھ پکڑے یہ فرما رہے تھے کہ کیا تم لوگ جانتے ہو کہ میں مومنین سے ان کے نفوس سے بھی اولیٰ ہوں اور سب نے عرض کی بے شک! تو آپ نے فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی مولا ہے۔ خدایا جو اسے دوست رکھے اسے دوست رکھنا اور جو اس سے دشمنی کرے اس سے دشمنی کرنا۔ (مسند احمد ا ص ۱۱۸، ۴ ص ۳۷۰، ابن کثیر ۵ ص ۲۱۱)۔

جو اس کی مدد کرے اس کی مدد کرنا اور جو اسے چھوڑ دے اسے چھوڑ دینا۔

(مسند احمد ا ص ۱۱۸، تاریخ ابن کثیر ۵ ص ۲۱۰)۔

عبدالرحمان کا بیان ہے کہ تین آدمی نہیں اٹھے تو آپ نے انہیں بددعا دی۔ (مسند احمد ا ص ۱۱۹)۔

ابوالطفیل کا کہنا ہے کہ میں وہاں سے باہر نکلا تو میرے دل میں ایک خیال تھا۔ میں نے زید بن ارقم سے ملاقات کر کے کہا کہ میں نے علی کو اس طرح کہتے سُنا ہے تو انھوں نے کہا تعجب کس بات کا ہے۔ میں نے خود رسول اکرمؐ کو یہ کہتے سُنا ہے۔ (مسند احمد ۴ ص ۳۷۰)۔

۴

ایک روایت میں ہے کہ انصار کی ایک جماعت رحبہ میں حضرت علی کے پاس آئی اور انہوں نے یہ کہکر سلام کیا ـــــ السلام علیک یا مولانا ـــــ آپ نے فرمایا کہ میں تمہارا مولا کس طرح ہوں تم تو قوم عرب ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے روز غدیر خم رسول اکرمؐ کو کہتے سنا ہے کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی مولا ہے۔

راوی کہتا ہے جب وہ لوگ چلے گئے تو میں ان کے پیچھے پیچھے گیا اور پتہ لگایا یہ کون لوگ ہیں؟ تو معلوم ہوا کہ انصار کا ایک گروہ ہے جس میں ابو ایوب بھی ہیں۔

(مسند احمد ۴ ص ۲۷، الریاض النضرہ ۲ ص ۱۶۲، ابن کثیر ۵ ص ۲۱۲)

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت علی نے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو تو ان لوگوں نے عرض کی کہ آپ کے غلام ہیں یا امیر المومنین۔ (مسند احمد ۵ ص ۴۱۹، ابن کثیر ۵ ص ۲۱۲)۔

قرآن مجید میں

ولایت اور اولی الامر!

ولایت علیؑ قرآن مجید میں

گذشتہ احادیث میں ولایت امیر المومنین علی کی تصریح کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اب یہ واضح کرنا ہے کہ ہمیشہ یہی بات آیت قرآنی "انما ولیکم اللّٰہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویوتون الزکوٰۃ وھم راکعون" میں بھی پائی جاتی ہے (سورہ مائدہ آیت ۵۵) جس کی تائید حسب ذیل روایات سے ہوتی ہے۔

تفسیر طبری، اسباب النزول واحدی، شواہد التنزیل حاکم حسکانی، انساب الاشراف بلاذری وغیرہ میں ابن عباس، ابو ذر، انس بن مالک اور حضرت علی وغیرہم سے روایت ہے کہ "فقراء مسلمین میں سے ایک فقیر مسجد النبیؐ میں داخل ہوا اور اس نے سوال کیا حضرت علیؑ

اس وقت رکوع کے عالم میں تھے۔ اور نافلہ پڑھ رہے تھے۔ سوال کو سنکر آپ کے دل کو دکھ ہوا اور آپ نے اپنے داہنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ آپ کی انگلی میں عقیق یمنی کی انگوٹھی تھی جسے نماز کے وقت پہن لیا کرتے تھے۔ آپ نے سائل کو اشارہ کیا کہ انگوٹھی اتار لے اس نے انگوٹھی اتار لی اور چلا گیا ابھی کوئی مسجد سے نکلنے بھی نہ پایا تھا کہ جبریل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔

حسان بن ثابت نے یہ منظر دیکھ کر مدح سرائی شروع کر دی۔

"یا ابا الحسن آپ پر میں، میری جان اور کار خیر میں ہر تیز اور سست انسان کی جان قربان"

"آپ ہی نے حالت رکوع میں زکوٰۃ دی ہے۔ تو اے بہترین رکوع کرنے والے آپ پر ساری قوم قربان"

"آپ ہی کے بارے میں ولایت کی آیت نازل ہوئی ہے اور اسے محکمات شریعت میں ثبت کر دیا گیا ہے۔ (کفایۃ ابی طالب باب ۶۱ ص۲۲۸، تفسیر طبری ۶ ۱۸۶، اسباب النزول ص ۱۳۳، انساب الاشراف حدیث ۱۵۱، حالات حضرت علی، غرائب القرآن نیشاپوری بر حاشیہ طبری ۶ ۱۶۷، درمنثور ۲ ۲۹۳، ۲۹۴، لباب النقول ص۹۰۔۹۱۔ واضح رہے کہ شواھد التنزیل میں پانچ روایتیں ابن عباس سے۔ دو انس سے اور چھ روایتیں اور مختلف انداز سے نقل کی گئی ہیں۔)

آیت کی دلالت پر اعتراض

بعض لوگوں نے آیت کے مفہوم پر یہ اعتراض کیا ہے کہ آیت میں صیغہ جمع کا ہے لہذا اس سے ایک فرد کو مراد نہیں لیا جا سکتا؟

لیکن اس کا واضح جواب یہ ہے کہ واحد استعمال کر کے جمع مراد لینا خلاف اصول ہے لیکن جمع استعمال کر کے واحد مراد لینا ہرگز خلاف اصول نہیں ہے بلکہ عربی محاورات

میں رائج و شائع ہے۔ خود قرآن مجید میں سورہ منافقون میں سارے صیغے جمع کے استعمال ہوئی ہیں اور طبری نے سورہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ان آیات سے عبداللہ بن ابی سلول مراد ہے۔ اور اول سے آخر تک سورہ اس کے بارے میں نازل ہوا ہے اور یہی بات تمام اہل تاویل نے کہی ہے اور یہی روایات کا مضمون ہے (تفسیر طبری ۲۸ ص ۷۰)

سیوطی نے ان آیات کی تفسیر میں ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ منافقین کے بارے میں جو کچھ بھی نازل ہوا ہے اس سے عبداللہ بن ابی مراد ہے۔ (تفسیر سیوطی ۶ ص ۲۲۳)۔

اس واقعہ کا اجمال علماء تفسیر و سیرت نے اس انداز سے نقل کیا ہے کہ "عمر بن الخطاب کے نوکر جہجاہ غفاری نے غزوہ بنی المصطلق کے بعد سنان جہنی (جو بنی خزرج کا حلیف تھا) سے پانی پر جھگڑا کر ڈالا اور دونوں میں خوب جنگ ہوئی۔ یہانتک کہ جہنی نے انصار کو مدد کے لئے پکارا اور جہجاہ نے مہاجرین کو ______ عبداللہ بن ابی اور اس کی قوم جس میں زید بن ارقم سا جوان بھی شامل تھا سخت برہم ہوئے اور پوچھا کہ کیا واقعاً ان لوگوں نے مزاحمت کی ہے۔ یہ ہمارے ہی علاقے میں ہم سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ ان قریش کی وہی مثل ہے کہ "کتے کو تگڑا بناؤ ایک دن تمہیں کو کاٹے گا"۔ خدا کی قسم اب جو مدینہ واپس گئے تو ہم صاحبان عزت ان ذلیل افراد کو نکال باہر کریں گے۔ اس کے بعد اپنی قوم سے خطاب کر کے کہا "یہ بلا تم لوگوں کی اپنی لائی ہوئی ہے۔ اپنے شہر میں جگہ دی۔ اپنے مال میں حصہ دیا۔ خدا کی قسم اگر تم اپنے مال کو روک لیتے تو یہ کسی اور شہر چلے جاتے ______"

زید بن ارقم نے یہ تقریر سنکر رسول اکرمؐ کو اطلاع دی جہاں عمر بن الخطاب بھی موجود تھے۔ انہوں نے فوراً فرمایا یا رسول اللہ اجازت دیجئے میں اس کی گردن اڑا دوں ______ فرمایا ______ ہرگز نہیں ورنہ حمایت میں اور لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور یثرب میں ایک فتنہ برپا ہو جائے گا۔

کہنے لگے تو پھر انصار ہی میں سے سعد بن معاذ یا محمد بن مسلمہ کو حکم دیجئے کہ وہ قتل کر دیں ـــــ فرمایا کہ اس طرح لوگ مشہور کریں گے کہ محمدؐ اپنے ہی اصحاب کو قتل کر رہے ہیں۔ (تفسیر طبری ۲۸ ص ۷۴)۔

اس کے بعد عبداللہ حضرت رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قسم کھائی کہ ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ اصحاب نے زید بن ارقم کی ملامت کی اور عبداللہ سے کہا کہ تم رسول اللہ سے ملاقات کرو۔ وہ تمہارے لئے استغفار کریں گے۔ اس نے سر جھکا لیا اور کہنے لگا کہ تم لوگوں نے ایمان کے لئے کہا میں ایمان لے آیا ـــــ پھر زکوٰۃِ مال کے لئے کہا میں نے زکوٰۃ ادا کر دی ـــــ اب یہی باقی رہ گیا ہے کہ محمد کو سجدہ بھی کر لوں تو سورہ منافقون نازل ہوا۔ جس میں عبداللہ کی تمام گفتگو اور کیفیت کا تذکرہ موجود ہے۔ (تفسیر طبری ۲۸ ص ۱۱)۔

سورہ مبارکہ میں عبداللہ بن ابی فرد واحد کے بارے میں تمام صیغے بطور جمع استعمال ہوئے ہیں جیسا کہ مفسرین کا اتفاق بھی ہے اور روایات کا بیان بھی ـــــ اور یہ بات صرف بطور مثال پیش کی گئی ورنہ کلام الٰہی میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں:

"منهم الذین یؤذون النبی ویقولون هو اذن"

(التوبہ آیت ۶۱)

"الذین قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لکم"

(آل عمران آیت ۱۷۳)

"یقولون هل لنا من الامر شیء"

(آل عمران آیت ۱۵۴)

ان تمام آیات بالا میں صیغے جمع کے ہیں ـــــ اور ان کا نزول افراد کے بارے میں ہوا ہے۔

اولوالامر حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کے ائمہؑ ہیں

سابق کی روایات

متواترہ سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ علی مومنین کے مولا اور رسول اکرمؐ کے بعد سب کے ولی امر ہیں اور انہیں روایات سے آیت مبارکہ "اولی الامر" کی بھی تفسیر ہوتی ہے جس میں صاحبان ایمان کو خدا ــ رسول ــ اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ جس کے لئے حسب ذیل روایات شاہد ہیں:

۱ ــ شواہد التنزیل میں حضرت علی سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اکرمؐ سے آیت اولی الامر کے بارے میں سوال کیا کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں ــ؟ فرمایا ــ تم ان میں سب سے پہلے ہو۔

۲ ــ مجاہد سے نقل کیا گیا ہے کہ اس سے مراد علی بن ابی طالب ہیں جنہیں خدا نے پیغمبرؐ کی حیات ہی میں ولی امر بنا دیا تھا جب آپ انہیں مدینہ میں چھوڑ کر گئے تھے اور سب پر ان کی اطاعت فرض کر دی تھی۔

۳ ــ ابو بصیر امام باقر علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت سے آیت "اولی الامر" کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ــ "یہ حضرت علی کے بارے میں نازل ہوئی ہے" ــ میں نے عرض کی کہ لوگوں کا یہ اعتراض ہے کہ حضرت علی اور اہل بیت کا نام کیوں نہیں ہے ــ؟ تو آپ نے فرمایا کہ خدا نے نماز نازل کی اور تین چار رکعت کا ذکر نہیں کیا۔ اس کا اعلان رسول اکرمؐ نے کیا ہے۔ خدا نے حج واجب کیا اور سات طواف کا نام نہیں لیا۔ اس کی تفسیر رسول اکرمؐ نے کی ہے تو اگر آیت اولی الامر نازل کر دی اور رسولؐ نے ہی تفسیر کر دی تو جائے اعتراض کیا ہے ــ رسول اکرمؐ نے تو فرما دیا تھا کہ میں تم میں کتاب اور عترت و اہل بیت ــ

چھوڑے جاتا ہوں۔ جن میں جدائی نہ ہوگی۔ جب تک حوض کوثر پر وارد نہ ہو جائیں۔ (شواہد التنزیل ا۔ ۱۴۸۔ ۱۵۰)۔

ائمہ طاہرینؑ رسولؐ کے مبلغ ہیں

قرآن مجید نے متعدد آیات میں مرسلین کی ذمہ داری کو تبلیغ میں منحصر کر دیا ہے:۔

"ماعلی الرسول الا البلاغ" (مائدہ ۹۹)

"وماعلی الرسول الا البلاغ المبین" (نور ۵۴، عنکبوت ۱۸)

"انما علی رسولنا البلاغ المبین" (مائدہ ۹۲۔ تغابن ۱۲)

"فہل علی الرسل الا البلاغ المبین" (نحل ۳۵)

پھر رسول اکرمؐ سے بھی خطاب کر کے فرمایا ہے:

"فانما علیک البلاغ" (آل عمران ۲۰، نحل ۳۵، رعد ۱۳)

"ان علیک الا البلاغ" (شوریٰ ۴۸)

واضح رہے کہ تبلیغ کی دو قسمیں ہیں — بالواسطہ — اور — بلا واسطہ — اور پھر دونوں کی دو صورتیں ہیں ۱۔ ان امور کی تبلیغ جن کا وقت آچکا ہے۔ ۲۔ ان امور کی تبلیغ جن کا وقت نہیں آیا ہے۔ جیسے مومنین کے دو گروہوں کے جھگڑے کا حکم — حاکم ظالم کے سامنے صاحبان ایمان کی ذمہ داری وغیرہ۔ پھر رسولؐ کے پیغام کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱۔ وہ پیغامات جو لفظ و معنی دونوں کے ساتھ نازل ہوئے ہیں جیسے قرآن مجید "اوحی الی ھذا القرآن لانذرکم بہ ومن بلغ" (انعام ۱۹)۔

۲۔ وہ پیغامات جن کے معانی کا نزول ہوا ہے اور رسولؐ نے اپنے الفاظ سے ان کی تبلیغ کی ہے جیسے احکام شریعت کی تفصیلات کہ خدا نے پوری شریعت کی وحی کردی اور پھر رسولؐ نے رکعات کی تعداد، احکام کی تبلیغات۔ سابق کی داستانیں مستقبل کی خبریں۔ دنیا و آخرت کے حالات ان الفاظ کے ذریعہ پہونچائے جو عین مرضی خدا کے مطابق تھے لیکن پیغام کے ساتھ نازل نہیں ہوئے تھے ـــــــ انہیں الفاظ کو حدیث نبوی کہا جاتا ہے۔

سابقہ آیات نے رسولؐ کی ذمہ داری کو تبلیغ میں منحصر کر دیا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ رسولؐ کی نمایاں اور امتیازی صفت تبلیغ ہی ہے لہذا وہ جب بھی کسی شخص کے بارے میں کہیں گے یہ میرا جزء ہے (انہ منی)۔ تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ تبلیغات میں میرا ٹکڑا اور میرا جزء ہے ـــــــ اور یہ میری ذاتی رائے نہیں ہے، بلکہ مختلف روایات اور مقامات پر اس کی تصریح بھی کی گئی ہے کہ تبلیغ علی، تبلیغ رسولؐ کا جزء ہے اور علی بھی سرکار دو عالمؐ کا ایک جزء ہیں۔

قصہ تبلیغ برائت

اس واقعہ کی صحیح ترمذی، تفسیر طبری، خصائص نسائی، مستدرک وغیرہ میں انس، ابن عباس، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر، ابو سعید خدری، عمر بن میمون، علی بن ابی طالب اور ابو بکر سے روایت کی گئی ہے جس میں مسند احمد کے مطابق ابو بکر کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ، رسول اکرمؐ نے مجھے سورہ برائت دیکر مکہ کی طرف روانہ

کیا کہ میں یہ اعلان کر دوں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور کوئی برہنہ طواف کعبہ نہیں کر سکے گا۔ اور جنت میں نفس مسلم کے علاوہ کسی کا داخلہ نہیں ہو سکے گا۔ جس کے اور رسولؐ کے درمیان کوئی مدت طے ہے وہ تو ٹھیک ہے ورنہ خدا و رسولؐ مشرکین سے بری اور بیزار ہیں ـــــــ میں نے تین منزلیں طے کی تھیں کہ حضورؐ نے علی کو بھیجدیا کہ ابوبکر کو واپس کر دو اور تم برائت کی تبلیغ کرو ـــــــ علیؑ نے مجھ سے سورہ لے لیا اور جب واپس آیا تو میں نے گریہ کیا اور عرض کی کہ کیا میرے بارے میں کوئی نئی بات ہو گئی ہے ـــــــ؟ فرمایا کہ جو کچھ بھی ہوا ہے وہ خیر ہی ہے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اس حکم کی تبلیغ یا میں کروں یا وہ مرد جو مجھ سے ہو" (مسند احمد ۱؍۳ ـــــــ

حدیث ۴ از مسند ابوبکر ـــــــ (احمد شاکر کا بیان ہے کہ اس کی سند صحیح ہے) کنز العمال، ذخائر العقبیٰ)۔

عبداللہ بن عمر کے الفاظ یہ ہیں ـــــــ "تمہاری طرف سے کوئی تبلیغ نہیں کرے گا یا تم خود یا جو مرد تم سے ہو" (مستدرک ۳؍۵۱)۔

ابوسعید خدری کی روایت کے الفاظ یہ ہیں ـــــــ "میری طرف سے میرے علاوہ کوئی تبلیغ نہ کرے گا یا کوئی مرد جو مجھ سے ہو" (در منثور تفسیر برائت)۔

ان روایات کے تمام حالیہ اور مقالیہ قرائن اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس تبلیغ سے مراد وہ تبلیغ ہے جس میں خدائی احکام بندوں تک پہونچائے جاتے ہیں اور جو کام رسولؐ یا جزء رسولؐ کے علاوہ کوئی انجام نہیں دے سکتا ورنہ وہ تبلیغ جس میں مکلفین کو حکم دیا جاتا ہے کہ جو حکم ان پر نافذ ہوا ہے وہ دوسروں تک بھی پہونچائیں۔ اس کا حوالہ اور رجحان سارے مسلمانوں کے لئے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اس میں رسولؐ یا غیر رسول کی شرط نہیں ہے۔

مذکورہ روایات میں رسول اکرمؐ کی مراد تبلیغ کی پہلی قسم یعنی بلا واسطہ ہے جہاں احکام خدا سے لے کر بندوں تک پہونچائے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ لفظ "منی" کی تشریح اس حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے ——— "علی منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ"

صحیح بخاری، مسلم، مسند طیالسی، مسند احمد، سنن ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ میں یہ روایت بالفاظ بخاری اس طرح درج ہے کہ رسول اکرمؐ نے علی سے فرمایا ——— تم مجھ سے اسی طرح ہو جس طرح ہارون موسیٰ سے تھے۔ صرف میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ (بخاری ۲؍۳۰۰ باب مناقب علی، صحیح مسلم ۷؍۱۲۰ باب فضائل علی بن ابی طالب، ترمذی ۱۳؍۱۷۱ باب مناقب علی، طیالسی ۱؍۲۸، ۲۹۔ حدیث ۲۰۵، ۲۰۹، ۲۱۳، ابن ماجہ باب فضل علی بن ابی طالب حدیث ۱۱۵ مسند احمد ۱؍۱۷۰-۱۷۳-۱۷۵-۱۷۷-۱۷۹-۱۸۲-۱۸۴-۱۸۵-۳۳۰-۳؍۳۲ و ۳۳۸-۶؍۳۶۹ و ۴۳۸ مستدرک حاکم ۲؍۳۳۷، طبقات ابن سعد ۳/۱-۱۴-۱۵، مجمع الزوائد ۹؍۱۰۹، ۱۱۱ وغیرہ)۔

ابن سعد طبقات میں براء بن عازب اور زید بن ارقم سے نقل کرتے ہیں کہ جب جنگ تبوک میں جانے کا وقت آیا تو رسول اکرمؐ نے حضرت علی سے کہا کہ یا میں مدینہ میں قیام کروں یا تم ——— اور یہ کہکر انہیں اپنا خلیفہ بنا کر چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد لوگوں نے یہ طعنے دینا شروع کئے کہ آپ نے ناراض ہو کر چھوڑ دیا ہے اور ساتھ نہیں لے گئے۔ حضرت علی کو یہ بات ناگوار گذری اور فوراً روانہ ہو گئے۔ جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ آخر آنے کا کیا سبب ہے ———؟ عرض کی حضور لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے ناراض ہو کر مجھے چھوڑ دیا ہے۔ حضرت مسکرا دیئے اور فرمایا کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تمہارا رشتہ وہی رہے جو ہارون کا موسیٰ سے تھا صرف یہ کہ تم نبی نہیں ہو ———؟ عرض کی ——— بے شک ——— فرمایا ——— پھر میں نے تم کو ہارون بنا کر چھوڑا ہے۔

(طبقات ابن سعد ۳/۱/۱۵ ـ مجمع الزوائد ۹؍۱۱۱)۔

ث

مفہومِ منّی

"انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ" میں لفظ مِنِّی اس مفہوم کی مکمل وضاحت کررہا ہے جس کے لئے دیگر مقامات پر یہ لفظ استعمال ہوا ہے یعنی جس طرح ہارون جناب موسیٰ کے شریک نبوت و وزیر تھے ویسے ہی علی رسول اکرمؐ کے لئے ہیں۔ صرف یہ کہ رسولؐ خاتم الانبیاء ہیں لہذا نبوت میں شرکت کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ جس کا مفہوم یہ ہوا کہ خدا کی طرف سے بلاواسطہ بندوں تک پیغام پہونچانے میں علی بھی نبیؐ کے شریک اوران کا جزء ہیں۔ جیسا کہ بریدہ کی گذشتہ روایتِ شکایت میں یہ جملہ وارد ہوا تھا کہ علی کو کچھ نہ کہو وہ مجھ سے ہے یا عمران بن حصین کی روایت میں تھا کہ "علی مجھ سے ہے۔"

❖

ان تمام روایات کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت علی اور دیگر ائمہ اطہار خدائی پیغام کے بندوں تک بلاواسطہ پہونچانے میں رسول اکرمؐ کا جزء ہیں جس طرح انگوٹھی چاندی سے ہوتی ہے۔ یہ سب رسولؐ سے ہیں اور رسولؐ ان سے ہیں۔ سب تبلیغ میں شریک ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ رسولؐ ان احکام کو بذریعہ وحی حاصل کرتے ہیں اور ائمہ طاہرین رسولؐ کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں اور امت تک پہونچاتے ہیں ——— پروردگار عالم نے انہیں اس تبلیغ کے لئے مہیا کیا ہے اور اسی لئے معصوم بنایا ہے ——— منزل تطہیر پر فائز کیا ہے ——— اور رسول اکرمؐ نے خصوصیت کے ساتھ حضرت علی پر افاضہ فرمایا ہے اور ان سے ائمہ طاہرین نے بطور وراثت لیا ہے جیسا کہ آئندہ روایات میں اشارہ کیا جائے گا۔

❖

حامل علومِ رسولؐ

تفسیر رازی اور کنز العمال میں حضرت علی کا یہ ارشاد درج ہے کہ ــــــ "رسولِ اکرمؐ نے مجھے علم کے ہزار باب تعلیم کئے اور میرے لئے ہر باب سے ہزار باب پیدا ہو گئے"۔

(تفسیر آیت ان اللہ اصطفیٰ آدم.... کنز العمال ۶ ص ۳۹۲، ۵، ۴۰)۔

تفسیر رازی ــ طبقات ابن سعد ــ تہذیب التہذیب ــ کنز العمال میں یہ روایت بھی ہے جس کے الفاظ فتح الباری میں یوں ہیں ــــــ ابوالطفیل کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کو خطبہ پڑھتے دیکھا جب آپ فرما رہے تھے کہ جو پوچھنا چاہو پوچھ لو۔ خدا کی قسم قیامت تک ہونے والی جس بات کے بارے میں پوچھو گے میں جواب دونگا مجھ سے کتاب اللہ کے بارے میں پوچھو۔ کوئی آیت ایسی نہیں ہے جسے میں نہ جانتا ہوں کہ دن میں نازل ہوئی ہے یا رات میں۔ میدان میں آئی ہے یا پہاڑ پر.......

(تفسیر ابن جریر ۲۶ ص ۱۱۲، طبقات ۲/۲/۱۰۱۔ تہذیب التہذیب ۷ ص ۳۳۷، فتح الباری ۱۰ ص ۲۲۱، حلیۃ الاولیاء ۱ ص ۶۷، کنز العمال ۱ ص ۲۲۸)۔

اس لئے آپ نے ان کے حق میں فرمایا تھا کہ "میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ جسے شہر میں آنا ہو وہ دروازہ سے آئے"۔ جیسا کہ جابر نے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔ (مستدرک ۳ ص ۱۲۶۔ ۱۲۷، تاریخ بغداد ۴ ص ۳۴۸، ۷ ص ۱۷۲، ۱۱ ص ۴۸۔ ۴۹، اسد الغابہ ۴ ص ۲۲، مجمع الزوائد ۹ ص ۱۱۴، تہذیب التہذیب ۶ ص ۳۲۰، ۷ ص ۴۲۷ــــ فیض القدیر ۳ ص ۴۶، کنز العمال ۱۲ ص ۲۰۱ حدیث نمبر ۱۱۳۰، صواعق محرقہ ص ۷۳)۔

دوسری روایت میں ہے ــــــ "جو علم لینا چاہے وہ دروازہ پر آئے۔

(مستدرک ۳ ص ۱۲۷)۔

تیسری روایت ــــــ میں نے رسول اکرمؐ کو روز حدیبیہ علی کا ہاتھ پکڑ کر یہ فرماتے سنا ہے کہ علی نیک افراد کا امام اور فاجرون کا قاتل ہے۔ جو اس کی مدد کریگا خدا اس کی مدد کرے گا اور جو اسے چھوڑ دے گا خدا اسے چھوڑ دے گا۔ پھر بلند آواز سے

فرمایا ـــــ "میں شہرِ علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے جسے گھر میں آنا ہو وہ دروازہ پر آئے۔" (تاریخ بغداد ۲، ۳۷۷)۔

ابن عباس کی روایت کے الفاظ ـــــ "میں شہرِ علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں جو شہر میں آنا چاہے وہ اس کے دروازہ سے آئے۔" (کنزالعمال ۱۲، ۲۱۲ حدیث ۱۲۱۹)۔

حضرت علی کی روایت میں "میں علم کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ" (الریاض النضرہ ۲، ۱۹۳)

ابن عباس کے الفاظ دوسری روایت میں ـــــ "میں حکمت کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔ جو حکمت چاہتا ہے وہ دروازہ پر آئے۔" (تاریخ بغداد ۱۱، ۲۰۴۔ صحیح ترمذی)۔

حضرت علی کی روایت میں ـــــ "میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ۔"

(ترمذی ۱۳، ۱۷۱ باب مناقب علی بن ابی طالب، حلیۃ الاولیاء ۱، ۶۴، کنزالعمال طبع اول ۶، ۱۵۶)۔

ابوذر کی روایت میں ـــــ "علی میرے علم کا دروازہ اور میرے بعد امت میں میرے پیغام کا بیان کرنے والا ہے۔" (کنزالعمال ۱۔۶، ۱۵۶)۔

انس بن مالک کی روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے حضرت علی سے کہا "میرے بعد تم میری امت کے اختلافی مسائل کو واضح اور بیان کرو گے۔" ـــــ حاکم نے اس حدیث کو شیخین کے شرائط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔ (مستدرک ۳، ۱۲۲، کنزالعمال طبع اول ۶، ۱۵۶، کنوز الحقائق مناوی ص ۱۸۸)۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا ـــــ "تم میرا پیغام پہونچاؤ گے ـــــ میری آواز سناؤ گے اور اختلافات کو واضح کرو گے۔" (حلیۃ الاولیاء ۱، ۶۳)۔

پروردگار عالم نے رسول اکرمؐ کو یہ موقع بھی فراہم فرمایا کہ حضرت علی کو اس طرح بچپنے سے علم عطا فرمائیں جس طرح طائر اپنے بچہ کو دانہ بھراتا ہے جیساکہ حاکم نے روایت کی ہے کہ علی بن ابی طالب پر اللہ کی مخصوص نعمت یہ ہے کہ اس نے ان کے لئے خیر کے اسباب فراہم کئے ہیں۔ چنانچہ جب قریش میں سخت قحط پڑا تو ابوطالب کثیر العیال

تھے۔ رسول اکرمؐ نے اپنے چچا عباس سے کہا کہ ابوالفضل! آپ کے بھائی ابوطالب کثیر العیال ہیں اور آپ قریش کی پریشانی کو دیکھ رہے ہیں۔ کیوں نہ ایسا ہو کہ ہم لوگ چلکر ان کے بوجھ کو ہلکا کر دیں۔ ایک فرزند کو میں لیلوں اور ایک کو آپ لے لیں اور ہم لوگ ان کی کفالت کر لیں ______ ، عباس راضی ہو گئے اور دونوں حضرات حضرت ابوطالب کے پاس آئے اور مدعا بیان کیا۔ ابوطالب نے فرمایا کہ عقیل کو میرے پاس چھوڑ دو اور باقی جسے چاہو لیجاؤ۔ رسول اکرمؐ نے علی کو لے لیا اور عباس نے جعفر کو۔ علی رسول اکرم کے ساتھ رہے۔ یہانتک کہ سرکار مبعوث برسالت ہوئے تو حضرت علی آپ کے ساتھ رہے۔ آپ کی تصدیق کی اور جعفر عباس کے ساتھ رہے یہانتک کہ ان سے مستغنی ہو گئے۔ (مستدرک ۳، ۵۷۶)۔

زید بن علی بن الحسین کے واسطے سے ان کے جد بزرگوار سے نقل کیا گیا ہے کہ رسول اکرمؐ گھر سے برآمد ہوئے۔ آپ کے ساتھ عباس اور حمزہ بھی تھے۔ آپ نے دیکھا کہ علی، جعفر اور عقیل ایک زمین میں کام کر رہے ہیں تو آپ نے دونوں چچاؤں سے فرمایا کہ ہم لوگ ان میں سے ایک ایک کو پسند کر لیں تو ایک نے جعفر کو پسند کیا اور ایک نے عقیل کو۔ آپ نے فرمایا کہ آپ لوگوں نے اپنے لئے عقیل و جعفر کو پسند کیا ہے اور اللہ نے میرے لئے علی کو منتخب کیا ہے۔ (مستدرک ۳، ۵۷۶-۵۷۷)

حضرت علی نے خود اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ تم لوگ جانتے ہو کہ مجھے رسول اللہ سے کس قدر قرابت قریبہ اور منزلت خاصہ حاصل ہے۔ انہوں نے مجھے اپنی گود میں پالا ہے۔ سینے سے لگایا ہے۔ بستر پر جگہ دی ہے۔ اپنے کلیجہ سے لگا کر رکھا ہے۔ اپنے دہن مبارک سے لقمہ چبا کر مجھے کھلایا ہے۔ نہ میرے بیان میں کوئی جھوٹ دیکھا ہے اور نہ ہی میرے عمل میں کوئی لغزش پائی ہے۔ اللہ نے ان کے ساتھ بچپنے سے ایک عظیم فرشتہ رکھا ہے جو محاسن اخلاق اور مکارمِ

صفات میں دن رات ان کے ساتھ رہا ہے۔ اور میں تو اس طرح ان کے ہمراہ رہا ہوں جس طرح بچہ ناقہ اپنی ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ وہ مسلسل مجھے اخلاقیات کی باتیں بتایا کرتے تھے اور اپنی پیروی کا حکم دیا کرتے تھے۔ ہر سال کوہ حرا میں قیام فرماتے تھے جہاں میرے علاوہ کوئی دیکھنے والا نہ ہوتا تھا۔ اس وقت خانہ اسلام میں صرف تین افراد تھے سرکار۔ خدیجہ اور میں۔ میں نور وحی و رسالت کا مشاہدہ کیا کرتا تھا اور نبوت کی خوشبو سونگھا کرتا تھا۔

میں نے نزول وحی کے وقت شیطان کی چیخ بھی سنی ہے جس کے بعد میں نے حضور سے سوال کیا کہ یہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ یہ شیطان ہے جو اپنی عبادت سے مایوس ہو گیا ہے۔ "یا علی! تم وہ سب سنتے ہو جو میں سنتا ہوں اور وہ سب دیکھتے ہو جو میں دیکھتا ہوں۔ فرق صرف یہ ہے کہ تم نبی نہیں ہو۔ وزیر ہو اور خیر پر ہو۔"

میں اس وقت بھی پیغمبر کے ساتھ تھا جب قریش کی ایک جماعت نے آکر کہا تھا کہ آپ نے باپ دادا سے بھی بڑا دعویٰ کیا ہے اب ہم دو سوال کرتے ہیں۔ اگر آپ نے جواب دیدیا تو آپ کو نبی اور رسول مان لیں گے ورنہ سمجھیں گے کہ جادوگر اور جھوٹے ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ سوالات کیا ہیں؟

ان لوگوں نے کہا کہ اس درخت کو حکم دیجئے کہ جڑ سے اکھڑ کر آپ کے سامنے کھڑا ہو جائے۔ آپ نے فرمایا خدا ہر شے پر قادر ہے اگر ایسا ہو جائے تو کیا ایمان لے آؤ گے؟ ان لوگوں نے کہا بے شک!

فرمایا ـــــ میں عنقریب تمہارے مطالبہ کو پورا کر دوں گا۔ اگرچہ یہ جانتا ہوں کہ تم خیر کی طرف نہ آؤ گے۔ تم سے کچھ بدر کے کنویں میں پھینکے جاؤ گے۔ کچھ گروہ بندی کا شکار ہوں گے۔ یہ کہکر آپ نے درخت سے فرمایا کہ اگر تیرا ایمان خدا، آخرت اور میری رسالت پر ہے تو اپنی جگہ سے اکھڑ کر میرے سامنے آجا باذن اللہ!

خدا کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنایا تھا ــــــ درخت اپنی جگہ سے اکھڑ کر آپ کے سامنے آگیا اور ایک آواز بھی بلند ہوئی اور جھٹکا بھی محسوس ہوا۔ درخت کی بعض شاخوں کا سایہ حضور پر تھا اور بعض کا میرے اوپر کہ میں حضور کے داہنی جانب تھا لیکن قوم ایسی نالائق کہ کہنے لگی اب حکم دیجئے کہ آدھا رہ جائے اور آدھا آجائے آپ نے وہ بھی کر دیا تو سب نے ازراہ کفر و سرکشی کہنا شروع کیا کہ اب حکم دیجئے پھر دونوں حصے مل جائیں۔ آپ نے وہ بھی کر دیا۔ میں نے اعلان کیا خدائے وحدہ لاشریک کی قسم میرا ایمان آپ پر سب سے پہلا ایمان ہے اور میں اعلان کرتا ہوں کہ درخت کے جملہ حرکات و حالات آپ کی نبوت کی گواہی اور آپ کی بات کی جلالت کے مزید اثر ہیں ــــــ لیکن قوم نے کہا کہ یہ سب جادو ہے اور یہ ساحر و کذاب ہیں۔ بڑا عجیب و غریب جادو کرتے ہیں اور اس (میں) کے علاوہ کوئی ان کی تصدیق نہیں کر سکتا۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۰)۔

اس طرح پیغمبر اسلام ص روز اول سے حضرت علی کو علوم عطا فرماتے تھے اخلاقیات کے سبق سناتے تھے اور اپنی اقتداء کا حکم دیتے تھے اور اس طرح علم عطا فرماتے تھے جس طرح طائر اپنے بچہ کو دانہ کھلاتا ہے۔ اپنی راز کی باتوں میں بھی آپ کو شریک رکھتے تھے۔

صحیح ترمذی وغیرہ میں جابر سے روایت ہے کہ ــــــ "رسول اکرم ص نے روز طائف علی کو بلا کر راز کی باتیں کیں تو لوگوں نے اعتراض کیا کہ اتنی طویل رازداری آپ نے فرمایا کہ یہ میرا عمل نہیں ہے۔ یہ خدا کا کام اور اس کا کرم ہے۔ (ترمذی کتاب المناقب باب مناقب علی بن ابی طالب ۳۷۲۶/۶۳۹، تاریخ بغداد ۷/۴۰۲)۔

اسد الغابہ میں بھی اس طرح کی روایت پائی جاتی ہے۔ (۴/۲۷)۔

ایک روایت میں جذب بن ناجیہ یا ناجیہ بن جذب کا بیان ہے کہ یہ اعتراض

ابوبکر نے اٹھایا تھا اور آپ نے فرمایا تھا کہ یہ سب خدا کی طرف سے ہو رہا ہے۔ (کنزالعمال طبع ۲/ ۱۲/ ۲۰۰ حدیث ۱۱۲۲، الریاض النضرہ ۲/ ۲۶۵)۔

حضرت علی کو خود بھی ہمیشہ یہ فکر رہا کرتی تھی کہ رسول اکرمؐ سے اسرار حاصل کریں۔ چنانچہ جب آیت نجویٰ (مجادلہ آیت ۱۲) نازل ہوئی تو بروایت طبری سب کو روک دیا گیا کہ بغیر صدقہ دیئے سرکارؐ سے راز کی بات نہ کریں۔ (تفسیر طبری ۲۸/ ۱۴، درمنثور ۶/ ۱۸۵)۔

جس کے بعد حضرت علی کا بیان ہے کہ میرے پاس ایک دینار تھا جسے فروخت کر کے ہر نجویٰ پر ایک درہم صدقہ دیتا رہا۔ یہانتک کہ سب ختم ہو گیا۔ (اسباب النزول واحدی ص۲۰۸) دوسری روایت میں دس درہم میں بیچنے کا ذکر ہے۔ (درمنثور ۶/ ۱۸۵، الریاض ۲/ ۲۶۵) زمخشری کا بیان ہے کہ یہ سب دس کلمات کو رسول اکرمؐ سے حاصل کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔

خود حضرت علی کا ارشاد ہے کہ قرآن مجید میں ایک آیت ہے جس پر نہ میرے پہلے کسی نے عمل کیا ہے اور نہ میرے بعد کرے گا اور وہ آیت نجویٰ ہے کہ میں نے ایک دینار بار بار صدقہ دیکر مناجات کی اور پھر آیت منسوخ ہو گئی۔ (تفسیر سیوطی ۶/ ۱۸۵، الریاض النضرہ ۲/ ۲۶۵)۔

مصاحبت کا یہ سلسلہ سرکارؐ کے وقت آخر تک باقی رہا۔ چنانچہ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ "رسول اللہؐ نے وقت آخر فرمایا کہ میرے حبیب کو بلاؤ۔ لوگوں نے ابوبکر کو بلا دیا تو دیکھ کر سر جھکا لیا اور فرمایا میرے حبیب کو بلاؤ۔ لوگوں نے عمر کو بلا لیا۔ آپ نے پھر سر جھکا لیا اور فرمایا میرے حبیب کو بلاؤ۔ اب علی کو بلایا گیا تو آپ نے اپنی چادر میں لے لیا اور آخری سانس تک اپنے ساتھ رکھا۔ (الریاض النضرہ ۲/ ۱۸۰، ذخائر العقبیٰ ص۷۲)۔

ابن عباس کا بیان ہے کہ حضورؐ کے مرض کے وقت عائشہ و حفصہ آپ کے پاس تھیں۔ اتنے میں حضرت علی آئے تو آپ نے سر اٹھایا اور قریب بلا کر

اپنے پاس بٹھالیا۔ یہانتک کہ انہیں پر تکیہ کئے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ (مجمع الزوائد ۹ء۱۱۲)

ام سلمہ کی روایت ہے کہ میں بحلف بیان کرتی ہوں کہ حضور سے سب سے زیادہ قریب تر حضرت علی تھے۔ ایک دن آپ گھر میں یہ پوچھتے ہوئے داخل ہوئے کہ علی آئے؟ علی آئے؟ فاطمہ نے عرض کی کہ شائد آپ نے کسی کام سے بھیجا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب آگئے تو میں سمجھی کوئی ضروری کام ہے۔ میں حجرہ سے باہر دروازہ کے پاس آگئی۔ وہ حضرت کے پاس گئے اور راز کی باتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ یہانتک کہ اسی دن حضورؐ نے انتقال فرمایا۔ لہذا علی ہی آپ سے سب سے زیادہ قریب تر تھے۔ (مسند احمد ۶ء۳۰۰، خصائص نسائی ص۴۰، مستدرک ۳ء۱۳۸۔۱۳۹۔ حاکم کا بیان ہے کہ یہ روایت شیخین بخاری و مسلم کے شرائط کے اعتبار سے صحیح ہے)۔

٭

ابن عباس نے سرکار دو عالمؐ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ میری زندگی کی طرح جئے اور میری طرح دنیا سے جائے اور جنت عدن میں قیام کرے اسے چاہئے کہ علی سے محبت کرے اور ان کے دوستوں سے محبت کرے اور میرے بعد ائمہ کی اقتدا کرے کہ یہی سب میری عترت ہیں۔ میری طینت سے پیدا ہوئے ہیں انہیں فہم و علم عطا ہوا ہے ——— ویل ہے ان افراد کے لئے جو ان کے فضائل کی تکذیب کریں۔ ان کے بارے میں میری قرابت کو قطع کردیں ——— میں ہرگز ایسے افراد کی شفاعت نہ کروں گا۔ (حلیۃ الاولیاء ابونعیم ۱ء۸۶)۔

٭

حضرات سبطین رسولؐ کے بارے میں احادیث مبارکہ

سابق میں ہم نے ان روایات کا تذکرہ کیا ہے جو امام اوّل حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ اب ان روایات کا تذکرہ کر رہے ہیں جن کا تعلق حضرات حسنؑ و حسینؑ علیہما السلام سے ہے۔ جن میں ایک "ھذان منی" بھی شامل ہے۔ جن کے مفہوم کی تشریح کی جا چکی ہے۔

الحسن والحسین من رسول اللہ وسبطاہ!

مسند احمد میں مقدام بن معدی کرب سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے حسن وحسین کو گود میں بٹھا کر فرمایا "ھذان منی"۔ براء بن عازب کا بیان ہے کہ رسول اکرمؐ نے حسن یا حسین کے بارے میں فرمایا "ھذا منی"۔ (مسند احمد ۴ ص ۱۳۲، کنز العمال ۱۳ ص ۹۹-۱۰۰، ج ۱۶ ص ۲۶۲، منتخب الکنز ۵ ص ۱۰۶، الجامع الصغیر بشرح فیض القدیر ۳ ص ۱۴۵)۔

بخاری ـــــ ترمذی ـ ابن ماجہ ـ احمد اور حاکم نے یعلیٰ بن مرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا "حسینؑ منی وانا من حسین احب اللہ من احب حسینا۔ حسین سبط من الاسباط" ـــــــــ (بخاری فی الادب المفرد باب معانقۃ الصبی حدیث ص ۳۶۴، ترمذی ۱۳ ص ۱۹۵ باب مناقب الحسن والحسین، ابن ماجہ المقدمہ باب ص ۱۱ حدیث ص ۱۴۴، مسند احمد ۴ ص ۱۷۲، مستدرک ۳ ص ۱۷۷۔ حاکم اور ذہبی دونوں کا اتفاق ہے کہ حدیث صحیح ہے)۔ (اسد الغابہ ۲ ص ۱۹۔ ۵ ص ۱۳۰)۔

ایک روایت میں ہے ـــــ "الحسن والحسین سبطان من الاسباط"۔ (کنز العمال ۱۶ ص ۲۷۰)۔

ابو رمشہ راوی ہے کہ حضور نے فرمایا "حسین منی و انا منہ، ھو سبط من الاسباط"۔ (کنز العمال ۱۳ ص ۱۰۶)۔

دوسری روایت میں ہے "الحسن والحسین سبطان من الاسباط"۔ (کنز العمال ۱۳ ص ۱۰۱، ۱۰۵)۔

براء ابن عازب کی روایت ہے ——"حسین منی وانا منہ احب اللہ من احبہ، الحسن والحسین سبطان من الاسباط"۔ (کنز العمال ۱۶ ص ۲۷۰)۔

ان تمام روایات میں حضرات حسنین علیہما السلام کے بارے میں منیّ کا وہی مفہوم ہے جو ان کے پدر بزرگوار کے بارے میں بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ سب حضرات تبلیغ احکام الٰہی میں رسول اعظم ؐ کا جز ہیں اور ان کی تبلیغ مثل تبلیغ رسول ؐ ہے —————— جس طرح کہ روایات میں لفظ اسباط اولاد اور نواسوں کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا ہے کہ رسول اکرم ؐ یہ اعلان کریں کہ یہ دونوں بھی دنیا کے نواسوں میں سے دو نواسے ہیں کہ اس طرح کا اعلان سرکار دو عالم ؐ کی شان سے بعید ہے بلکہ اس لفظ میں اس قرآنی لفظ کی طرف اشارہ ہے جس کا تذکرہ مختلف آیات میں کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ——

"قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم و اسماعیل واسحاق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ و عیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون" —— (البقرہ ۱۳۶)

"ام تقولون ان ابراھیم واسماعیل واسحاق ویعقوب والاسباط کانوا ھودا او نصاریٰ"۔ (البقرہ ۱۴۰)

"قل آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل علی ابراھیم

واسماعیل واسحاق ویعقوب والاسباط ۔" (آل عمران ۸۴)۔

"انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبین من بعدہ واوحینا الی ابراھیم واسماعیل واسحاق ویعقوب والاسباط وعیسیٰ وایوب ویونس وھارون وسلیمان " (نساء ۱۶۳)۔

ان آیات کریمہ میں اسباط ایک مخصوص جماعت کے لئے استعمال ہوا ہے اور سرکار دو عالم ص نے حضرات حسنؑ و حسینؑ کو انہیں جیسا قرار دیا ہے نہ یہ کہ نواسہ ہونے کا اعلان کیا ہے جس طرح کہ آپ نے اپنے اور حضرت علی کے درمیان ہارون اور موسیٰ کا رشتہ قائم کیا ہے اور اس سے مراد برادری نہیں ہے بلکہ وہ رشتہ قرآنی ہے جس کا تذکرہ درج ذیل آیات میں کیا گیا ہے :

"واجعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی اشد

"واخی ھارون ھو افصح منی لسانا فارسلہ معی ردأً یصدقنی انی اخاف ان یکذبون قال سنشد عضدک باخیک " (قصص ۳۳)

"وقال موسیٰ لاخیہ ھارون اخلفنی فی قومی واصلح ولا تتبع سبیل المفسدین " (اعراف ۱۴۲)

"ولقد آتینا موسی الکتاب وجعلنا معہ اخاہ ھارون وزیراً " (فرقان ۳۵)

"ثم ارسلنا موسی واخاہ بآیاتنا وسلطان مبین" (مومنون ۴۵)

ان آیات کریمہ میں جناب ہارون کو جناب موسیٰ کا پشت پناہ، وزیر، شریک نبوت، خلیفہ قرار دیا گیا اور یہ سارے مراتب حضرت علی کو حاصل ہیں۔ صرف نبوت کا استثناء کیا گیا ہے اور استثناء خود دلیل ہے کہ باقی مدارج میں اشتراک

پایا جاتا ہے۔ علی شریک تبلیغ بھی ہیں اور خلیفہ وجانشین بھی۔

یہی حال حضرات حسنین کا ہے کہ انہیں بھی اسباط ہی اسرائیل کے تمام منازل ومدارج حاصل ہیں اور یہ بھی احکام الٰہیہ کی تبلیغ کی مسؤلیت اور ذمہ داری میں سرکار دوعالم ص کے شریک ہیں اوران کی تبلیغ امت کی تبلیغ سے منفرد اور جداگانہ حیثیت کی مالک ہے۔

مہدی آخرالزماںؑ کے بارے میں سرکارؐ کی بشارتیں

مہدیؑ رسول اکرمؐ کا ہمنام ہوگا

- صحیح ترمذی باب ماجاء فی المہدی علیہ السلام میں اور ابوداؤد کی کتاب المہدی میں پیغمبر اکرم ص کا یہ ارشاد درج ہے کہ ——— "دنیا اس وقت تک ختم نہ ہو گی جب تک عرب پر میرے اہلبیت میں سے ایک شخص کی حکومت قائم نہ ہو جائے۔ اس کا نام میرا نام ہو گا" (ترمذی ۹ ص۷۴، ابوداؤد ۲ ص۷، حلیۃ الاولیاء ۵ ص۷۵، مسند احمد ۱ ص۳۷۶، تاریخ بغداد ۴ ص۳۸۸، کنزالعمال ۷ ص۱۸۶، درمنثور ۶ ص۵۸ تفسیر سورۂ محمدؐ)۔

- مستدرک حاکم۔ مسند احمد وغیرہ میں ابوسعید خدری سے روایت ہے ——— "اس وقت تک قیامت قائم نہ ہو گی جب تک دنیا ظلم وجور وستم سے نہ بھر جائے اور اس کے بعد میرے اہل بیت میں سے ایک شخص اگر عدل وانصاف سے نہ بھر دے"

(مستدرک ۴ ص۵۵۷، حلیۃ الاولیاء ۳ ص۱۰۱، مسند احمد ۳ ص۳۶، درمنثور ۶ ص۵۸ تفسیر سورۂ محمدؐ)

مہدیؑ اہلبیتؑ میں سے ہو گا

- صحیح ابن ماجہ باب الجہاد میں ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ـــــــ

"اگر عمر دنیا میں سے صرف ایک دن باقی رہ گیا تو خدا اسے بھی طویل بنائے گا یہانتک کہ میرے اہلبیت میں سے ایک شخص کی حکومت قائم ہو جو جبل دیلم اور قسطنطنیہ تک حکومت کرے"۔

اسی کتاب کے ابواب الفتن باب خروج المہدی میں اور مسند احمد وغیرہ میں یہ ارشاد رسولؐ درج ہے ـــــــ "مہدیؑ ہم اہلبیت میں سے ہے جس کے ذریعہ ایک رات میں اصلاح ہو گی"۔ (حلیۃ الاولیاء ۳ ص۱۷۷، مسند احمد ۱ ص۸۴، درمنثور ۶ ص۵۸، ابن ماجہ حدیث ۴۰۸۵)۔

- مستدرک میں ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا ـــــــ

"مہدی ہم اہلبیت میں سے ہو گا۔ بلند بینی۔ روشن پیشانی۔ زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھرنے والا جس طرح ظلم و جور سے بھری ہو گی"۔ (مستدرک ۴ ص۵۵۷، صحیح ابو داؤد ۲ ص۱۳۶، سنن ابی داؤد ۴ ص۱۰۷ حدیث ۴۲۸۵۔ حاکم کا بیان ہے کہ یہ روایت بخاری اور مسلم کے شرائط کی بنا پر صحیح ہے اگرچہ ان حضرات نے نقل نہیں کیا ہے البتہ ابو داؤد نے روایت کی ہے)۔

مہدیؑ اولاد فاطمہؑ میں ہو گا

- صحیح ابو داؤد میں ام سلمہ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ـــــــ

"مہدی میری عترت میں اولاد فاطمہ سے ہو گا"۔ (کتاب المہدی حدیث ۴۲۸۴، باب خروج المہدی من کتاب الفتن ۲ ص۱۳۶۸، ابن ماجہ باب خروج المہدی۔ مستدرک ۴ ص۵۵۷، میزان الاعتدال ذہبی ۲ ص۲۴۔ درمنثور ۶ ص۵۸ تفسیر سورۂ محمد اخرجہ ابو داؤد، ابن ماجہ، طبرانی، حاکم)۔

- کنز العمال میں حضرت علی سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ـــــــ

"مہدی ہم میں سے ایک مرد اولاد فاطمہ میں سے ہو گا"۔

(کنز العمال ط اول ۷ ص۲۶۱)۔

مہدیؑ اولاد حسینؑ میں سے ہو گا

● ذخائر العقبیٰ میں ابو ایوب انصاری سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ــــــ "حسنؑ و حسینؑ کی اولاد میں سے اس امت کا مہدی ہو گا۔"

● دوسری روایت حذیفہ سے ہے کہ ــــــ "اگر دنیا میں صرف ایک دن باقی رہ جائے تو خدا اسے طول دے گا یہانتک کہ میری اولاد میں سے ایک کو بھیجے جس کا نام میرا نام ہو گا۔"

سلمان نے عرض کی کہ کس فرزند کی اولاد میں سے؟ تو آپ نے حسینؑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اس کی اولاد میں سے۔

ﭑ

ان تمام روایات میں رسول اکرمؐ نے تین باتوں پر شدت سے زور دیا ہے ــــــ امام اول حضرت علی علیہ السلام کی امامت مہدی آخر الزمان کا قیام و خروج، ائمہ کا بارہ ہونا ــــــ کہ ان تینوں مسائل کے بعد کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہ رہ جائے گی۔ جب یہ معلوم ہو جائے گا کہ ائمہ بارہ ہوں گے اول حضرت علی ہوں گے اور آخری مہدیؑ ہوں گے تو باقی کا سمجھنا مشکل نہ ہو گا کہ ساری امت کو معلوم ہے کہ اس طرح بارہ امام کون ہیں؟

ائمہ اہلبیت کی امامت پر نصوص

سرکار دو عالمؐ کی طرف سے ائمہ اہلبیت کے بارے میں نص کرنے والی حدیثیں بکثرت ہیں۔ بعض کا تعلق تمام ائمہ اہلبیت سے ہے اور بعض کا تعلق بعض مخصوص افراد سے۔

عمومی ارشادات میں سے ایک حدیث ثقلین ہے جس کا اعلان مختلف مواقع پر ہوا ہے۔

(۱) حجۃ الوداع کے موقع پر!

ترمذی نے جابر سے روایت کی ہے کہ میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر پیغمبر اسلامؐ کو روز عرفات ناقہ قصویٰ پر سوار خطبہ پڑھتے دیکھا جس میں آپ نے فرمایا" ایہا الناس میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں جنہیں لے لو تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ ایک کتابِ خدا ہے اور ایک میری عترت واہلبیت۔

ترمذی کا بیان ہے کہ اس باب میں ابوسعید، زید بن ارقم، حذیفہ بن اسید کی روایات بھی ہیں۔ (ترمذی ۱۳ء۱۹۹۔ باب مناقب اہل بیت النبیؐ۔ کنز العمال ۱؍۴۸ھ)۔

(۲) غدیر خم میں!

صحیح مسلم، مسند احمد، سنن دارمی، بیہقی وغیرہ میں بلفظ مسلم زید بن ارقم کا بیان درج ہے کہ رسول اکرمؐ مکہ و مدینہ کے درمیان مقام خم پر خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا ــــــ "ایہا الناس ــــ میں ایک بشر ہوں اور قریب ہے کہ نمائندۂ پروردگار آجائے اور میں چلا جاؤں۔ اور میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ــ ایک کتابِ خدا ہے جس میں ہدایت و نور ہے۔ لہٰذا اسے لے لو اور اس سے متمسک ہو جاؤ ــــــ اور ایک میرے اہلبیت ہیں"۔ (صحیح مسلم باب فضائل علیؑ، مسند احمد ۴ء۳۶۶، سنن دارمی ۲؍۴۳۱، سنن بیہقی ۲؍۱۴۸، ۷؍۳۰، مشکل الآثار طحاوی ۴؍۳۶۸)۔

صحیح ترمذی اور مسند احمد میں بالفاظ ترمذی یوں روایت کی گئی ہے ــــــ ــــــ "میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں جن سے تمسک کروگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ ان میں ایک دوسرے سے اعظم ہے ایک کتاب اللہ ہے جو آسمان سے زمین تک ریسمان ہدایت ہے اور ایک عترت و اہلبیت ہیں۔ یہ دونوں

ہرگز جدا نہ ہوں گے۔ یہانتک کہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں۔ ہوشیار رہو کہ تم میرے بعد ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہو۔" (ترمذی ۱۳ ص ۲۰۱، اسد الغابہ ۲ ص ۱۲ حالات امام حسنؑ، درمنثور تفسیر آیت مودت)

مستدرک حاکم میں روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"گویا کہ مجھے بلایا جا رہا ہے اور میں جا رہا ہوں۔ میں نے تمہارے درمیان ثقلین کو چھوڑا ہے جن میں ایک دوسرے سے بزرگ تر ہے کتاب اللہ ہے اور میری عترت۔ دیکھو تم میرے بعد کیا کرتے ہو۔ یہ دونوں حوض کوثر تک جدا نہ ہوں گے۔ (مستدرک ۳ ص ۱۰۹)۔

دوسری روایت "ایہا الناس! میں تم میں دو امر چھوڑے جاتا ہوں اگر ان کا اتباع کرو گے تو گمراہ نہ ہو گے۔ وہ دونوں کتاب اللہ اور میری عترت و اہلبیت ہیں۔"

(مستدرک ۳ ص ۲۰۹۔ ۳ ص ۱۴۸) حاکم کا بیان ہے کہ یہ روایت شرائط بخاری و مسلم کے معیار پر صحیح ہے، حلیۃ الاولیاء ا ص ۳۵۵، مسند احمد ۴ ص ۳۶۷، ۱ ص ۳۷، ۵ ص ۱۸۱، تاریخ بغداد ۸ ص ۲۴۲، اسد الغابہ ۳ ص ۱۴۷، مجمع الزوائد ۹ ص ۱۶۳، ۱۶۴، پر یہ روایت دوسرے الفاظ کے ساتھ زید بن ثابت سے نقل کی گئی ہے)۔

❖

مذکورہ حدیث میں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری سال یہ خبر دی ہے کہ میں ایک انسان ہوں۔ قریب ہے کہ میرا پیغام اجل آجائے اور میں جلد جاؤں۔ لہذا میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ کتاب اللہ اور عترت و اہلبیت جس کا اعلان ایک مرتبہ میدان عرفات میں کیا۔ دوسری مرتبہ غدیر خم میں کیا اور جو درحقیقت اپنے بعد امت کے مرجع کی تعین ہے اور اس مرجع اول کے بعد تمام عترت و اہل بیت کو شامل ہے۔ جن کی تعداد دوسری روایات میں بیان کی گئی ہے۔

رسولِ اکرمؐ کی طرف سے عددائمہ کی صراحت

رسول اکرمؐ نے واضح طور پر اعلان کر دیا تھا کہ میرے بعد ائمہ کی تعداد بارہ ہوگی جس کا اندازہ حسب ذیل صحاح اور مسانید سے ہوتا ہے:۔

(۱) مسلم نے جابر بن سمرہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حضورؐ کو فرماتے سُنا کہ ــــــ "یہ دین اس وقت تک قائم رہے گا جب تک قیامت نہ آجائے اور بارہ خلیفہ نہ گذر جائیں جو کُل کے کُل قریش سے ہوں گے۔"

دوسری روایت ــــــ "لوگوں کا امر چلتا رہے گا۔۔"

دو روایتیں ــــــ "بارہ خلفاء تک۔۔۔"

سنن ابو داؤد کی روایت ــــــ "یہاں تک کہ تم پر بارہ خلفاء ہو جائیں۔"

دوسری حدیث ــــــ "بارہ تک۔۔"

(صحیح مسلم ۶ ص ۳-۴ باب الناس تبع القریش من کتاب الامارہ، بخاری ۴ ص ۱۶۵ کتاب الاحکام، ترمذی باب ماجاء فی الخلفاء، سنن ابی داؤد ۳ ص ۱۰۶، مسند طیالسی حدیث ص ۷۶۷، ۱۲۷۸، مسند احمد ۵ ص ۸۶-۹۰-۱۰۱-۱۰۶-۱۰۸، کنز العمال ۱۳ ص ۲۶-۲۷، حلیۃ الاولیاء ۴ ص ۳۳۳، واضح رہے کہ جابر بن سمرہ بن جنادہ عامری، سعد بن ابی وقاص کے بھانجے ہیں ۷۰ھ کے بعد کوفہ میں انتقال کیا۔ اصحاب صحاح نے ان سے ۱۴۶ احدیثیں روایت کی ہیں، اسد الغابہ، تہذیب التہذیب جوامع السیر ص ۲۷۲ میں ان کے حالات موجود ہیں)۔

بخاری میں جابر کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت نے بارہ امیر کہنے کے بعد کچھ فرمایا جو میں سن نہ سکا تو اپنے والد سے سوال کیا انہوں نے بتایا کہ "کلھم من قریش" کہا تھا۔

دوسری روایت ــــــ "اس کے بعد کوئی کلمہ فرمایا جو مجھ پر مخفی رہ گیا تو میں نے اپنے باپ سے سوال کیا کہ حضرت نے کیا فرمایا تو انہوں نے بتایا کہ ــــــ

"کلھم من قریش" فرمایا تھا۔ (فتح الباری ۱۶ ص۳۳۸، مستدرک ۳ ص۶۱۷)۔

ایک روایت میں یہ فقرہ ہے کہ "انہیں دشمنوں کی دشمنی نقصان نہ پہونچا سکے گی"۔ (فتح الباری ۱۶ ص۳۳۸)۔

ب ــــ دوسری روایت میں ہے کہ ــــ "اس امت کا امر مستقیم رہے گا اور یہ دشمنوں پر غالب رہے گی یہاں تک کہ بارہ خلیفہ گذر جائیں جو سب کے سب قریش سے ہوں گے۔ اس کے بعد پھر ہرج مرج ہے"۔ (منتخب الکنز ۵ ص۳۱۲، تاریخ ابن کثیر ۶ ص۲۴۹، تاریخ الخلفاء ص۱۰، کنز العمال ۱۳ ص۲۶، صواعق محرقہ ص۲۸)۔

ج ــــ ایک روایت میں ہے کہ "اس امت کے بارہ ذمہ دار اور نگراں ہوں گے جنہیں چھوڑ دینے والے نقصان نہ پہونچا سکیں گے اور یہ سب قریش سے ہوں گے"۔ (کنز العمال ۱۳ ص۲۷، منتخب الکنز ۵ ص۳۱۲)۔

د ــــ "لوگوں کا کام چلتا رہے گا جب تک بارہ مرد ولی رہیں گے"۔ (صحیح مسلم بشرح النوری ۱۲ ص۲۰۲، صواعق ص۱۸، تاریخ الاسلام سیوطی ص۱۰)۔

ہ ــــ انس راوی ہیں "یہ دین بارہ تک قائم رہے گا جو سب قریش سے ہوں گے اس کے بعد زمین زلزلوں کا شکار ہوگی"۔ (کنز العمال ۱۳ ص۲۷)۔

و ــــ ایک روایت میں ہے "اس امت کا امر غالب رہے گا یہانتک کہ قریش کے بارہ افراد قیام کریں"۔ (کنز الاعمال ۱۳ ص۲۷)۔

ز ــــ احمد اور حاکم وغیرہ کی روایت ہے جس میں مسند میں مسروق کے الفاظ یہ ہیں کہ "ایک شب ہم لوگ عبداللہ بن مسعود کے پاس بیٹھے تھے اور وہ قرآن پڑھا رہے تھے کہ ایک شخص نے ان سے سوال کیا یا ابا عبد الرحمٰن! کیا آپ نے رسول اکرمؐ سے سوال کیا ہے کہ اس امت کے مالک کتنے خلیفہ ہوں گے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ جب سے عراق سے آیا ہوں کسی نے آج تک یہ

سوال نہیں کیا ہے۔ اس نے کہا میں تو کر رہا ہوں ـــــ فرمایا کہ ۱۲ القدر نقباء بنی اسرائیل "۔ (مسند احمد ۱ ۳۹۸، ۴۰۶، احمد شاکر نے صہ ۳۹۸ پر حاشیہ لکھا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔ مستدرک و تلخیص ذہبی ۴ ۵۰۱، فتح الباری ۶ ۳۳۹، مجمع الزوائد ۵ ۱۹۰، صواعق صہ ۱۲ تاریخ الخلفاء صہ ۱۰، جامع الصیغر سیوطی ۱ ۷۵، کنز العمال ۱۳ ۲۷، تاریخ ابن کثیر ۶ ۲۴۸۔ ۲۵۰)۔

ح ـــ ایک روایت میں ابن مسعود سے نقل کیا گیا ہے کہ حضرت نے فرمایا ـــــ "میرے بعد لقدر اصحاب موسیٰ خلفاء ہوں گے"۔ (ابن کثیر ۶ ۲۴۸، کنز العمال ۱۳ ۲۷، شواہد التنزیل حسکانی ۱ ۴۵۵ حدیث ۶۲۶)۔

ابن کثیر کا بیان ہے کہ ایسی ہی روایت عبد اللہ بن عمر، حذیفہ اور ابن عباس سے منقول ہے۔ (ابن کثیر ۶ ۲۴۸)۔

مذکورہ روایات میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ اولیاء امر کی تعداد بارہ ہوگی اور سب قریش سے ہوں گے۔ اس کے بعد حضرت علیؑ نے قریش کا مفہوم بیان فرمایا ہے:

"ائمہ قریش میں ہاشم کی اس شاخ سے ہیں۔ ان کے علاوہ کسی میں یہ صلاحیت نہیں ہے اور نہ کسی اور شاخ سے والی ہو سکتے ہیں"۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۱۴۲)۔

"خدایا! بے شک زمین حجت سے خالی نہیں ہو سکتی جو خدا کے لئے قیام کرے چاہے ظاہر و مشہور ہو یا پوشیدہ و غیر معروف تاکہ خدا کی دلیلیں اور نشانیاں باطل و بے کار نہ ہونے پائیں"۔ (ینابیع المودہ باب ۱ صہ ۵۲۳، احیاء العلوم ۱ ۵۴، حلیۃ الاولیاء ۱ ۸۰ مختصر)۔

ابن کثیر کا بیان ہے کہ ـــــ "آج کل اہل کتاب کے پاس جو توریت ہے اس میں اس مفہوم کی عبارت ہے کہ اللہ نے ابراہیم کو اسماعیل کی بشارت دی اور فرمایا کہ ان کی نسل بڑھے گی یہاں تک کہ ان کی ذریت میں بارہ عظیم افراد پیدا ہوں گے"۔ (تاریخ ابن کثیر ۶ ۲۴۹)۔

اس کے بعد ابن تیمیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہی وہ افراد ہیں جن کی جابر بن سمرہ کی روایت میں بشارت دی گئی ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ یہ امت میں متفرق ہوں گے اور جب تک پیدا نہ ہو جائیں گے قیامت نہ آئے گی ــــــ اور بعض اسلام لانے والے یہودیوں کو اشتباہ ہو گیا ہے کہ اس سے مراد رافضیوں کے بارہ امام ہیں چنانچہ وہ انہیں کے پیچھے لگ گئے۔

مولف:۔ یہ بشارت سفر تکوین اصحاح ۱۷۔ ۱۸۔ ۲۰ میں مذکور ہے۔

مترجم:۔ کاش ابن تیمیہ نے تعصب سے قطع نظر کر کے دوسرے بارہ کی نشاندہی کر دی ہوتی اور غیر یہودیوں کی مراد بھی معلوم ہو جاتی ؟

ؐ

خلاصۃ الاحادیث

مذکورہ بالا روایات سے یہ نتیجہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس امت میں ائمہ کی تعداد بارہ ہے جو ایک کے بعد ایک آتے رہیں گے اور اس کے بعد عمر دنیا ختم ہو جائے گی۔

چنانچہ پہلی حدیث میں یہ فقرہ ہے کہ قیامت قائم ہو گی یا ۱۲ خلیفہ ہوں گے جس کا مطلب یہ ہے کہ دین قیامت تک رہے گا اور ائمہ کی تعداد بارہ افراد پر مشتمل ہو گی۔

پانچویں حدیث میں ہے کہ بارہ کے بعد زمین تباہ ہو جائے گی جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ بارہ تک زمین بہر حال برقرار رہے گی۔ آٹھویں حدیث میں ہے کہ خلفاء بقدر عدد اصحاب موسیٰ ہوں گے جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ بارہ کے علاوہ خلیفہ نہ ہوں گے ــــــ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک کی عمر میں متعارف و عادت کے خلاف طول ہو گا یہانتک کہ قیامت قریب آجائے جیسا کہ بارہویں امام کی عمر میں دیکھا جا رہا ہے۔

ؐ

برادران اسلام کی حیرت و پریشانی

مدرسۂ خلافت کے علماء ان احادیث کی تفسیر اور بارہ کی تعداد میں انتہائی حیران وسرگرداں نظر آتے ہیں۔ ابن العربی نے سنن ترمذی کی شرح میں بیان کیا ہے کہ ہم نے رسول اکرمؐ کے بعد بارہ امیر اس طرح شمار کئے ہیں: ابوبکر ــــ عمر ــــ عثمان ــــ علی ــــ حسن ــــ معاویہ ــــ یزید ــــ معاویہ بن یزید ــــ مروان ــــ عبدالملک بن مروان ــــ ولید ــــ سلیمان ــــ عمر بن عبدالعزیز ــــ یزید بن عبدالملک ــــ مروان بن محمد بن مروان ــــ سفاح۔

اس کے بعد اپنے دور تک ۲۷ خلفاء بنی عباس کا تذکرہ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر ظاہری اعتبار سے شمار کیا جائے تو عدد سلیمان پر پورا ہوتا ہے اور معنوی اعتبار سے دیکھا جائے تو ہمارے ساتھ صرف پانچ ہوں گے۔ خلفاء اربعہ اور عمر بن عبدالعزیز ــــ بہرحال حدیث کے معنی معلوم نہیں ہیں۔ (شرح ابن العربی بہ صحیح ترمذی ۹ء ۶۸۔ ۶۹)۔

- ــــ قاضی عیاض نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ حکام کی تعداد بارہ سے زیادہ ہے ــــ فرمایا ہے کہ یہ اعتراض باطل ہے۔ اس لئے کہ حضرت نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ صرف بارہ ہوں گے اور بارہ تو بہرحال ہو گئے چاہے کچھ زیادہ بھی ہو جائیں۔ (شرح نووی بر مسلم ۱۲ء ۲۰۱، فتح الباری ۱۶ء ۳۳۹ و ۳۴۱)۔
- ــــ سیوطی نے جواب میں یہ عبارت نقل کی ہے کہ مراد یہ ہے کہ تمام مدت اسلام میں قیامت تک بارہ خلیفہ ہوں گے جو حق پر عمل کریں گے چاہے انہیں حکومت نہ ملے۔ (تاریخ الخلفاء ص۱۲)۔
- ــــ فتح الباری کی عبارت ہے کہ چار خلفاء گذر چکے ہیں اور قیامت سے پہلے بارہ

کا عدد مکمل ہو جانا ضروری ہے۔ (فتح الباری ۱۶ ۳۴۱)۔

- ابن الجوزی کا بیان ہے کہ ــــــ "ہرج سے مراد وہ فتنے ہیں جو قیامت کی نشاندہی کریں گے یعنی خروج دجال وغیرہ"۔ (تاریخ سیوطی ص۱۲)
- سیوطی کا ارشاد ہے کہ ــــــ "بارہ میں سے چار خلفاء اربعہ حسن، معاویہ، ابن زبیر، عمر بن عبد العزیز آٹھ گذر چکے ہیں۔ اس کے بعد احتمال ہے کہ مہدی عباسی کو شامل کر لیا جائے کہ وہ بنی عباس میں مثل عمر بن عبد العزیز ہے اور طاہر عباسی کو لے لیا جائے کہ وہ عادل تھا اور پھر دو کا انتظار کیا جائے جن میں ایک مہدی ہوگا کہ وہ اہلبیت میں سے ہے۔ (صواعق محرقہ ص۱۹، تاریخ سیوطی ص۱۲ گویا مدرسہ خلافت میں ایک کے بجائے دو منتظر ہیں؟)۔
- بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بارہ افراد اسلام کی عزت و قوت، استقامت کے دور میں ہوں گے جن سے اسلام کو عزت ملے گی اور ان پر مسلمانوں کا اجتماع ہوگا۔ (شرح مسلم نووی ۱۲ ۲۰۲۔۲۰۴۔ فتح الباری ابن حجر ۱۶ ۳۳۸۔ ۳۴۱ تاریخ سیوطی ص۱۲)۔
- بیہقی رقمطراز ہے ــــــ "مذکورہ صفات کے ساتھ یہ عدد ولید بن یزید بن عبد الملک تک مکمل ہو گیا۔ اس کے بعد ہرج و مرج شروع ہو گیا اور حکومت عباسی آگئی ــــــ اور عدد کی زیادتی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب صفات سے قطع نظر کر کے شمار کیا جائے یا ہرج و مرج کے بعد والے بھی جوڑ لئے جائیں"۔ (تاریخ ابن کثیر عن البیہقی ۶ ۲۴۹)۔

اس کے بعد حضرات فرماتے ہیں کہ جن افراد پر امت کا اجتماع ہوا ہے وہ خلفا ثلاثہ اور اس کے بعد حضرت علی ہیں۔ پھر صفین میں حکمین کا معاملہ پیش آگیا تو معاویہ نے اپنے کو خلیفہ نامزد کر لیا۔ پھر صلح حسنؑ کے بعد معاویہ پر اجماع ہو گیا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے یزید پر اجماع ہو گیا اور امام حسینؑ کے امور

منظم نہ ہو سکے کہ وہ قتل ہو گئے۔ یزید کے بعد اختلاف پیدا ہوا لیکن بعد میں عبدالملک بن مروان پر اجتماع ہو گیا ابن زبیر کے قتل کے بعد۔ پھر اس کی چاروں اولاد ولید، سلیمان، یزید، ہشام پر اجتماع ہوا۔ پھر سلیمان اور یزید کے درمیان عمر بن عبدالعزیز آگیا اور آخری بارہواں ولید بن یزید بن عبدالملک قرار پایا۔ جس پر ہشام کے بعد اجماع ہوا اور چار برس یہ حکومت چلتی رہی۔" (تاریخ الخلفاء صـ۱۱، صواعق صـ۱۹، فتح الباری ۱۶/۳۴۱)۔

بنابریں ان بارہ کی خلافت باجماع مسلمین صحیح تھی اور رسول اکرمؐ نے گویا انہیں کے بارے میں مسلمانوں کو بشارت دی تھی کہ یہ لوگ اسلام کی تبلیغ کے ذمہ دار ہوں گے۔

ابن حجر نے اس توجیہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ "یہ بہترین توجیہ ہے۔"

مترجم:- وعلی الاسلام لعدہ السلام۔ یزید جیسے افراد دین کے ذمہ دار ہیں!

● ابن کثیر کا بیان ہے کہ ——— "بیہقی نے جو مسلک اختیار کیا ہے اور جس پر ایک جماعت نے موافقت بھی کی ہے کہ بارہ سے مراد ولید بن یزید بن عبدالملک کے دور تک کے مسلسل خلفا ہیں۔ جس ولید کے بارے میں مذمت کی روایتیں موجود ہیں۔ یہ مسلک قابل نظر ہے اس لئے کہ ولید کے دور تک کے تمام خلفاء بارہ سے بہر حال زیادہ ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علیؑ تک چاروں خلفاء کی خلافت بہر حال طے ہے۔ اس کے بعد حسن بن علی ہیں اس لئے کہ حضرت علی نے انہیں اپنا وصی بنایا ہے اور اہل عراق نے ان کی بیعت کی ہے۔ اس کے بعد مروان بن الحکم ہے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک بن مروان ہے۔ پھر اس کا بیٹا ولید بن عبدالملک ہے۔ پھر سلیمان بن عبدالملک ہے پھر عمر بن عبدالعزیز ہے پھر یزید بن عبدالملک ہے پھر

ہشام بن عبدالملک ہے اور یہ سب ملکر ۱۵ ہوتے ہیں اور اگر عبدالملک سے پہلے ابن زبیر کو بھی مان لیا جائے تو ۱۶ ہو جاتے ہیں۔ اور بہر صورت عمر بن عبدالعزیز سے پہلے بارہ بہر حال مکمل ہو جاتے ہیں۔ جن میں یزید بن معاویہ شامل ہے اور عمر بن عبدالعزیز خارج جبکہ مورخین نے عمر کی مدح و ثناء پر اتفاق کیا ہے اور اسے خلفاء راشدین میں شمار کیا ہے اور سب نے اسے عادل قرار دیا ہے۔ اور اس کے دور کو بہترین انصاف کا دور کہا ہے۔ یہانتک کہ رافضیوں کو بھی اس کا اقرار ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ جس پر اتفاق امت نہ ہو گا وہ خارج ہو جائے گا تو حضرت علیؑ اور حضرت حسنؑ بھی خارج ہو جائیں گے۔ اس لیے کہ ان پر اجماع نہیں ہوا ہے اور اہل شام نے ان دونوں حضرات کی بیعت نہیں کی ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ "بعض لوگوں نے معاویہ۔ یزید اور معاویہ بن یزید کو شمار کیا ہے اور مروان اور ابن زبیر کو خارج کر دیا ہے کہ ان پر اجماع نہیں ہو سکا ہے لیکن اس بنیاد پر تو تین خلفاء معاویہ، یزید، عبدالملک، ولید بن سلیمان، عمر بن عبدالعزیز یزید، ہشام دس خلفاء ہوں گے اور حضرت علیؑ و حسنؑ خارج ہو جائیں گے کہ ان پر اجماع نہیں ہو سکا ہے اور یہ بات علماء سنت و شیعہ دونوں کے خلاف ہے۔"

(تاریخ ابن کثیر ۶ ص ۲۴۹۔۲۵۰)۔

● ابن الجوزی نے "کشفۃ المشکل" میں دو جواب نقل کئے ہیں:

(۱) سرکارؐ نے اس حدیث میں اپنے اور خلفاء کے بعد کے ادوار کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اصحاب کا حکم تو گویا آپ ہی کے دور کا حکم ہے اور بارہ سے مراد بنی امیہ کے خلفاء ہیں۔ گویا مقصد یہ ہے کہ حکومت بارہ تک رہے گی اس کے بعد اس سے بدتر حالات ہو جائیں گے اور بنی امیہ یزید بن معاویہ سے

شروع ہوکر مروان الحمار تک ۱۳ ہوتے ہیں۔ عثمان اور معاویہ یا ابن زبیر کا شمار اس لئے نہیں ہے کہ یہ سب صحابہ ہیں اور مروان بن الحکم کی صحابیت مشکوک ہے لہذا اسے نکال دینے کے بعد بارہ باقی رہ جاتے ہیں یا اسے اس لئے نکال دیا جائے کہ اس نے ابن زبیر پر اتفاق کے بعد بھی بغاوت کی ہے اور پھر روایت کا مفہوم یہ ہوا کہ بنی امیہ کے ان بارہ حیثیتوں کے بعد عظیم فتنے اور ہنگامے ہوئے یہانتک کہ بنی عباس کا اقتدار قائم ہوگیا اور حالات پہلے سے کہیں زیادہ بدتر ہو گئے۔ (فتح الباری ۱۶ ص ۲۴۰)۔

نوٹ:۔ ابن حجر نے فتح الباری میں اس توجیہ کی سخت مخالفت کی ہے۔

(۲) ممکن ہے کہ ان بارہ سے مراد مہدی کے بعد کے بارہ خلفاء ہوں جیساکہ کتاب دانیال میں مذکور ہے کہ مہدی کے انتقال کے بعد سبط اکبر امام حسنؑ کی اولاد میں سے پانچ افراد حاکم ہوں گے اور پھر پانچ سبط اصغر کی اولاد میں سے پھر آخری شخص سبط اکبر کی اولاد میں سے ایک کے لئے وصیت کرے گا پھر اس کے بعد اس کا فرزند حاکم ہوگا اور بارہ کا عدد پورا ہو جائے گا۔ ۶ اولاد حسن میں۔ ۵ اولاد حسین میں اور ایک باہر سے۔ پھر اسے موت آجائے گی اور زمانہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔

نوٹ:۔ ابن حجر نے اس روایت پر صواعق میں یہ حاشیہ لگایا ہے کہ یہ انتہائی مہمل ہے اور اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ (صواعق ص ۱۹)۔

● ایک قوم کا خیال ہے کہ سرکار نے اس حدیث میں مستقبل کے عجیب وغریب حالات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ایک ایک وقت میں بارہ بارہ امیر ہوں گے ورنہ بالترتیب مراد ہوتے تو اس کی تفصیل کا ذکر ہوتا ۔۔۔۔ چنانچہ پانچویں صدی میں اندلس میں چھ شخص تھے جو بیک وقت اپنے کو خلیفہ

کہتے تھے۔ پھر دوسری طرف جب مصر اور بغداد میں عباسی حاکم تھا اور دیگر مقامات پر علویین اور خوارج خلافت کے دعویدار تھے۔ (شرح نووی ۱۲ء ۲۰۲، فتح الباری ۱۶ء ۳۳۹)۔

نوٹ:۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ توجیہ وہی شخص کر سکتا ہے جس نے روایات میں سے بخاری کی مجمل اور مختصر روایت کے علاوہ کچھ نہ پڑھا ہو۔ ورنہ روایات میں ساری تفصیل موجود ہے۔ پھر ایک وقت میں سب کا ہونا تو خود افتراق ہے لہٰذا اس کے مراد لینے کا کیا امکان ہے۔ (فتح الباری ۱۶ء ۳۳۹)۔

⁂

مترجم:۔ مذکورہ بالا توجیہات کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علماء اسلام نے کبھی واقعات کو اصول کی میزان پر تولنے کا ارادہ نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اصول کے تعین میں واقعات کا سہارا لیا ہے اور اس طرح عقائد بھی قصائد کی طرح درباروں کے ترجمان بن گئے۔

بحث دوم

فصل چہارم

دونوں مکاتبِ فکر

میں

خلاصہ بحثِ امامت

صدرِ اسلام میں قیامِ خلافت کی تاریخی حیثیت

مدرسہ خلافت و امامت کے آرا
و افکار پیش کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینا
ضروری ہے کہ صدرِ اسلام میں قیام
خلافت کیلئے کیا طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے
تاکہ اسی کی روشنی میں مسائل کا جائزہ
لیا جاسکے۔

تمہید!

پیغمبر اسلام ص نے اپنے مرض الموت میں اپنے غلام اسامہ بن زید کی سرکردگی میں ایک لشکر تیار کیا جس میں ابوبکر، عمر، ابوعبیدہ، سعد بن ابی وقاص سمیت تمام انصار و مہاجرین کو شامل کر دیا۔ لوگوں نے پہلے اسامہ کی سرداری پر اعتراض کیا تو آپ نے غصہ میں آکر فرمایا ——— وہ یقیناً سرداری کے قابل ہے۔ لوگ واپس چلے گئے سرکار ص پر مرض کی شدت طاری ہوئی اسامہ نے آکر وداع کیا۔ آپ نے فرمایا کہ لشکر کو فوراً روانہ کرو ——— دوشنبہ کا دن تھا، سفر کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ اچانک سرکار ص کے وقتِ آخر ہونے کی خبر ملی اور لوگ مدینہ واپس آگئے۔ گھر میں حاضری دی تو آپ نے فرمایا کہ اچھا قلم دوات لاؤ تاکہ میں ایسا نوشتہ لکھ دوں جس کے بعد کبھی گمراہ

نہ ہو۔ عمر نے کہا کہ پیغمبرؐ پر مرض کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس کتاب اللہ موجود ہے اور ہمارے لئے وہی کافی ہے۔ جب جھگڑا تیز ہو گیا تو آپ نے فرمایا تم سب نکل جاؤ۔ نبی کے پاس جھگڑا نہیں ہو سکتا۔

ابن عباس کا بیان ہے کہ لوگوں نے جھگڑا کیا جبکہ نبی کے پاس جھگڑا نہیں ہونا چاہئے تھا اور قیامت یہ ہے کہ حضور کی بات کو ہذیان تک کہدیا ـــــ یہ کہکر ابن عباس اس قدر روئے کہ آنسوؤں سے زمین تر ہو گئی۔

عمر کا موقف!

رسول اکرمؐ کے انتقال کے وقت ابو بکر سنح میں تھے۔ عمر نے یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ رسول اکرمؐ کا انتقال نہیں ہوا ہے وہ اسی طرح خدا کی بارگاہ میں چلے گئے ہیں جس طرح چالیس دن کے لئے موسیٰ چلے گئے تھے۔ اب جو پلٹ کر آئیں گے تو جن لوگوں نے موت کا اعلان کیا ہے ان کا ہاتھ کاٹ دیں گے ـــــ خبردار! اگر کسی نے موت کا نام لیا تو اس کی گردن کاٹ دوں گا۔ لوگوں نے آیت پڑھی ـــــ "آفان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم" جس میں موت کا تذکرہ ہے۔

عباس نے کہا کہ یقیناً ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ کسی کے پاس کوئی عہد نامہ ہو تو بیان کرے ـــــ لیکن عمر اپنی حرکت سے باز نہیں آئے۔ غصہ میں ان کے منھ سے جھاگ نکل رہا تھا۔ اتنے میں ابو بکر آگئے اور یہی آیت پڑھ دی اور انہیں موت کا یقین بھی آگیا اور خاموش بھی ہو گئے۔

سقیفہ بنی ساعدہ اور بیعت ابو بکر!

ادھر رسول اللہ کے گھر والے غسل و کفن میں مصروف تھے اور ادھر انصار

نے سقیفہ بنی ساعدہ میں اجتماع کیا اور سعد بن عبادہ کو عالم بیماری میں گھر سے نکال کر لائے کہ انہیں خلیفۂ رسولؐ بنایا جائے۔ مجمع میں انصار کے کارہائے نمایاں کا ذکر کیا گیا اور یہ تحریک ہوئی کہ اس منصب پر قبضہ کر لیا جائے۔ لوگوں نے اس رائے سے اتفاق کیا اور قریب تھا کہ خلافت کا فیصلہ ہو جائے کہ یہ خبر عمر و ابوبکر تک پہونچی ـــــ دوڑ کر سقیفہ میں آئے اور ابوبکر نے مہاجرین کے خدمات کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ ہم رسول کے عشیرہ اور قبیلہ والے ہیں۔ ہم سے جھگڑا کرنے والا ظالم کہا جائے گا۔

حباب بن منذر نے قوم کو ہوشیار کیا کہ اپنے اختیارات قابو میں رکھو۔ یہ مہاجرین تمہارے زیر سایہ ہیں۔ ان میں تمہاری مخالفت کا دم نہیں ہے اور اگر بالکل نہ مانیں تو ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک ان میں سے۔

عمر نے کہا ـــــ افسوس ـــــ ایک نیام میں دو تلواریں ـــــ عرب ہرگز راضی نہ ہوں گے کہ تمہیں امیر بنا دیں جبکہ رسولؐ تم میں سے نہیں ہیں ـــــ پھر ایک نے دوسرے کو قتل کی دھمکی دی۔

اور بعض انصار نے یہ آواز بلند کی کہ بیعت صرف علی کے لئے ہے۔ عمر نے صورت حال کو بگڑتے دیکھکر ابوبکر سے کہا کہ آپ ہاتھ بڑھایئے میں بیعت کر لوں۔ یہ سُنکر بشیر بن سعد نے سبقت کی اور ابوبکر کی بیعت کر لی۔

حباب بن منذر نے پکار کر کہا کہ تو نے صرف قبائلی عصبیت کی بنا پر یہ بغاوت کی ہے کہ ابن عم امیر نہ ہونے پائے اس کے بعد عمر اور ابوعبیدہ نے ابوبکر کی بیعت کر لی اور اوس نے کہنا شروع کیا کہ اگر کہیں خزرج کی بیعت ہو جاتی تو یہ فضیلت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کے حصہ میں چلی جاتی اور تمہیں کوئی حصّہ نہ ملتا۔

بہر حال لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کر لی اور سعد بن عبادہ اور خزرج کی شکست ہو گئی بلکہ قریب تھا کہ سعد کو پامال کر دیا جاتا۔ یہ تو ان کے اصحاب نے انہیں بچا لیا۔

اس کے بعد عمر نے آواز دی ___ سعد کو قتل کر دو۔ خدا اسے قتل کرے اور ان کے سر پر کھڑے ہو کر انہیں پامال کرنے کا ارادہ کیا کہ ان کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں لیکن قیس بن سعد نے عمر کی داڑھی پکڑ لی۔ عمر نے کہا کہ اگر ایک بال بھی ٹوٹ گیا تو ایک ہڈی سلامت نہ رہے گی۔

ابوبکر نے عمر کو روک دیا کہ اس موقع پر نرمی زیادہ مناسب ہے۔ عمر نے یہ سنکر چھوڑ دیا اور سعد کو ان کے گھر اٹھا لے جایا گیا۔

ابوبکر مسجد سے نکلے اور قبیلہ بنی اسلم نے آکر ان کی بیعت کر لی جو ان کی پہلی کامیابی تھی۔ اس کے بعد بیعت کا سلسلہ شروع ہو گیا اور انہوں نے منبر پر صعود فرمایا۔ اس دوران کسی کو جنازۂ رسول کی فکر نہیں تھی۔ یہانتک کہ منگل کا دن ہو گیا اور دوبارہ مسجدِ رسولؐ میں آئے۔ منبر پر بیٹھے اور عمر نے تقریر شروع کی کہ کل کی بات کتاب خدا اور سنت رسول کی بنا پر نہ تھی۔ خیال تھا کہ رسولؐ کوئی انتظام کریں گے لیکن اب تو ہدایت کے لئے قرآن چھوڑ گئے ہیں اور قوم نے صاحب رسولؐ پر اتفاق کر لیا ہے لہذا اٹھو اور بیعت کرو۔ یہ سننا تھا کہ سب نے بیعت کر لی اور یہ سقیفہ کے بعد دوسری بیعت تھی جس کے بعد ابوبکر نے خطبہ پڑھا کہ: ___

"مجھے تمہارے اوپر حاکم بنا دیا گیا ہے حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں ٹھیک کام کروں تو تم میری مدد کرنا ورنہ۔۔۔۔۔"

قوم رسول اللہ کی طرف سے سارا دوشنبہ کا دن، منگل کی رات، منگل کا دن غافل رہی اور مسلمان گروہ گروہ آکر نماز پڑھتے رہے۔ جنازہ کی تمام تر ذمہ داری گھر والوں پر رہی۔ وہی دفن کے ذمہ دار بھی قرار پائے۔ جس میں ابوبکر و عمر شامل نہیں ہوئے۔ نہ غسل نہ کفن نہ دفن کسی میں شرکت نہیں ہو سکی۔

ایک قوم مہاجرین و انصار نے واضح طور پر ابوبکر کی بیعت سے اعراض

کیا اور حضرت علی کے ساتھ ہو گئے۔ لوگوں نے عباس کو توڑنا چاہا لیکن انہوں نے رد کر دیا۔ بنی ہاشم اور انصار و مہاجرین کی ایک جماعت نے خانۂ زہراؑ میں پناہ لی۔ ابوبکر نے عمر بن الخطاب کو بھیجا کہ انہیں گھر سے نکالا جائے اور اگر انکار کریں تو جنگ کی جائے وہ آگ لیکر آیا کہ گھر کو جلا دیا جائے کہ حضرت زہراؑ نے آواز دی یا ابن الخطاب! میرا گھر جلانا چاہتا ہے۔ جواب دیا ہاں جب تک سب بیعت نہ کر لیں۔ اسی کی طرف ابوبکر نے اپنے آخری وقت اشارہ کیا تھا کہ "مجھے اس پوری زندگی میں صرف تین باتوں کا صدمہ ہے ——— کاش میں نے خانہ زہراؑ پر حملہ نہ کرایا ہوتا چاہے وہ لوگ جنگ ہی کے لئے آمادہ ہوتے۔"

اس کے بعد حضرت علی راتوں کو جناب زہراؑ کو لیکر انصار کے گھروں تک طلب نصرت اور اتمام حجت کے لئے گئے۔ لیکن سب کا جواب یہ تھا کہ دختر پیغمبرؐ اب ہم اس شخص کی بیعت کر چکے ہیں۔ اگر آپ کے ابن عم پہلے آگئے ہوتے تو انہیں کی بیعت کر لیتے۔ حضرت علی نے فرمایا کہ کیا میں بھی جنازہ رسولؐ کو چھوڑ دیتا اور خلافت کے جھگڑے میں لگ جاتا۔ اور حضرت فاطمہ نے فرمایا کہ ابوالحسن نے وہی کیا جو ان کے شایان شان تھا اور ان لوگوں کا وہی طرز عمل رہا جس سے خدا سمجھے گا۔

حضرت علی کا یہی طرز عمل تھا جس کا طعنہ معاویہ نے دیا تھا کہ آپ تو اپنی زوجہ کے سہارے حسن و حسین کا ہاتھ پکڑے تمام اہل بدر و مجاہدین کو اپنی طرف دعوت دیتے رہے اور اپنی زوجہ اور اولاد کا واسطہ دیتے رہے اور صحابی رسول کے خلاف کمک فراہم کرتے رہے لیکن چار پانچ آدمیوں کے علاوہ کسی نے آپ کی آواز پر لبیک نہیں کہی اور میں تمام باتیں بھول جاؤں تو آپ کا یہ قول نہیں بھول سکتا کہ جب ابوسفیان نے آپ کے سامنے کمک پیش کی تھی تو آپ نے کہا تھا کہ اگر

چالیس افراد بھی مل جاتے تو میں قیام کرتا یعنی آپ کے ساتھ چالیس بھی نہیں تھے۔

بخاری نے حضرت زہرا اور ابوبکر کی گفتگو کو نقل کرنے کے بعد یہ نتیجہ بھی نقل کیا ہے کہ جناب زہرا نے ابوبکر سے ترک کلام کر دیا اور ۶ ماہ زندہ رہیں لیکن بات نہیں کی۔ پھر ان کے شوہر نے انہیں دفن کیا اور ابوبکر کو اطلاع بھی نہیں کی۔

حیات زہرا تک حضرت علی کا وقار محفوظ تھا اور انہوں نے چھ ماہ تک ابوبکر کی بیعت نہیں کی اور بنی ہاشم بھی ان کے ساتھ رہے اس کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ فاطمہ کے بعد لوگ ان سے منحرف ہو گئے ہیں تو ابوبکر سے مصالحت کر لی۔

بلاذری کا بیان ہے کہ ـــــــ جب تک حضرت علی نے بیعت نہیں کی کوئی شخص دشمن سے جنگ کے لئے باہر نہیں نکلا۔

ابوبکر کی بیعت سے انحراف کرنے والوں میں بنی ہاشم کے ساتھ فروہ بن عمرو، خالد، ابان، عمر اموی بھی تھے۔ اس کے بعد جب بنی ہاشم نے بیعت کر لی تو ان لوگوں نے بھی بیعت کر لی۔ (واضح رہے کہ بیعت علی کی داستان ایک سرکاری پروپیگنڈہ سے زیادہ کچھ نہیں ہے)۔

سعد بن عبادہ نے بیعت سے انکار کیا تو انصار نے اشارہ کیا کہ انہیں چھوڑ دیا جائے اس لئے کہ جب تک قتل نہ ہوں گے بیعت نہ کریں گے اور یہ قتل نہیں ہو سکتے جب تک ان کے تمام اولاد، اہل خانہ، عشیرہ و قبیلہ والے قتل نہ ہو جائیں اس بنا پر انہیں چھوڑ دیا گیا۔

عمر نے اپنی خلافت کے اوائل میں سعد سے کہا کہ جسے ہمسایہ پسند نہیں ہوتا وہ گھر چھوڑ دیتا ہے تو سعد نے شام میں سکونت اختیار کر لی۔ عمر نے وہاں بھی ایک آدمی بھیجدیا کہ سعد سے بیعت طلب کرے اور انکار کریں تو خدا سے مدد طلب کرے۔ وہ شخص شام پہونچا اور سعد کو ایک قریہ میں پاکر بیعت کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے

انکار کیا تو انہیں ایک تیر مار کر ختم کر دیا۔

بیعت عمر!

ابوبکر کا وقت آخر آیا تو انہوں نے عثمان کو بلا کر وصیت نامہ لکھوانا شروع کیا۔ بسم اللہ لکھا تھا کہ اما بعد کے بعد بے ہوش ہو گئے۔ عثمان نے مضمون مکمل کر دیا کہ میں عمر بن الخطاب کو تم سب پر خلیفہ مقرر کرتا ہوں اور میں نے تمہاری بھلائی میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے۔ اس کے بعد جب ہوش آیا اور عثمان نے مضمون سنایا تو پسند فرمایا۔

اس کے بعد عمر اس نوشتہ کو لیکر مسجد رسولؐ میں آئے اور لوگوں کو خلیفہ رسولؐ کی اطاعت کی دعوت دی۔ اور اس طرح ان کی بھی بیعت ہو گئی۔

شوریٰ اور بیعتِ عثمان!

عمر کے زخمی ہونے کے بعد ان سے خلیفہ مقرر کرنے کی درخواست کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ سالم زندہ ہوتے تو انہیں بنا دیتا ـــــ اور ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو انہیں مقرر کر دیتا ـــــ اب چھ آدمیوں کا شوریٰ بنائے دیتا ہوں سب قریش سے ہوں گے۔ ابوطلحہ زید بن سہل خزرجی نگرانی کریں گے۔ صہیب تین دن تک امامت کرے گا۔ اس کے بعد اگر کسی پر اتفاق ہو گیا تو ابوطلحہ مخالف کی گردن اڑا دیگا اور اگر تین تین ہو گئے تو جدھر عبدالرحمٰن بن عوف ہو گا وہ مقدم ہو گا۔ بلکہ عبدالرحمٰن خود اپنی بیعت کر لے تو اس کا قول سند ہو گا اور مخالف واجب القتل ہو گا۔

عمر کے مرنے کے بعد عبدالرحمٰن نے ان کو کمیٹی سے نکال لیا اور لوگوں سے رائے کی۔ سب نے حضرت علی پر اتفاق کیا۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ آپ خواہشات کا اتباع

نہیں کریں گے۔ حق کو مقدم کریں گے۔ اقربا پروری نہیں کریں گے۔ آپ نے وعدہ فرمایا
عبدالرحمن نے انتخاب کا اعلان کر دیا اور سب مسجد رسولؐ میں جمع ہوئے۔ عبدالرحمٰن نے
بیعت کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا کہ آیئے کتاب خدا، سنت رسولؐ اور سیرت شیخین
پر آپ کی بیعت کروں ؟ آپ نے فرمایا کہ میں صرف کتاب خدا اور سنت رسولؐ پر تا حد
امکان عمل کروں گا۔

پھر عثمان کی طرف ہاتھ بڑھایا اور انہوں نے شرط منظور کر لی تو دوبارہ حضرت
علی سے سیرت شیخین کا مطالبہ کیا۔ آپ نے پھر انکار کیا تو عثمان سے مکرر مطالبہ کیا اور
انہوں نے دوبارہ تاکید ی اقرار کیا جس کے بعد پھر حضرت علی سے کہا اور آپ نے پھر
انکار کیا اور فرمایا کہ کتاب وسنت کے ساتھ کسی شے کی ضرورت نہیں ہے اور تم صرف
مجھے خلافت سے الگ کرنے کی فکر میں ہو۔ عبدالرحمٰن نے دوبارہ عثمان سے اقرار لے کر
ان کی بیعت کر لی۔

حضرت علی سے سخت احتجاج کیا اور فرمایا کہ میرے خلاف یہ پہلی سازش نہیں
ہے۔ میں صبر کروں گا۔ خدا تمہیں ان باتوں کا بدلہ دے گا۔ خدا کی قسم تو نے عثمان کو
صرف اس لئے خلافت دی ہے کہ وہ پلٹ کر تیرے حوالے کرے حالانکہ خدا ہر روز ایک
نئی شان دکھلاتا ہے۔

بہر حال اصحاب شوریٰ نے عثمان کی بیعت کر لی اور حضرت علی غصہ میں باہر
نکل آئے۔ عبدالرحمن نے کہا کہ آپ بھی بیعت کیجیئے ورنہ آپ کو قتل کر دیا جائے گا
اس وقت اتفاق سے کسی کے پاس تلوار نہیں تھی۔ اصحاب شوریٰ نے بھی آپ سے
بیعت پر شدید اصرار کیا جس کے بعد آپ سکوت اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔

بیعت حضرت علیؑ !

عثمان کے قتل کے بعد مسلمانوں کا اختیار ان کے ہاتھوں میں آگیا اور ساری

بیعتوں سے نجات مل گئی تو سب حضرت علیؑ کی طرف ٹوٹ پڑے۔ مہاجرین، انصار، طلحہ، زبیر سب آپ کے پاس آئے کہ آیئے آپ کی بیعت کریں! آپ نے فرمایا کہ مجھے تمہاری بیعت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں جس کو چاہو خلیفہ بنالو ــــــ لوگوں نے کہا کہ آپ کے علاوہ کسی کو اختیار نہ کریں گے اور بار بار اسی بات پر اصرار کیا اور آخر میں کہا کہ لوگوں کا کام امیر کے بغیر نہیں چل سکتا ــــــ اب کچھ نہیں ہو سکتا ہے سوائے اس کے کہ آپ کی بیعت کر لیں۔

فرمایا اگر ایسا ہی ہے تو مسجد میں بیعت ہو گی۔ میری بیعت خفیہ طور پر بند کمرے میں نہیں ہو سکتی اور اس میں مسلمانوں کی رضامندی بھی ضروری ہے۔

لوگ مسجد میں جوق در جوق جمع ہونے لگے۔ سب سے پہلے طلحہ نے آپ کی بیعت کی اس کے بعد مہاجرین اور انصار کا تانتا بندھ گیا اور سب نے حضرت علی کی بیعت کر لی۔

ؔ

اس اجمالی داستان کے بعد دونوں مکاتب فکر کے آراء کا خلاصہ پیش کیا جائے گا کہ خلافت و امامت کے بارے میں دونوں کے افکار کے خطوط اور نشانات واضح کیئے جا سکیں۔!

خلافت کے بارے میں مدرسۂ خلفاء کے بیانات

ا ____ خلیفہ اول ابو بکر نے روز سقیفہ بیان دیا ____ یہ امر خلافت قریش کے اس قبیلہ کے علاوہ کسی کے لئے پسند نہ کیا جائے گا کہ یہی عرب میں نسب اور مکان کے اعتبار سے سب سے افضل ہیں۔ میں تمہارے لئے عمر اور ابو عبیدہ کو پسند کرتا ہوں جس کی بیعت کرنا چاہو کر لو۔ (بخاری کتاب الحدود باب رجم المبلیٰ ۴ھ ۱۲۰)۔

دوسری روایت :۔ یہی اولیاء رسولؐ، عشیرہ رسولؐ اور ان کے بعد سب سے زیادہ خلافت کے حقدار ہیں۔ ان سے جھگڑا کرنے والا ظالم کہا جائے گا۔ (طبری طبع یورپ ۱/۱۸۴۰)۔

۲ ____ عمر نے سقیفہ میں انصار سے خطاب کر کے کہا ____ خدا کی قسم عرب تمہاری ریاست پر راضی نہ ہوں گے جبکہ نبی تیم میں سے نہیں ہے۔ عرب ان سے انکار نہ کریں گے جن کے خاندان میں نبوت ہے اور ولی امر ان میں سے ہو۔ ہمارے پاس منکر کے خلاف واضح دلیل اور روشن برہان ہے۔ کون ہم سے محمدؐ کی حکومت و امارت کے بارے میں جھگڑا کر سکتا ہے جبکہ ہم ان کے اولیا اور اہل عشیرہ ہیں۔ ہمارا مخالف اہل باطل، گنہگار اور ہلاکت میں پڑ جانے والا ہو گا۔

(طبری طبع یورپ ۱/۱۸۴۱)۔

____ اس کے بعد اپنی زندگی کے آخری دور میں جب یہ خبر ملی کہ کسی نے کہا ہے کہ امیر المومنین (۲) عمر کا انتقال ہو گیا تو میں فلاں شخص کی بیعت کر لوں گا ____ تو فرمایا ____ جس نے بھی کسی مسلمان کی بیعت مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کی وہ اور اس کا حاکم کوئی قتل کے امکان سے نہیں بچ سکتا۔

(بخاری باب رجم المبلیٰ ۴ھ ۱۲۰)۔

____ اس کے بعد مجروح ہو کر شوریٰ کی تعیین کر کے فرمایا ____ اگر دو میں سے ایک بھی زندہ ہوتے اور میں خلافت اس کے حوالے کر دیتا تو مجھے اطمینان ہوتا۔ سالم مولائے ابی حذیفہ، ابو عبیدہ الجراح۔ (طبقات ابن سعد ۳، ۳۴۳)۔

____ پھر فرمایا ____ اگر سالم زندہ ہوتا تو میں شوریٰ نہ قرار دیتا۔ (استیعاب/ اسد الغابہ ۲، ۲۴۶)

۳ ____ اتباع مدرسۂ خلافت کا بیان ہے کہ ____ امامت سابق خلیفہ کی تعیین سے بھی ہو سکتی ہے جس طرح ابو بکر نے عمر کو قائد بنا دیا اور کسی سے نہ پوچھا ____ اور اہل حل و عقد کے انتخاب سے بھی ہو سکتی ہے جن کے عدد میں اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ پانچ ____ اس لئے کہ ابو بکر کی بیعت پانچ آدمیوں نے کی تھی۔ بعض کا خیال ہے کہ چھ ____ اس لئے کہ عمر نے شوریٰ چھ میں قرار دیا تھا۔ بہت سے افراد کا خیال ہے کہ ایک ____ اس لئے کہ عباس نے علی سے کہا تھا کہ ہاتھ بڑھاؤ میں بیعت کر لوں ____ اور پھر خلافت ایک فیصلہ ہے اور فیصلہ ایک حاکم کا بھی صحیح ہوتا ہے۔

دوسرا قول:۔ جو تلوار سے غلبہ حاصل کر کے خلیفہ بن جائے اور امیر المومنین نام پیدا کر لے کسی صاحب ایمان کو حق نہیں ہے کہ اس کو امام مانے بغیر رات گذارے چاہے وہ نیک ہو یا فاسق و فاجر۔ امیر المومنین بہر حال ہے اسلئے کہ سرکارؐ کی روایت ہے ____ "امیر کی بات سنو، اطاعت کرو چاہے تمہاری کمر توڑ دے اور سارا مال لے لے"۔

"خلیفہ فسق و ظلم اور حقوق کی بربادی سے معزول نہیں ہوتا اور نہ اسے معزول کرنے کا حق ہے نہ اس پر خروج ہو سکتا ہے بلکہ اسے نصیحت و موعظہ کرنا واجب ہے" کہ اس مضمون کی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔

یہ ہیں مدرسۂ خلافت کے افکار و آراء جن کے تجزیہ کے لئے اس سلسلہ کی

اصطلاحات پر اجمالی نظر ڈال لینا ضروری ہے۔

اصطلاحات کی تعریف

۱۔ **شوریٰ:۔** تشاور اور مشاورت زبان عرب میں باہمی تبادلہ خیال سے ایک رائے قائم کرنے کا نام ہے اور اس معنی میں آیات کریمہ "امرہم شوریٰ بینہم" اور "شاورہم فی الامر" میں استعمال ہوا ہے۔ شوریٰ کوئی اسلامی اصطلاح نہیں ہے۔

۲۔ **بیعت:۔** (ا) بیعت لغت عرب میں خریداری کے معاملہ پر ہاتھ پر ہاتھ مارنے کے معنی میں ہے اور یہ بھی عرب میں بات کو پختہ کرنے کا ایک طریقہ تھا جسطرح کہ معاہدات میں خوشبو سے پیالہ بھر کے اس میں ہاتھ ڈالتے تھے یا خون سے پیالہ بھر کر اس میں ہاتھ ڈال کر بات کو پختہ بناتے تھے۔

(ب) اسلام میں بیعت کا مفہوم یہ ہے کہ بیعت کرنے والا بیعت لینے والے سے عہد کرتا ہے کہ اس کے احکام کی مکمل اطاعت کرے۔ قرآن مجید نے بیعت رسولؐ کو بیعت خدا قرار دیا ہے۔

رسول اکرمؐ نے سب سے پہلی بیعت عقبہ اولیٰ میں اسلام کے واسطے لی۔

دوسری بیعت عقبہ ہی میں جنگ کے واسطے لی جس کا مقصد اسلامی معاشرہ کا قیام تھا اور چونکہ پہلی بیعت صرف اسلام کے لئے تھی اس لئے اس کو بیعت بیعت النساء کہا جاتا ہے۔

تیسری بیعت حدیبیہ میں درخت کے نیچے تھی جب آپ نے لوگوں کو عمرہ کی دعوت دی اور لوگ احرام باندھ کر نکلے اور قریش نے طواف کعبہ سے روک دیا اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے اور صورتحال عمرہ سے جنگ کی طرف منتقل ہو گئی اور یہ صورت اصل صورت سے بالکل مختلف تھی۔ اس لئے

آپ نے جدید عمل کے لئے بیعت ضروری سمجھی اور بیعت کا اثر یہ ہوا کہ اہل مکہ پر رعب طاری ہو گیا۔

گویا کہ پہلی بیعت اسلام پر۔ دوسری بیعت نظام اسلام کے قیام پر اور تیسری بیعت براہ راست جنگ پر لی گئی اور اسی لئے حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آپ تا حد امکان اطاعت کے نام پر بیعت لیا کرتے تھے اور نابالغ بچوں کو اس میں شامل نہ کرتے تھے۔

سیرت پیغمبرؐ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیعت کے تین ارکان ہیں:۔

۱________بیعت کرنے والا

۲________بیعت لینے والا

۳________معاہدۂ اطاعت

بیعت کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ان مسائل کو سمجھا جائے جن پر اطاعت کا معاہدہ کرنا ہے۔ اس کے بعد ہاتھ پر ہاتھ مار کر بیعت کی جائے اور اس طرح یہ ایک شرعی اصطلاح ہے اور اس کے شرعی شرائط ضروری ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:۔

(ا)۔ بیعت کرنے والا وہ ہو جس کی بیعت صحیح ہو۔ بچہ یا مجنوں بیعت نہیں کر سکتا۔ اس طرح مجبور و مضطر کی بیعت بیعت نہیں ہے جس طرح کہ زبردستی مال لیکر قیمت دیدینے کا نام بیع نہیں ہے۔ بیعت قہر و جبر اور تلوار کے زور پر ناممکن ہے۔

(ب)۔ بیعت لینے والا کھلم کھلا معصیت کار نہ ہو کہ بفرمانِ مرسل اعظم "معصیت خدا میں اطاعت نہیں ہو سکتی"۔

(ج)۔ احکام خدا و رسولؐ کی مخالفت کے نام پر بیعت نہیں ہو سکتی کہ سرکارؐ کا ارشاد ہے ــــ "جب حاکم معصیت کا حکم دے تو نہ کوئی سماعت ہے نہ اطاعت"۔

۳ــ۴۔ خلیفہ اور امیر المومنین:۔ خلافت لغت عرب میں نیابت کے معنی میں ہے اور خلیفہ وہ ہوتا ہے جو دوسرے کا جانشین اور قائم مقام ہو۔ اسی

معنی میں قرآن مجید میں جناب داؤد کو خلیفہ کہا گیا ہے۔ اور حدیث رسولؐ میں ہے "خدایا میرے خلفاء پر رحم کرنا"۔ جس کی تفسیر روایت میں یہ ہے کہ جو میرے بعد اگر میری حدیث اور سنت کی روایت کریں گے۔

خلافت قرآن و حدیث میں رسول اکرمؐ کی نیابت کے نام پر حکومت کرنے کا نام نہیں ہے۔ حدیث و سنت کی روایت کرنے کا نام ہے اور یہی بات دور عمر تک رائج رہی۔ اسی لئے انہیں خلیفۂ خلیفہ رسول اللہ کہا گیا اس کے بعد "امیر المومنین" بن گئے اور یہ سلسلہ عباسین تک رائج رہا کہ ان کا حاکم امیر المومنین اور خلیفۃ اللہ کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد عثمانیوں نے اپنے حاکم اعلیٰ کو خلیفہ کا نام دے دیا اور مسلمانوں میں یہ اصطلاح رائج ہو گئی۔ لفظ خلیفہ مسلمانوں کی اصطلاح ہے۔ اس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہی حال مسلمانوں میں لفظ امیر المومنین کا ہے۔

۵۔ **امام**:۔ لغت میں امام وہ ہوتا ہے جس کے پیچھے لوگ چلیں جس طرح کہ قرآن مجید میں جناب ابراہیم کو امام کہا گیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اسلام میں اس کے شرائط ہیں اور ظالم امام نہیں ہو سکتا اور اس طرح امام ایک شرعی اصطلاح ہے جسے قرآن مجید نے ایجاد کیا ہے۔

۶۔ **امر اور اولوالامر**:۔ لغت عرب، عرف مسلمین اور اسلامی نصوص میں لفظ امر ولایت و حکومت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا اولوالامر کو شرعی اصطلاح قرار دیا جا سکتا ہے کہ اس کا استعمال قرآن مجید میں بھی ہوا ہے اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔

رسول اکرمؐ کے بعد اولی الامر کی تشخیص و تعین میں مسلمانوں میں شدید اختلاف ہے۔ مدرسۂ اہل بیت کا عقیدہ ہے کہ یہ کام خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے گا ولی امر معین کرے گا اور رسول اس کی تبلیغ کرے گا۔ اور مدرسۂ خلافت کا نظریہ ہے کہ ولی امر

قہر، غلبہ، تسلط کے ذریعہ بھی ہو سکتا ہے اور حاکم بن جانے کے بعد اس کی اطاعت بہرحال واجب ہے اور اسی لئے ان لوگوں نے یزید کی بھی بیعت کی ہے جس نے فرزند رسول ؐ کو قتل کیا ہے۔ اولاد رسول ؐ کو قیدی بنایا ہے۔ مدینہ رسول ؐ کو فوجیوں پر مباح کر دیا ہے۔ اصحاب کا خون کیا ہے۔ کعبہ پر منجنیق سے پتھر برسائے ہیں اور اس کے بعد بھی آج تک "امیر المومنین" بنا ہوا ہے۔

خلافت و امامت کے بارے میں مکتب خلافت کے افکار کا تجزیہ

۱۔ شوریٰ

شوریٰ کا نام سب سے پہلے عمر بن الخطاب نے لیا ہے اور اس کے لئے قرآن اور سنت کی کوئی سند نہیں بیان کی بلکہ اپنے ذاتی اجتہاد سے یہ فیصلہ کیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص قرآن و سنت کے مقابلہ میں خلفاء کی رائے کو اہمیت دیتا ہے تو وہ اس سنت عمریہ کو دلیل خلافت قرار دے سکتا ہے جبکہ یہ سنت خود سنت رسول ؐ اور سنت ابوبکر کے خلاف ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی شوریٰ کا نام نہیں لیا تھا بلکہ ابوبکر کی خلافت تو خود بقول عمر ایک حادثہ ناگہانی تھی ________ اور خود عمر کو خلیفہ نامزد کرنے میں ابوبکر نے شوریٰ نہیں کیا اور عمر کا ذاتی نظریہ بھی شوریٰ کے خلاف تھا کہ انہوں نے فرمایا کہ سالم زندہ ہوتا تو اسی کو خلیفہ بنا دیتا۔ ابوعبیدہ زندہ ہوتا تو اس کو خلافت دے دیتا ______ یعنی خلافت میں شوریٰ کی کوئی ضرورت یا گنجائش نہیں تھی۔

اس کے بعد اگر سنت عمریہ کی بنا پر شوریٰ سے خلافت قائم بھی ہو سکے تو یہ مسئلہ رہ جاتا ہے کہ شوریٰ کیسے ہو گا۔ اس کے ممبران کتنے ہوں گے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ چھ ____ جن میں سے پانچ چھٹے کی بیعت کریں گے ______ البتہ یہ سوال ضرور

باقی رہ جائے گا کہ اس میں عبدالرحمن کو آخری فیصلہ کا جواز کیسے حاصل ہوگا اور پھر اسکی رائے کے مخالف کے قتل کا کیا جواز ہے؟ پھر کس سے یہ خطرہ تھا کہ عبدالرحمن کی رائے سے اختلاف کرے گا جس کے لئے یہ تمہید قائم کی جارہی تھی ـــــــ پھر کیا مدرسۂ خلافت نے کبھی بھی اس سنت عمریہ کا اتباع کیا ہے اور خلافت عثمانیہ تک کبھی اسطرح کا شوریٰ ہوا ہے ـــــــ؟

مدرسۂ خلافت کا شوریٰ کے موضوع پر آیات قرآنی سے استدلال بے معنی ہے اس لئے کہ "امرہم شوریٰ بینہم" شوریٰ کی خوبی اور رجحان کی دلیل ہے۔ اس میں وجوب اور مردم کا کوئی ذکر نہیں ہے ورنہ فرض، کتاب وغیرہ جیسے الفاظ استعمال ہوتے۔

دوسری آیت ـــــ "شاورہم فی الامر" میں رسول سے خطاب ہے اور انہیں مسلمانوں سے برتاؤ اور ان کی تالیف قلب کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ رسول ص کے احکام سلاطین وحکام زمانہ کی طرح شاہنشاہی فرمان بنکر نہیں صادر ہوتے بلکہ مشورہ کے ذریعہ تالیف قلب سے کام لیا جاتا ہے جیسا کہ خود قرآن مجید نے کہا ہے کہ جب آپ عزم کرلیں تو خدا پر بھروسہ کریں کہ مسلمانوں کے مشورہ پر عمل کرنا آپ کا فرض نہیں ہے۔ اسی لئے مختلف غزوات اور مواقع پر سرکار دو عالم ص نے امر الٰہی پر عمل کیا ہے مشورۂ مسلمین پر نہیں۔

اس کے علاوہ آپ کے تمام مشورے احکام الٰہیہ کی تنفیذ کے بارے میں تھے نہ کہ احکام کے انضباط کے بارے میں جہاں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ خدا اور رسول ص کے فیصلہ کے بعد کسی کو کوئی اختیار نہیں رہ جاتا۔ بنابریں مشورہ صرف وہاں ہو سکتا ہے جہاں خدا و رسول ص کا کوئی فیصلہ نہ ہو ورنہ فیصلہ کے بعد مشورہ کا نام لینا بھی معصیت اور ضلال مبین ہے۔

۲ ـــــ بیعت!

اس سلسلہ میں واضح کیا جا چکا ہے کہ بیعت معصیت خالق کے نام پر یا گنہگار کے لئے یا جبر واکراہ اور شمشیر کے زور سے جائز نہیں ہے۔ لیکن مدرسۂ خلافت کا عقیدہ

ہے کہ خلافت پانچ آدمیوں کی بیعت سے بھی منعقد ہو سکتی ہے اور بعض لوگوں نے تو ایک شخص کی بیعت اور دو کی گواہی کو بھی کافی قرار دیا ہے اور اس کی دلیل عمل صحابہ کو قرار دیا ہے۔

۳ــــ عملِ صحابہ!

عمل صحابہ سے استدلال اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب ہم اس عمل کو کتاب وسنت کے ہم پلہ ایک مصدر وماخذ شریعت اسلامی تسلیم کر لیں حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے اور صحابہ کے اعمال بھی آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

حضرت علیؑ کے کلام سے استدلال!

بعض لوگوں نے عمل صحابہ کے اسناد کے بارے میں نہج البلاغہ کے بعض فقرات سے استدلال کیا ہے حالانکہ وہ خطبہ نہیں ہے خط ہے جس میں معاویہ سے خطاب ہے اور اس پر اتمام حجت کیا گیا ہے کہ وہ عمل صحابہ کو حجت تسلیم کرتا تھا ورنہ عمل صحابہ اس وقت معتبر ہو سکتا ہے جب اس میں تمام صحابہ کرام حضرت علیؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ جیسے افراد شامل ہوں۔

وجوب اطاعت حاکم!

مدرسہ خلافت کا عقیدہ ہے کہ ــــــ "جس حاکم کو امام کہہ دیا جائے وہ فسق وفجور اور علانیہ معصیت سے بھی معزول نہیں ہوتا"

"مسلمان کا فرض ہے کہ حاکم کی اطاعت کرے چاہے وہ کمر توڑ دے اور سارا مال چھین لے"

"یزید بن معاویہ جیسا کھلم کھلا معصیت کار، فاسق وفاجر بھی بیعت کے ذریعہ امیر المومنین ہو گیا تھا اور اس بنا پر اس نے لشکر بھیجکر مکہ ومدینہ کو برباد کیا اور اولاد رسولؐ کا قتل وخون کیا اور ذریت پیغمبرؐ کو قیدی بنا کر کربلا سے شام تک در بدر پھرایا۔ مدینہ

رسولؐ کو مباح کر دیا۔ اصحاب رسولؐ قتل ہوئے۔ غلامی کے نام پر بیعت لی گئی۔ بدکاری کا بازار گرم ہوا۔ ہتک عزت کا سلسلہ قائم ہوا جس کی مثال مسلمانوں کی طویل ترین تاریخ میں بھی نہیں پیدا ہوئی۔ مکہ پر حملہ ہوا۔ خانۂ کعبہ کو منجنیق سے نشانہ بنایا گیا اور اس کے بعد بھی مدرسہ خلافت کے اصولوں پر آج تک خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین ہے اور اسکی شان میں کتابیں تالیف کی جارہی ہیں ــــــ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔"

امامت مدرسۂ اھلبیت میں

مدرسۂ اہلبیت نے جناب ابراہیم کے واقعہ سے استناد کرتے ہوئے کہ خدا نے انہیں امام بنایا تو انہوں نے ذریت کے بارے میں سوال کیا اور جواب ملا کہ ہمارا عہدہ ظالموں تک نہیں جاسکتا۔ یہ نتیجہ نکالا ہے کہ امامت ایک عہد الٰہی ہے جس کا کوئی تعلق ظالم سے نہیں ہے چاہے اپنے نفس پر ظلم کرے چاہے دوسروں پر ظلم کرے۔

اس کے بعد آیت تطہیر سے اہلبیت کی عصمت اور طہارت پر استدلال کیا گیا ہے کہ ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا اور تاریخ نے بھی اہلبیت کے کسی گناہ کی نشاندہی نہیں کی۔

ان کی امامت کے دلائل مفصل ذکر ہو چکے ہیں کہ رسول اعظمؐ کا اصول تھا کہ قوم کو بغیر ولی امر ایک لمحہ کے لئے نہیں چھوڑتے تھے اور کسی نہ کسی کو نائب ضرور بناتے تھے اور جب بھی کسی نے حکومت میں حصہ کی خواہش کی تو فرمایا کہ اس شرط پر بیعت کرو کہ تمہارا کوئی حصہ نہ ہوگا۔

اس کے بعد پہلی ہی دعوت میں حضرت علی کو وصی، وزیر اور خلیفہ نامزد کر دیا پھر بار بار اعلان فرماتے رہے ـــــــ "علی میرے بعد ہر مومن کا ولی ہے"۔ ـــــ "علی میرے بعد تم سب کا ولی ہے"۔ "علی مجھ سے ویسے ہی ہیں جیسے موسیٰ کیلئے ہارون"

غدیر خم میں جب آیت بلغ نازل ہوئی تو پالان شتر کا منبر بنوا کر علی کو بلند کر کے فرمایا کہ ــــــ "جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی بھی مولا ہے"۔ پھر علی کے سر پر عمامہ سحاب رکھا اور آیت "اکملت لکم دینکم" نازل ہوئی۔ پھر علی ہی کے بارے میں آیت "انما ولیکم اللہ" بھی نازل ہوئی ہے۔

پھر سرکارؐ نے حسنین کے بارے میں فرمایا کہ ــــــ "یہ دونوں مجھ سے ہیں" "یہ دونوں اسباط میں سے دو سبط ہیں"

پھر تمام ائمہ کے بارے میں فرمایا کہ "میرے بعد امام، علی اور ان کے فرزند ہیں"

آیت اولی الامر کے بارے میں بھی فرمایا کہ اس سے مراد یہی حضرات ہیں۔

پھر فرمایا کہ "اہلبیت کی مثال سفینۂ نوح کی ہے جو سفینہ پر سوار ہو گیا نجات پا گیا اور جو الگ رہ گیا غرق ہو گیا"

پھر اہلبیت کو قرآن کا ہم پلہ قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ ــــــ "میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں جن سے تمسک کرو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ایک قرآن اور ایک عترت و اہلبیت۔ خدائے لطیف و خبیر نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے یہانتک کہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں"

ارشاد رسول اکرمؐ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ "ان کی اولاد میں ایک کی عمر طویل تر ہو گی اور وہ قرآن کے ساتھ قیامت تک باقی رہے گا"

ائمہ کی تعداد آپ نے بارہ بتائی ہے۔ اس کے بعد ہرج و مرج کی خبر دی ہے اور دنیا کے تزلزل ہونے کی پیشگوئی فرمائی ہے۔

بعض روایات میں ان بارہ کو مثل نقبائے بنی اسرائیل قرار دیا گیا ہے۔

اور ان تمام روایات و ارشادات کا مصداق ائمہ اہلبیت کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ انہیں کی ایک فرد باقی ہے اور فنائے دنیا تک باقی رہے گی۔

مدرسۂ خلافت نے اس بات سے اتفاق نہیں کیا تو طرح طرح کی تاویلیں کیں لیکن کوئی ایسی تفسیر نہ پیش کر سکے جس سے اپنے ہی نفس کو راضی کر لیتے۔

تیرہ صدیوں میں حکومتوں کا نقطۂ نگاہ!

ہم نے ائمہ اہلبیت کی امامت کے بارے میں صرف ان مختصر دلائل کا تذکرہ کیا ہے جو مدرسہ خلافت کی معتبر ترین کتابوں میں موجود ہیں۔ ورنہ باقی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو ان میں بارہ اماموں کے نام اور ان کے صفات کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے جس کی تفصیلات کا باآسانی مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

لیکن اس سلسلہ میں یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ ان تمام نصوص وارشادات کی تدوین اور ان کی بقاء اس ماحول میں رہی ہے جبکہ تمام خلفاء امویین، عباسین، عثمانین، ان کے امراء، ولاہ، قضاۃ، حکام، علماء، ائمہ جمعہ و جماعت سب کا منصب اس بات پر موقوف تھا کہ ائمہ معصومین کے بارے میں وارد ہونے والے بیانات کو چھپایا جائے اور ان پر پردہ ڈال دیا جائے۔

اس لئے کہ مثال کے طور پر ھارون رشید کے زمانے میں ابو یوسف قاضی القضاۃ ہو گئے تو ان کی قضاوت موقوف ہے ہارون کی خلافت کے جواز پر اور خلافت موقوف ہے ائمہ اہلبیت کی امامت کے ارشادات و نصوص کے نہ ہونے پر۔ یا اس طرح برامکہ کی وزارت کا جواز ہارون کی خلافت سے وابستہ ہے اور خلافت کا جواز امامت کے دلائل کے چھپانے کا متقاضی ہے۔

یا اسی طرح رؤساء لشکر کی ریاست بھی انہیں مقدمات کا نتیجہ ہے اور والیان حکومت، امیر صفاء، امیر مکہ، امیر مدینہ و کوفہ و شام و سکندریہ وری و خراسان وغیرہ جیسے تمام بلاد اسلامی کے حکام کی ولایت موقوف ہے کہ اصل خلافت صحیح اور جائز قرار پا جائے اور وہ موقوف ہے اصل خلافت کے جواز پر۔

بلکہ یہی حال ائمہ جمعہ و جماعت کا ہے کہ ان کا منصب بھی خلافت کی مشروعیت اور اس کے جواز سے وابستہ ہے اور اقصیٰ بلاد افریقہ سے ماوراء خراسان تک یا بلاد حجاز و یمن و شام و عراق کے ائمہ جماعت کو اپنی امامت کی حجت کی فکر ہونی چاہیئے اور یہ سب باتیں موقوف ہیں ہارون کی خلافت پر اور وہ خلافت موقوف ہے امام موسیٰ بن جعفرؑ کے سلسلہ میں نصِ رسولؐ کے نہ ہونے پر ______ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دور یزید و معاویہ و عثمان وغیرہم سے عثمانیوں کی آخری خلافت تک سب کا فائدہ اسی بات سے وابستہ تھا کہ ائمہ اہلبیت کی امامت کے نصوص و اشارات محو کر دیئے جائیں اور ان کا سلسلہ ختم کر دیا جائے ______ لیکن اس کے باوجود یہ ارشادات و اشارات مختلف کتابوں میں موجود اور محفوظ ہیں تو اس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ سب نے چاہا کہ مٹا دیا جائے اور خدا نے چاہا کہ بچا لیا جائے اور جو خدا نے چاہا وہ ہو گیا ___ اس نے اپنی حجت ہر دور پر تمام کر دی اور اپنے نمائندوں کی امامت و قیادت کے دلائل ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیئے۔

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ